ذوالقرنین، یاجوج ماجوج
اور
جائے وقوع، دیوارِ ذوالقرنین

مترب
حکیم ظل الرحمٰن

Marfat.com

ذوالقرنین، یاجوج ماجوج

اور

جائے وقوع، دیوارِ ذوالقرنین

مرتب

حکیم ظل الرحمٰن

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

Marfat.com

©جملہ حقوق بحقِ مرتب محفوظ!

ZULQARNAIN, YAJOOJ MAJOOJ
AUR
JAY WAQO, DEWAR-E-ZULQARNAIN

Edited by

Hakeem Zill-ur-Rahman

ISBN 978-81-8223-561-8
Year of Edition 2009
Price Rs. 280/-

نام کتاب	:	ذوالقرنین، یاجوج ماجوج اور جائے وقوع، دیوارذوالقرنین
مرتب	:	حکیم ظل الرحمن
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۹ء
قیمت	:	۲۸۰ روپے
مطبع	:	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax: 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

Marfat.com

انتساب

ان مبارک ہستیوں کے نام جنہوں نے قران کریم کی عادلانہ تحقیق کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں

اور

اس جذبہ بے اختیار کے نام جو نامساعد حالات میں بھی تحریر کا محرک ہوا

اور

ان نقادان فن کے حسن نظر کے نام جنہوں نے مجھے اپنی لغزشوں کی اصلاح کے مواقع فراہم کیے

اور

اپنے ان اساتذہ کرام کے نام جن کی محنت۔ دعاؤں اور نوازشوں کی بدولت میں آج کسی لائق بن سکا ہوں

اور

ان رفیقان راہ کی حوصلہ افزائی کے نام جو میری دماغی کاوش کا واحد صلہ ہے

عقل وخرد کی ہرزہ سرائیوں کے باوجود میرا جدان اسی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے جو عزم اور حوصلہ دینے کے باوجود نتائج اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اسی سے تکمیل کار کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔

اظہارِ حقیقت

ہم اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس کام کے قطعاً اہل نہیں تھے۔ اس معبود حقیقی کا کرم اور احسان ہے کہ جس کا ہم کما حقہ شکر بھی ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں کہ اس نے مجھے اس کام کی توفیق دی اور ہمارے ذریعہ تکمیل تک پہنچوایا۔

خدا کرے کہ ہماری یہ کاوش بارگاہِ ایزدی میں قابلِ قبول شمار کر لی جائے اور روزِ محشر یہ ہماری مغفرت کا سامان بن سکے۔

اے خدا قربان احسانت شوم
واہ چہ احسانست قربانت شوم

طالب دعا
ظل الرحمٰن

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب نظام

1۔	کلمات زریں	8
2۔	عرض مرتب	10
3۔	آیات قرآنی سورہ کہف وانبیا	14
4۔	ترجمہ مولانا محمود حسن صاحبؒ	15
5۔	تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ	16
6۔	تفسیر مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	18
7۔	تفسیر معارف القران مفتی شفیع صاحبؒ	24
8۔	تفسیر مولانا عبدالماجد دریابادی صاحبؒ	45
9۔	تفسیر تلخیص تفہیم القران مولانا مودودی صاحبؒ	52
10۔	تفسیر موضح القران شاہ رفیع الدین صاحبؒ	56
11۔	تفصیلات عہدنامہ قدیم (تورات) کتاب حزقی ایل باب ۳۸	58
12۔	تفصیلات عہدنامہ جدید (انجیل مقدس) یوحنا عارف کا مکاشفہ	59
13۔	تفسیروں میں اسرائیلی روایات	60
14۔	تفصیل رسالہ راہ اسلام ایرانی کلچرل ہاوس دہلی	70
15۔	تفصیلات کتاب یاجوج ماجوج مولانا ظفر اقبال صاحب لاہوری	79
17۔	تفصیلات ترجمان القران مولانا ابوالکلام آزاد صاحبؒ	143
18۔	تفصیلات قصص القران مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ	198
19۔	تجزیات مرتب	281
20۔	قرب قیامت پر ایک نوٹ	294
21۔	شجرہ یاجوج ماجوج	296
22۔	اعتذار	298
23۔	ترجمہ مضمون انٹرنیٹ	299
24۔	تصاویر	313
25۔	اصل مضمون انٹرنیٹ	321

☆☆

Marfat.com

کلمات زرّیں

جناب مفتی جمیل احمد صاحب قاسمی

مہتمم جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ

جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب کی کتاب ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا مسودہ دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مفسرین کرام کی اس ضمن کی تفصیلات کو بھی بہ نظر غائر دیکھا ہے۔

ہمارے محترم حکیم ظل الرحمٰن صاحب تحقیق و تعمیق کا مزاج رکھتے ہیں۔ علوم قرآنیہ پر ان کی خاص نظر ہے۔ معتبر تفاسیر ان کے زیر مطالعہ ہیں۔ وہ پوری گہرائی گیرائی کے ساتھ الفاظ قرآنی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان سے متعلقہ تعبیرات و تفسیرات کو اہل علم کے سامنے پیش کرتے ہیں اور سند اعتبار حاصل کرنے کے بعد وہ افادۂ عام کے پیش نظر ان تحقیقی مضامین کو شائع فرماتے ہیں۔ ماضی قریب و بعید میں ان کی متعدد تالیفات منظر عام پر آئیں۔ احکام قرآن سے متعلق تفسیری حکمتیں اور زمان و مکان سے متعلق تاریخی و جغرافیائی تحقیقات خواص و عوام کے حلقوں میں مقبول ہوئیں۔ حکیم صاحب نادر تحقیقی اسلوب میں کلام اللہ کے حقائق سے خلق خدا کو آشنا کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں اور پوری عرق ریزی کے بعد صحیح حقیقتوں کا پتہ لگاتے ہیں۔ کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عام مفسرین ان موضوعات کو باریک بینی سے زیر کاوش نہیں لائے ہیں۔ یا صرف نظر کر کے آگے بڑھ گئے ہیں۔ یا قدیم مفسرین کی تحقیقات کو اپنے اسلوب میں پیش کرنے پر اکتفاء کیا۔ حکیم ظل الرحمٰن صاحب مفسرین کرام کا پورا احترام کرتے ہوئے ان کو بنظر غائر دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تاریخی حقیقتوں کا پتہ لگا کر علمائے کرام کی تائید حاصل کر کے نذر طالبین فرماتے ہیں۔

مجھے اجازت دیجیے یہ کہنے کہ ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کی تحقیق پر جب کوئی شخص تحقیقی نقطہ نگاہ سے تفسیری تفصیلات پر نظر ڈالتا ہے تو وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں جب اس کی نگاہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ترجمان القرآن کے مقدمہ کے درج ذیل حصہ پر پڑتی ہے تو وہ مفسرین کرام کے انداز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد

''چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا۔ شواذ و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ تقلید کی شاہراہ ہو گئی۔ ہر شخص جو تفسیر لکھنے کے لیے قدم اٹھاتا تھا کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چلتا تھا۔ نتیجتاً اگر کسی سے تیسری صدی میں کوئی غلطی ہو گئی تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ چلتی رہے۔ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھانے سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔ اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ و سلف کی روحیں لرزتی تھیں۔

اس کے بعد طبری کی یہ تحریر بھی ملاحظہ فرمالیں۔

''میں نے اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں میرا اعتماد اپنی اطلاعات اور راویوں کے

Marfat.com

بیانات پر رہا ہے نہ کہ عقل وفکر کے نتائج پر کسی قاری کو اگر میری جمع کردہ خبروں اور روایتوں میں کوئی چیز بایں وجہ نا قابل فہم اور نا قابل قبول نظر آئے کہ نہ کوئی اس کی تک بیٹھتی ہے اور نہ کوئی معنی بنتے ہیں تو اسے جاننا چاہئے کہ ہم نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے بلکہ اگلوں سے جو بات ہمیں جس طرح پہنچی ہے ہم نے اسی طرح نقل کردی ہے۔(بحوالہ واقعات کربلا مولانا عتیق سنبھلی۔طبری جلد اول ۵)

موجودہ کتاب میں ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج پر جس انداز سے تحقیقی محنت سے کام کیا گیا ہے وہ انتہائی لائق تحسین ہی نہیں بلکہ دوسرے حضرات کے لئے دعوت عمل بھی ہے کہ وہ اس موضوع کے مزید خاموش پہلوؤں پر تحقیقی کاوشوں کو روبہ عمل لائیں۔

جن حضرات نے مقام دیوار ذوالقرنین کے تعین سے پہلوتہی کی ہے وہ دینی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔حضرت قتادہ کی حدیث کہ کسی نے یہ دیوار دیکھی ہے اور وہ ایسی ہے ایسی ہے اور رسول اللہ صلعم کی اس مشاہدہ کی تصدیق کے بعد ہمارا فرض بن جاتا ہے کہ ہم اس دیوار کو تلاش کر کے دنیا کے سامنے اس کا مشاہدہ کرائیں یہی رائے مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی ہے۔

جائے مسرت ہے کہ جناب مولانا آزاد اور جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحبان نے ملت کے اوپر سے یہ قرض اتارنے کی کوشش کی ہے اور بڑی حد تک دیوار کے وجود اور مقام کا تعین کر دیا ہے۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے جس محنت سے ان مضامین کو مرتب کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔اپنے تجزیاتی مضمون میں انہوں نے خود بھی فرمادیا ہے کہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کتاب میں بحثیت مرتب ان کی رائے صدفی صد درست ہی ہو۔انہوں نے تو دوسرے حضرات کے لیے اس موضوع پر اجتہاد کا دروازہ کھولا ہے۔احادیث پر تنقید۔اکابرین کی آرا سے اختلاف چونکہ نیک نیتی سے تحقیقی مقاصد کی تلاش کی خاطر ہے اس لیے اس کا برا نہیں مانا جانا چاہئے تحقیق کے لئے شخصیت کے قد کو نظر انداز کرنا بعض اوقات تحقیق کی ضرورت ہوتا جاتا ہے اس کا مطلب قطعاً کسی کا عدم احترام نہیں ہوتا ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ حاصل کی گئی تفصیلات نے بہت سی صداقتوں کو تشت ازبام کر دیا ہے اور اب بہت سی ضعیف اور موضوع روائتیں خود بخود رد ہو جاتی ہیں اور موجود صداقتوں کو تسلیم کر لینا ہی صحیح قدم معلوم ہوتا ہے۔

بلاشبہ تقلید سے انحراف بہت احتیاط سے ہونا چاہے لیکن آج کے حالات میں یہ ایک امر ضروریہ میں سے ہے لیکن اس پر درائیت کی پیمائش اور میزان بھی ضروری ہے پھر بھی اس کا امکان رہتا ہے کہ تحقیق کے بعد جو رائے قائم ہوئی ہے وہ مزید قابل تحقیق ہو اور لوگوں کو مناسب انداز سے قران وحدیث اور تاریخی واقعات کی بنیاد پر اس سے اختلاف کرنے کا حق باقی رہتا ہے جس کی اجازت خود حکیم صاحب نے اپنے عرض مرتب میں دی ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ باری تعالی حکیم ظل الرحمٰن صاحب کی اس محنت کو قبول فرمالیں اور انہیں جزاء خیر سے نوازیں۔

طالب دعا
جمیل احمد قاسمی

Marfat.com

عرض مرتب

مشاہداتی زندگی کا ایک المیہ یہ ہے کہ جب کوئی قرآن فہمی کے صحیح جذبے سے مختلف اردو تفاسیر کا مطالعہ کرتا ہے اور اس میں مذکور واقعات کو تاریخ میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو تفاسیر اردو سے اسے بہت مایوسی ہوتی ہے اسباب پر نظر ڈالی جائے تو ہمارے علماء کی اکثریت میں ذوق مطالعہ کا فقدان اور متعلقہ علوم تاریخ و جغرافیہ سے عدم واقفیت ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ قرآن کریم میں ذوالقرنین کا واقعہ ہے جس کے بارے میں اکثر مفسرین نے پہلوتہی سے کام لیا ہے حالانکہ قرانی ہدایت لعلکم تعقلوں رتفکروں رتدبروں کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کے بارے میں تحقیق کے ابواب کو ہمیشہ کھلا رکھیں۔

ذوالقرنین کا واقعہ ایسا واقعہ ہے جس کا ذکر توریت۔ انجیل اور قرآن کریم میں مذکور ہے لہذا ہم پر فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اس کے ایک ایک گوشئے کی تحقیق کریں۔ لیکن مفسرین کے یہاں یا تو مایوسی ہے یا پھر بے سند اسرائیلی روایات کی بھرمار اور ذاتی بے سند اپنے قیاسات ہیں لیکن جائے مسرت ہے کہ اس موضوع پر مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بہت بڑی حد تک یہ فرض انجام دیا ہے اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاری نے تو قصص القران میں اس کی تحقیق کا مکمل حق ادا کر دیا ہے۔

میر اس کتاب کا محرک دراصل مولانا ظفر اقبال صاحب استاد جامعہ اشرفیہ لاہور کی کتاب ''فتنہ یاجوج و ماجوج'' جس کے ناشر اریب پبلیکشنز پٹودی ہاؤس دریا گنج ہیں ہے۔ دراصل مولانا نے اس کتاب میں بہت مواد جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر اس جمع کرنے میں وہ ترتیب نہ پیدا ہو سکی ہے جو کسی جواب دعوی مقدمہ میں ہوا کرتی ہے جس میں معاملہ کی تفصیل زینہ بہ زینہ لکھ کر کسی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مجبوراً مجھے سوچنا پڑا کہ اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے قلم اٹھانا ہی چاہے جس کی پہلی ضرورت تفاسیر کی تفصیلات ہیں۔

بدیں وجہ میں نے درج ذیل تفاسیر کے تراجم اور تشریحات کی تفصیلات دیکر کام کا آغاز کیا ہے۔

۱۔ ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہندؒ و تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

۲۔ ترجمہ و تفسیر بیان القران مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

Marfat.com

۳۔ تفسیر معارف القرآن مفتی شفیع صاحبؒ پاکستان

۴۔ تفسیر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ

۵۔ تفسیر تلخیص تفہیم القرآن مولانا مودودی صاحبؒ

۶۔ ترجمہ وتفسیر موضح القرآن شاہ رفیع الدین صاحبؒ

۷۔ تفسیر ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد صاحبؒ

ان سب کے ساتھ درج ذیل مضامین بھی جو ذوالقرنین سے متعلق ہیں شامل کتاب ہیں۔

۱۔ تفسیروں میں اسرائیلی روایات از مولانا نظام الدین صاب اسیر ادروی استاد جامعہ اسلامیہ بنارس

۲۔ تفصیلات رسالہ راہ اسلام شائع کردہ ایرانی کلچرل ہاوس دہلی بابتہ ذوالقرنین

۳۔ کتاب یاجوج ماجوج کے اقتباسات

۴۔ تفصیلات عہد نامہ قدیم (توریت)

۵۔ تفصیلات عہد نامہ جدید انجیل (یوحنا کا مکاشفہ)

۶۔ تفصیلات قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحبؒ

ان تمام کے بعد میرا تجزیاتی مضمون ہے مجھے امید ہے کہ ان عام تفصیلات کے بعد قارئین نہ صرف مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو خراج تحسین ادا کرینگے بلکہ خود بھی موضوع پر اگر کوئی مزید تحقیق کرنا ہوگی تو اس کی جستجو فرمائینگے میں نے اس ضمن میں مختلف دینی اداروں اور بعض علماء کو خط لکھا ہے ہے خدا کرے کہ میری یہ درخواست ان کے لیے قابل قبول ہو جائے۔

نوٹ: آپ مولف اور مرتب کا فرق ضرور نوٹ فرمالیں مولف سے مراد مولانا ظفر اقبال صاحب ہیں اور مرتب سے مراد یہ خاکسار ہے۔ مولانا ظفر اقبال صاحب کی کتاب کے اقتباسات پر کہیں کہیں میں نے اپنے مختصر نوٹ دئے ہیں۔ احادیث کے سلسلے مولف کتاب ذوالقرنین و ماجوج یاجوج پر مرتب کی حیثیت سے اس خاکسار نے جو اعتراضات مبینہ احادیث پر کئے ہیں وہ میری ذاتی آرا ہیں اور قابل تردید ہیں میرا یہ دعوی ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ صدفی صد درست ہے میں نے اس کو جس طرح محسوس کیا ہے لکھدیا ہے۔ لوگ جو مناسب سمجھیں میرے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کرسکتے ہیں مجھے ناگوار نہیں ہوگا۔ میں نے تو صرف جدوجہد اجتہاد و تحقیق کے درواز سے کا تالہ کھولا ہے اب یہ کام دوسرے حضرات کا ہے کہ اس موضوع پر مزید تحقیق فرمائیں۔ جہاں تک میری

Marfat.com

کوشش رہی ہے میں نے مختلف تفصیلات کے ذریعہ درج ذیل سوالات کی تحقیق کی کوشش کی ہے اور جوابات بھی دیئے ہیں تاہم یہ موضوعات مزید تشنہ تحقیق میں میری درخواست ہے کہ لوگ تحقیق کے اس باب کو مزید کھولیں۔

ا۔ ذوالقرنین کون تھا کیا وہ ایران کا بادشاہ کے خسرو تھا۔

۲۔ مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے بابتہ یاجوج ماجوج کہ وہ روسی اور برطانوی ہیں اور یاجوج ماجوج کا خروج کئی مرتبہ ہوگا کس حد تک درست ہے۔یا یہ صرف قرب قیامت ہی میں نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوگا۔

۳۔ یاجوج ماجوج سنتھین اقوام ہی کے جنگلی اور غیر مہذب قبائل ہیں کیا مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن نیز بعض دوسرے حضرات کی یہ رائے باوزن محسوس ہوتی ہے۔

۴۔ فتحت یاجوج ماجوج کا مفہوم فتنہ تاتار سے نہیں لیا جاسکتا اور نہ ہی گذشتہ صلیبی جنگوں اور ماضی کی دو عظیم جنگوں سے لیا جاسکتا ہے لیکن کیا رسول اکرم ﷺ کی پیشین گوئی بابتہ آخری جنگ کہ جس میں امام مہدی علیہ السلام مسلمانوں کے سپہ سالار ہونگے اور ستر ممالک دشمنان اسلام مقابل ہونگے۔آج کا یہودیوں کی وسیع سلطنت کے قیام کا موجودہ منصوبہ اور حدیث انہدام کعبہ سے یہ قیاس ممکن ہے کہ عراق کی موجودہ جنگ بہت طویل عرصہ تک جاری رہے اور اسی وقفہ میں ظہور امام مہدی بھی ہو جائے کو فتحت کے مفہوم میں لیا جاسکتا ہے۔لیکن یہ صرف میرا ایک قیاس ہے کوئی دلیل اس پر حدیث کی نہیں ہے۔

۵۔ یہ بھی ایک قابل غور مسئلہ ہے کہ کیا ایسی کسی جنگ کے نتیجہ میں دنیائی آبادی صرف ارض مقدس تک ہی محدود رہ سکتی ہے اور دابتہ الارض کا کام آسان ہو جائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور پر جانے والی بات بھی درست ہو جائے۔ایٹمی ہتھیاروں کی تباہی کے اعتبار سے اس کا امکان ہے۔یہ خیال کس حد تک درست ہے کیونکہ قرب قیامت کی تمام پیشین گوئیاں ارض مقدس تک ہی محدود ہیں۔جن میں ایرانی علاقہ شامل نہیں ہے۔

۶۔ یاجوج ماجوج کا جو تعارف اقوام سینتھین کے طور پر دیا گیا ہے وہ بہت حد تک درست محسوس ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں نزول کوہ طور پر تشریف لے جانے اور قتل دجال کے بعد مدینہ کی تشریف آوری اور انتقال اور تدفین روضہ اقدس کا باب ابھی تشنہ تحقیق ہے مجھے یہ تفصیلات کسی

Marfat.com

جگہ سے حاصل نہیں ہوسکی ہیں دوسرے حضرات توجہ فرمالیں ممنون ہونگا۔

قران کریم کی آیات میں جگہ جگہ لعلکم تعقلوں اورتدبروں کی ہدایت کی گئی ہے یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کو ماضی کے بزرگوں کے اقوال اور حالات کے علم سے ہی تحقیق کیا جاسکتا ہے اس کی ایک مثال میں آپ کو پیش کرر ہا ہوں۔

قاہرہ کے ایک سرکاری ہسپتال میں بہ یک وقت دو عورتوں کے یہاں ولادت ہوئی ایک کے یہاں لڑکا اور ایک کے یہاں لڑکی غلطی سے نرس دونوں کی کلائی پر ماں کے نام کی چٹ لگانا بھول گئی اور دونوں عورتوں نے اپنی اولاد کو نرینہ بتا کر حصول کا دعوی کیا۔ وہاں ایک دیندار مسلمان ڈاکٹر بھی تھے۔ صدر ڈاکٹر نے اس سے معلوم کیا کہ کیا بھائی تمہارے قرآن میں اس مسئلہ کا کوئی حل ہے انہوں ایک دن کی مہلت لی اور قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے پروفیسر سے رجوع کیا۔ ان کا جواب غور فرمائیں۔

بھائی ویسے تو اس کی کوئی تفصیل قران میں نہیں ہے البتہ وراثت کے معاملے میں لڑکے کا حصہ دوگنا ہوتا ہے اب دیکھ لو جس ماں کی چھاتی میں دودھ زاید ہو وہ لڑکے کی ماں ہے۔ تحقیق کے بعد ایک ماں کی چھاتی میں دوسری سے دوگنا دودھ نکلا اور وہی لڑکے کی ماں قرار پائی۔ ایسے واقعات معجزاتی شمار ہوتے ہیں لیکن قرانی آیات اور احادیث کی تاثیر اپنی جگہ مسلمہ امور ہیں۔ مثلاً ولادت کا وقت اگر پورا ہو گیا ہو اور دردزہ ہو رہے ہوں تو موطا امام مالک کے ہاتھ میں دیتے ہی ولادت ہو جاتی ہے یا واذ السماء انشقت تا وتخلت پڑھنے اور دم کرنے سے یا اس کو کاغذ پر لکھ کر عورت کی ران پر رکھنے سے ولادت ہو جاتی ہے۔ قران ایسی سب باتوں کی تحقیق کے لیے تعقلوں اور تدبرون کی دعوت دیتا ہے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس میدان میں لن ترانیوں اور تفسیر بالرائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے لہذا کسی روحانی شخصیت کے زیر سایہ رہ کر ہی یہ کام کیا جاسکتا ہے۔

نیاز مند
حکیم ظل الرحمن
بی۔۲۹، جوہری فارم جامعہ نگر
نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
Ph.:65357010, 9891084798

Marfat.com

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِي ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾
إِنَّا مَكَّنَّا لَهُۥ فِى ٱلْأَرْضِ وَءَاتَيْنَٰهُ مِن كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ
سَبَبًا ﴿٨٥﴾ ﴿٩٢﴾ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ ٱلسَّدَّيْنِ
وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوا۟ يَٰذَا
ٱلْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِى ٱلْأَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰٓ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا
مَكَّنِّى فِيهِ رَبِّى خَيْرٌ فَأَعِينُونِى بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
رَدْمًا ﴿٩٥﴾ ءَاتُونِى زُبَرَ ٱلْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ ٱلصَّدَفَيْنِ قَالَ
ٱنفُخُوا۟ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَعَلَهُۥ نَارًا قَالَ ءَاتُونِىٓ أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

فَمَا ٱسْطَٰعُوٓا۟ أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ لَهُۥ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ
هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّى ۖ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّى جَعَلَهُۥ دَكَّآءَ ۖ وَكَانَ
وَعْدُ رَبِّى حَقًّا ﴿٩٨﴾

حَرَٰمٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَٰهَآ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰٓ إِذَا
فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴿٩٦﴾
وَٱقْتَرَبَ ٱلْوَعْدُ ٱلْحَقُّ

Marfat.com

ترجمہ مولانا محمود حسن صاحب

تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو۔ کہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے۔ اس کا کچھ احوال۔ ہم نے اسکو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان (۳) پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے (۴) یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں (۵) اور پایا اس کے پاس لوگوں کو۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے یا رکھ ان میں خوبی (۶) بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دینگے پھر لوٹ جائیگا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دیگا اس کو برا عذاب اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام تو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور ہم حکم دینگے اس کو اپنے کام میں آسانی (۷) پھر لگا ایک سامان کے پیچھے (۸) یہانتک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کے لئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب (۹) یوں ہی ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر (۱۰) پھر لگا ایک سامان کے پیچھے (۱۱) یہانتک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات (۱۲) بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیسرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ (۱۳) بولا جو مقدور دیا ہے مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ میں ایک دیوار موٹی (۱۴) لادو مجھ کو تختے لوہے کے یہانتک کے جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہانتک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبہ (۱۵)

نوٹ مرتب: سورہ سبا۔ پارہ ۲۲۔ رکوع ۸۔ آیت ۱۲ میں سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ذکر ہے "اور بنا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبہ کا۔ لہذا پگھلے ہوئے تانبہ پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ (۱۶) بولا یہ مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرادے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا (۱۷)۔

اور چھوڑ دینگے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک مارینگے۔ صور میں پھر جمع کر لائینگے ہم ان سب کو اور دکھلا دینگے ہم دوزخ اس دن کافروں کو (۱۸)

سورۃ انبیا۔ پارہ ۱۷۔ رکوع ۷۔ آیت ۹۵۔۹۶

اور مقرر ہو چکا ہے ہر بستی پر کہ جس کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ پھر کر نہیں آئینگے یہاں تک کہ جب کھول دے جائیں یاجوج ماجوج اور وہ ہر اوچان سے پھسلتے چلے آئیں۔

Marfat.com

حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب بابتہ ذوالقرنین

برترجمہ مولانا محمود حسن صاحب

(۳) اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خداپرست دیندار بادشاہ تھا جو اس سے پہلے گذرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ ودلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور ان کی دعا کی برکت سے حق تعالی نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق ومغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر اس کے وزیر تھے شاید اسی لیے قرآن نے حضرت خضر کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ قدیم شعراء عرب نے اپنے اشعار میں ذوالقرنین کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخ سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔

(۵) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا کہ دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔

مرتب: شاہ صاحب کی تحریر کا کوئی حوالہ عثمانی صاحب نے نہیں دیا ہے۔

(۸) قرآن وحدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات ملک گیری کے لئے تھے ممکن ہے کہ محض سیر وسیاحت کے طور پر ہوں ا۔ اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گذر ہوا ہو جو اس کے زیر حکومت آچکی تھیں اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلے میں فریاد کی ہو جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا جیسا کہ آگے یاجوج ماجوج کے قصے میں آتا ہے واللہ اعلم۔

(۱۲) تنبیہ: اس قوم اور یاجوج ماجوج کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی البتہ دونوں پہاڑوں کے درمیان میں ایک درہ کھلا ہوا تھا اسی سے یاجوج ماجوج آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔

Marfat.com

(۱۴) تنبیہ: یاجوج ماجوج کون ہیں کس ملک میں رہتے ہیں۔ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین ومورخین کے اقوال مختلف رہے ہیں میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاوی میں جمہور علما سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا سے نہیں ملتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں قید کر رکھا ہے اسی قوم کا ہو جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخہ ملکیہ پیدا ہوئے نزول من السمائے کے بعد دجال کو ہلاک کرینگے۔ اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کریگی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت کریگی۔

اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی آہنی دیوار کس جگہ پر واقع ہے۔ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے اس کو کہنا پڑیگا کہ جن قوموں۔ ملکوں۔ اور دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا لہذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہیں۔ یہ دعوی کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں ہے۔

مرتب: مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی یہ تشریحات ان کے ذاتی خیالات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور اور ان کے لئے کوئی بنیادی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر ان کو کوئی علمی وزن دینا بھی ممکن نہیں ہے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت قتادہ کی حدیث کہ انہوں نے دیوار ذوالقرنین خود دیکھی ہے اور وہ ایسی ہے ایسی ہے ار رسول کریم صلعم کی اس پر تصدیق کہ قتادہ درست کہتے ہیں کے بعد یہ کہنا کہ ہمیں اب تک اس دیوار کا علم نہیں کسی طور پر بھی مناسب قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

ترجمہ وتفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

ترجمہ:

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔آپ فرمادیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔چناچہ وہ ایک راہ پر ہوئے۔یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی۔ہم نے کہا کہ ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ذوالقرنین نے عرض کیا کہ لیکن جو ظالم رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچایا جائیگا پھر وہ اسکو سخت سزا دیگا۔اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ملے گی۔اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

پھر ایک راہ پر ہو لئے۔یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے اوپر کوئی آڑ نہیں رکھی یہ قصہ اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔

پھر ایک اور راہ پر ہو لئے۔یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔انھوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج وماجوج اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کردیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی روک بنادیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھکو اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان میں خوب مضبوط دیواز بنادوں گا۔تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔یہاں تک کہ جب ان کے دونوں سروں کو برابر کردیا تو حکم دیا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کردیا۔تو حکم دیا کہاب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں سو نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب دے سکتے تھے۔ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آوے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کردیگا اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے۔

Marfat.com

تفسیر:۔اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (اس کے پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی تاریخ قریب قریب گم تھی اور اسی لئے جو اُموران کے متعلق قرآن میں مصرح نہیں کہ اصل قصہ سے زائد تھے وہ آج تک مختلف فیہ ہیں اور اسی واسطے انہوں نے اس کو سوال کے لئے تجویز کیا تھا پس اس کا جواب بھی کامل دلیل ہے نبوت کی) آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں (آگے حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی حکایت شروع ہوئی کہ وہ ذوالقرنین ایک ایسے جلیل القدر بادشاہ گزرے ہیں کہ) ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا (جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں کو پورا کر سکیں) چنانچہ وہ (بارادۂ فتوحات ملک مغرب) ایک راہ پر ہو لئے (اور راہ سے سفر کرنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب (سفر کرتے کرتے اور درمیانی بلا دو امصار کو فتح کرتے کرتے) غروب آفتاب کے موقع پر (یعنی بہت مغرب میں منتہائی آبادی پر) پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا (مراد اس سے غالباً سمندر ہے کہ اس کا رنگ اکثر جگہ سیاہ ہے اور سمندر میں گو حقیقتاً غروب نہیں ہوتا لیکن جہاں سمندر سے آگے نگاہ نہ جاتی ہو تو بادی النظر میں سمندر میں ہی غروب ہوتا معلوم ہوگا) اور اس موقع پر انھوں نے ایک قوم دیکھی (جن کے کافر ہونے پر اگلی آیت اما من ظلم الخ ولالت کرتی ہے) ہم نے (الہاماً یا اس زمانہ کی شریعت کے واسطہ سے) یہ کہا کہ اے ذوالقرنین (اس قوم کے بارے میں دو اختیار ہیں) خواہ (ان کو ابتدا سے ہی قتل وغیرہ کے ذریعہ سے) سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو یعنی اول دعوت ایمان کرلو اور ابتداءً قتل کرنا شاید اسلیئے جائز ہو کہ ان کو کسی ذریعہ سے دعوت پہنچ چکی ہوگی لیکن دوسری صورت کو بوجہ ترجیح کے اتخاذ حسن سے تعبیر فرمایا ذوالقرنین نے عرض کیا کہ (بہت اچھا اوّل دعوت ایمان ہی کروں گا) لیکن بعد دعوت ایمان کے) جو (ان میں) ظالم (کافر) رہے گا سو اس کو تو ہم لوگ (قتل وغیرہ کی) سزا دینگے (اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی) پھر (مرنے کے بعد) وہ اپنے مالکِ حقیقی کے پاس پہنچایا جائے گا پھر وہ اس کو (دوزخ کی) سخت سزا دیگا اور جو شخص (میری دعوتِ ایمان کے بعد) ایمان لے آوے گا اور (قواعد دینیہ کے موافق) نیک عمل کریگا تو اس کے لئے (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملیگی اور ہم (بھی دنیا میں) اپنے برتاؤ میں اسکو آسان (اور نرم) بات کہینگے (یعنی قولی سختی بھی اس کے ساتھ روا نہ رکھیں گے اور فعلی سختی تو بدرجہ اولی روا نہ رکھی جاوے گی)۔

ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ بادشاہ ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں کسی

Marfat.com

دوسرے نبی کے متبع یا پھر ولایت کی صورت میں یہ مکالمت بطور الہام ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعہ سے اور شاید ذوالقرنین ان کا لقب اس لئے ہوا ہو کہ قرن جانب کو کہتے ہیں اور تثنیہ سے مراد تکریر ہو چونکہ انہوں نے جوانب ارض پر تسلط حاصل کیا تھا اس لئے ذوالقرنین لقب ہو گیا واللہ اعلم اور ذوالقرنین کے دوسفر آئندہ میں یہ مضمون تخیر بین التعذیب اولا یتخاذ کا مذکور نہیں شاید ایک جگہ ذکر کر کے بقیہ مواقع کو سامعین کے مقالیسہ پر چھوڑ دیا ہو اور ان کے معاملہ میں بھی یہی مکالمت ہوئی ہو یا خود مکالمت کو ان کے مقالیسہ پر چھوڑ دیا ہو کہ یہی برتاؤ وہاں کریں گے۔ پھر (ممالک مغربیہ فتح کر کے ممالک مشرقیہ فتح کرنے کے ارادے سے مشرق کی طرف) ایک (دوسری) راہ پر ہو لئے یہاں تک کہ جب (مسافت قطع کر کے) طلوع آفتاب کے موقع پر (یعنی جہت مشرق میں منتہائی آبادی پر) پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا (یعنی وہاں ایک ایسی قوم آبادتھی) جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی (ظاہراً یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مکان وغیرہ بنانا نہ جانتے تھے کہ آفتاب کی گرمی ے پناہ لے سکیں) یہ قصہ اسی طرح تھا۔

یہ تاکید و تحقیق ہے مضمون کی کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں اور ہمارا علم مطابق واقعہ کے ہے اور ذلک کا مشارالیہ صرف واقعہ سفر مشرق ہو یا پہلا واقعہ سفر مغرب بھی۔ شاید اس سے زیادت تنبیہ ہو نبوت محمدیہ پر کہ دیکھو اخبار ماضیہ مندرسہ کو کس طرح ٹھیک بیان فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہم بتلاتے ہیں۔

سفر سوم:۔ پھر (مغرب و مشرق فتح کر کے) ایک اور راہ پر ہوئے (چونکہ آبادی شمالی حصہ میں زیادہ ہے اس لئے غالباً گمان ہے کہ اس سے سمت شمال مراد ہو مفسّرین نے یہی سمت لکھی ہے) یہاں تک کہ جب (مسافت قطع کر کے ایک ایسے مقام پر جو) دو پہاڑوں کے درمیان میں (تھا) پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو (غایت اجنبیت لغت و قلّت فہم کی وجہ سے) کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے (یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے اور وحشی اور قلیل الفہم ہونے کی وجہ سے سمجھ کے لگ بھگ بھی نہیں پہنچے ورنہ عاقل آدمی رموز و قرائن سے کچھ قریب قریب سمجھ لیتا ہے مگر کسی مترجم کے ذریعہ سے) انھوں نے (ذوالقرنین سے) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین قوم یاجوج ماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں ہماری) اس سرزمین میں (کبھی کبھی آکر) بڑا فساد مچاتے ہیں (یعنی ہم پر مار دھاڑ کرتے ہیں اور ہم کو مقابلہ کی طاقت نہیں) سو کیا (آپ اجازت دیتے ہیں کہ) ہم لوگ آپکے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور انکے درمیان میں کوئی

Marfat.com

روک بنادیں (کہ وہ پھر آنے نہ پائیں) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھکو (تصرف کرنے کا) اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے سو (مال کی تو مجھکو ضرورت نہیں البتہ) ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو (تو) میں تمہارے اور اس کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنا دوں ۔ (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (دام سرکار سے ملیں گے اور ضرورت کی اور بھی چیزیں منگوائی ہونگی مگر رکن اعظم اور اس وحشی ملک میں کمیاب چیز یہی تھی اس لئے ذکر میں اس یک تخصیص کی گئی چنانچہ سب سامان کیا گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان بنیاد کھود کر اس کو پتھروں وغیرہ سے بھروا کر اوپر سے ہی لوہے کی چٹانوں کے ردّے رکھنے شروع کئے) یہاں تک کہ جب (ردّے ملاتے ملاتے) ان (دونوں) پہاڑوں کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلا) کو (پہاڑوں کے) کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھوں کو (دھونکنا شروع ہو گیا) یہاںتک کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اس کو لال انگارا کر دیا تو (اس وقت) حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کرالیا ہوگا) اس کو اوپر ڈال دوں (یعنی ڈلوا دوں) چنانچہ تانبا لایا گیا (اور آلات کے ذریعہ سے اوپر سے چھوڑ دیا گیا کہ تمام درزوں میں گھس کر سب چادریں ایک ذات ہو کر ایک ڈال کی دیوار آہنی بن گئی طول وعرض خدا کو معلوم) سو (اس کے غایت ارتفاع وملاست کے سبب) نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے اور (غایت استحکام کے سبب) نہ اس میں نقب دے سکتے تھے (اور دیوار بنانے کے وقت وہ لوگ اس موقع سے بہت دور تھے کیونکہ اس طرف وسیع زمین ہے) ذوالقرنین نے (جب اس دیوار کو تیار دیکھا جسکا تیار ہونا معمولی کام نہ تھا تو بطور شکر کے) کہا کہ یہ (تیاری دیوار کی) میرے رب کی ایک رحمت ہے (مجھ پر بھی کہ میرے ہاتھ سے ایسا کام لیا اور اس دیوار سے باہر بسنے والوں کے لئے بھی کہ یاجوج ماجوج کے شر سے محفوظ ہوگئی) پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آوے گا) تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کردے گا اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے (اور اپنے وقت پر ضرور واقع ہوتا ہے) یا تو یہ مضمون حضرت ذوالقرنین نے اس مجمل بناء پر فرما دیا کہ ہر شئے فانی ہے اور یا ممکن ہے کہ ان کو وحی سے اگر وہ نبی ہوں یا الہام یا کسی نبی کے اخبار سے مفصّل وقت اس کے انہدام کا کہ قرب قیامت ہے معلوم ہو گیا ہو جیسا کہ حدیثوں میں مصرح ومشرح ہے اور یہ بات حضرت ذوالقرنین نے شاید اس لئے فرما دی ہو کہ آدمی کسی حال میں حق تعالیٰ سے غافل اور کسی سامان پر مغرور نہ ہو بلکہ نعمت پر شکر کرے اور فنا کو پیش نظر رکھے اور جاننا چاہئے کہ مصنفین ومؤلفین نے اس سد یاجوج ماجوج کی تعیین کے متعلق اپنے اپنے مقالات وخیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قرآن وحدیث میں

Marfat.com

جو اس کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندہ مقبول ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑون سے ملے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یاجوج ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے ۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہوگیا ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ لوگ ہر روز اسے چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے۔ اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کر دیں گے۔ چنانچہ اس روز پھر وہ دبیز نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے۔ آٹھویں یہ کہ یاجوج ماجوج کی قوت باوجود آدمی ہونے کہ آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور س وقت عیسیٰ علیہ السلام بوحی الٰہی خاص خاص لوگوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جا ئینگے باقی لوگ اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائینگے۔ دسویں یہ کہ وہ دفعۃً غیر معمولی موت سے مر جائینگے اوّل کے پانچ اوصاف قرآن سے اور آخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیشِ نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے رائی سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔ رہا یہ شبہ مخالفین کا کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اُس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جس کو صاحب روح المعانی نے اختیار کیا ہے حاصل ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی، تری کو محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں اور عقلاً یہ جائز ہے کہ امریکہ کی طرح سمندر کے درمیان میں کوئی حصہ زمین کا ایسا ہو جہاں اب تک رسائی نہ ہوئی ہو اور عدم وجدان سے وجود لازم نہیں آتا اور جب مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں جس طرح اور اُمور ممکنہ کی خبر دی ہے اور تصدیق ضروری ہے اور ایسے مشککین کے کلام فضول کی طرف التفات کرنے کا منشا محض ضعف دین اور قلت یقین ہے اور قرآن میں سفر جنوب کا ذکر نہ ہونا شاید اس وجہ سے ہو کہ اس سفر کا اتفاق نہ ہوا ہو یا کسی وجہ سے ذکر نہ کیا ہو ربط اور پر آخر قصہ میں ذوالقرنین کا قول جو مشعر اُس دیوار کو فناء کا اور مشیر خروج یاجوج ماجوج کی طرف ہے حکایت کیا گیا ہے

٣٠٥٧٩٤٧

Marfat.com

آگے حق تعالیٰ اپنی طرف سے خروج مذکور کے وقت خاص حالت اور عموماً دنیا کا فنا ہو کر پھر ثانیا پیدا ہونا اور اُس کے بعد جزا اور سزا کا معاملہ اور جو اُمور و اعمال جزا اور سزا کے اسباب ہین۔ اجمالاً ان کا بیان فرماتے ہین۔ غرض فنائے خاص کی مناسبت سے فنائی عام اور اُس کی مناسبت سے بقاء ثانی اور اُس کی مناسبت سے جزا اور سزا اور اُس کی مناسبت سے موجبات جزا اور سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔

بیان فناء و بقاء و سزا و جزا یوم لقاء

اور ہم اُس روز (یعنی جب اُس دیوار کے انہدام کا وقت موعود آوے گا اور یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا تو اُس روز ہم اُن کی یہ حالت کرین گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو ہو جاوین گے (بوجہ اس کے کہ کثرت سے ہوں گے اور ایک دم سے نکل پڑیں گے) اور (یہ قیامت کے قریب زمانہ میں ہوگا پھر بعد چندے قیامت کا سامان شروع ہوگا حتیٰ کہ ایک بار اول صور پھونکا جاویگا جس سے تمام عالم فنا ہو جاویگا پھر) صور (دوبارہ) پھونکا جاویگا (جس سے سب زندہ ہو جاوینگے) پھر ہم کو ایک ایک کر کے (میدان محشر مین) جمع کرلیں گے۔

Marfat.com

ازمعارف القرآن ج ۵

ترجمہ۔۱: اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو۔ کہہ کہ اب پڑھتا ہوں تمھارے آگے اسکا کچھ احوال ۔ہم نے ان کو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان، پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے، یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں اور پایا اسکے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تُو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی، بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دینگے، پھر لوٹ جائیگا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دیگا اس کو بُرا عذاب، اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سو اسکا بدلا بھلائی ہے، اور ہم حکم دینگے اسکو اپنے کام میں آسانی کا۔

ترجمہ۔۲: پھر لگا ایک سامان کے پیچھے، یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کے لئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب، یوں ہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر،

ترجمہ۔۳: پھر لگا ایک سامان کے پیچھے، یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات، بولے اے ذوالقرنین! یہ یاجوج وماجوج دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ، بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنا دوں تمھارے اور ان کے بیچ ایک دیوار موٹی، لادو مجھ کو تختے لوہے کے، یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو، یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ، کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا، پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ، بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔

ترجمہ۔۴: اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو اور دکھلا دیں گے ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے، جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور نہ سن سکتے تھے،

خلاصئہ تفسیر

ذوالقرنین کا پہلا سفر: آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (اس پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی

Marfat.com

تاریخ قریب قریب گم تھی، اور اسی لیے اس قصہ کے جو امور قرآن میں مذکور نہیں کہ وہ اصل قصہ سے زائد تھے، ان امور کے متعلق آج تک اہلِ تاریخ میں اختلافات شدید پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے قریشِ مکہ نے بمشورۂ یہودِ مدینہ اس قصہ کا سوال کے لیے انتخاب کیا تھا، اس لیے اس قصہ کی تفصیلات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح دلیل ہے) آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا ذکر ابھی تمھارے سامنے بیان کرتا ہوں (آگے حق تعالیٰ کی طرف سے اسکی حکایت شروع ہوئی کہ ذوالقرنین ایک ایسے جلیل القدر بادشاہ ہو گذرے ہیں کہ) ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) دیا تھا (جس سے وہ اپنے شاہی منصوبوں کو پورا کر سکیں) چنانچہ وہ (بارادۂ فتوحات ملکِ مغرب) ایک راہ پر ہو لئے (اور سفر کرنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب (سفر کرتے کرتے درمیانی شہروں کو فتح کرتے ہوئے) غروبِ آفتاب کے موقع (یعنی جانبِ مغرب میں انتہائی آبادی) پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا، (مراد اس سے غالباً سمندر ہے کہ اس کا پانی اکثر جگہ سیاہ نظر آتا ہے، اور اگرچہ آفتاب حقیقتاً سمندر میں غروب نہیں ہوتا مگر سمندر سے آگے نگاہ نہ جاتی ہو تو سمندر میں ہی ڈوبتا ہوا معلوم ہوگا،

یَسْـئَلُـوْنَکَ (یعنی وہ لوگ آپؐ سے سوال کرتے ہیں) یہ لوگ سوال کرنے والے کون ہیں، روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قریشِ مکہ تھے، جن کو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور حقانیت کا امتحان کرنے کے لیے تین سوال بتلائے، روح کے متعلق اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں، ان میں دو کا جواب آچکا ہے، اصحابِ کہف کا قصہ ابھی گذرا ہے، اور روح کا سوال پچھلی سورۃ کے آخر میں گذر چکا ہے، یہ تیسرا سوال ہے کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کو کیا حالات پیش آئے (بحر محیط)

ذوالقرنین کا نام ذوالقرنین کیوں ہوا، اس کی وجہ میں بے شمار اقوال اور سخت اختلافات ہیں، بعض نے کہا ان کی دو زلفیں تھیں اس لیے ذوالقرنین کہلائے، بعض نے کہا کہ مشرق و مغرب کے ممالک پہ حکمران ہوئے اس لیے ذوالقرنین نام رکھا گیا، کسی نے یہ بھی کہا کہ ان کے سر پر کچھ ایسے نشانات تھے جیسے سینگ کے ہوتے ہیں، بعض روایات میں یہ ہے کہ ان کے ان کے سر پر دونوں جانب چوٹ کے نشانات تھے اس لیے ذوالقرنین کہا گیا، واللہ اعلم، مگر اتنی بات متعین ہے کہ قرآن نے خود ان کا نام ذوالقرنین نہیں رکھا، بلکہ یہ نام یہود نے بتلایا انکے یہاں اس نام سے ان کی شہرت ہوگی، واقعتاً ذوالقرنین کا جتنا حصہ قرآن کریم نے بتلایا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ:۔

Marfat.com

"وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق و مغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل وانصاف کی حکمرانی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لیے عطا کردیئے گئے تھے، انھوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کیئے، مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک، پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انھوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کردیا جس سے یاجوج ماجوج کی تخت وتاراج سے اس علاقہ کے لوگ محفوظ ہو گئے"

یہود نے جو سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور نبوت کا امتحان کرنے کے لیے پیش کیا تھا، وہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے، انھوں نے مزید سوالات نہیں کیئے، کہ انکا نام ذوالقرنین کیوں تھا، یہ کس ملک اور کس زمانہ میں تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کو خود یہود نے بھی غیر ضروری اور فضول سمجھا، اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تاریخ وقصص کا صرف اتنا حصہ ذکر کرتا ہے جس سے کوئی فائدہ دین یا دنیا کے متعلق ہو، یا جس پر کسی ضروری چیز کا سمجھنا موقوف ہو، اس لئے نہ قرآن کریم نے ان چیزوں کو بتلایا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی یہ تفصیلات بیان کی گئیں، اور نہ قرآن مجید کی کسی آیت کا سمجھنا ان چیزوں کے علم پر موقوف ہے، اسی لئے سلف صالحین صحابہ وتابعین نے بھی اس پہ کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

اب معاملہ صرف تاریخی روایات کا یا موجودہ تورات وانجیل کا رہ گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ موجودہ تورات وانجیل کو بھی مسلسل تحریفات نے ایک آسمانی کتاب کی حیثیت میں نہیں چھوڑا، ان کا مقام بھی اب زیادہ سے زیادہ ایک تاریخ ہی کا ہوسکتا ہے، اور زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسرئیلی قصوں کہانیوں سے ہی پر ہیں، جنکی نہ کوئی سند ہے، نہ وہ کسی زمانے کے عقلاء وحکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں، حضرات مفسرین نے بھی اس معاملہ میں جو کچھ لکھا وہ سب انہیں تاریخی روایات کا مجموعہ ہے، اسی لیے ان میں اختلافات بے شمار ہیں، اہلِ یورپ نے اس زمانہ میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی، اس پر تحقیق وتفتیش میں بلاشبہ بڑی محنت وکاوش سے کام لیا، آثارِ قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کر کے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہنچنے میں وہ کام انجام دیئے جو اس سے پہلے زمانہ میں نظر نہیں آتے، لیکن آثارِ قدیمہ اور ان کے کتبات سے کسی واقعہ کی تائید میں تو مدد مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جاسکتا، اس کے لیے تو تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں، اور ان معاملات میں زمانہ قدیم کی تاریخی روایات کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے، کہ ایک کہانی

Marfat.com

سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، قدیم وجدید علماءِ تفسیر نے بھی اپنی کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت سے ہی نقل کی ہیں، جن کی صحت پر کوئی قرآنی مقصد موقوف نہیں، یہاں بھی اسی حیثیت سے بقدرِ ضرورت لکھا جاتا ہے، اس واقعہ کی پوری تفتیش و تحقیق مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں لکھی ہے، تاریخی ذوق رکھنے والے حضرات اس کو دیکھ سکتے ہیں، (قصص القران کی تفصیلات آیندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)۔

بعض روایات میں ہے کہ پوری دنیا پر سلطنت وحکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں، دو مؤمن اور دو کافر، مؤمن بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین ہیں، اور کافر نمرود اور بخت نصر ہیں۔

ذوالقرنین کے معاملہ میں یہ عجب اتفاق ہے کہ اس نام سے دنیا میں متعدد آدمی مشہور ہوئے ہیں، اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہر زمانہ کے ذی القرنین کے ساتھ لقب سکندر بھی شامل ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے ایک بادشاہ سکندر کے نام سے معروف و مشہور ہے جسکو سکندر یونانی، مقدونی، رومی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، جسکا وزیر ارسطو، اور جسکی جنگ دارا سے ہوئی، اور اسے قتل کر کے اس کا ملک فتح کیا، سکندر کے نام سے دنیا میں معروف ہونے والا آخری شخص یہی تھا، اسی کے قصے دنیا میں زیادہ مشہور ہیں، بعض لوگوں نے اس کو بھی قرآن میں مذکور ذوالقرنین کہہ دیا، یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ یہ شخص آتش پرست مشرک تھا، قرآنِ کریم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے، ان کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے، مگر مؤمن صالح ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور خود قرآن کی نصوص اس کی شاہد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابن عساکر اسکا پورا نسب نامہ لکھا ہے، جو اوپر جا کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملتا ہے، اور فرمایا کہ یہی وہ سکندر ہے جو یونانی مصری مقدونی ناموں سے معروف ہے، جس نے اپنے نام پر شہر اسکندریہ آباد کیا، اور روم کی تاریخ اسی کے زمانہ سے چلتی ہے، اور یہ سکندر ذی القرنین اول سے ایک طویل زمانہ کے بعد ہوا ہے، جو دو ہزار سال سے زائد بتلایا جاتا ہے، اسی نے دارا کو قتل کیا اور شاہانِ فارس کو مغلوب کر کے ان کا ملک فتح کیا، مگر یہ شخص مشرک تھا، اس کو قرآن میں مذکور ذوالقرنین قرار دینا سراسر غلطی ہے۔

حدیث و تاریخ کے امام ابن کثیر کی اس تحقیق سے ایک تو یہ مغالطہ رفع ہوا کہ یہ اسکندر جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو سال پہلے گذرا ہے، اور جسکی جنگ دارا اور ملوکِ فارس سے ہوئی، اور

Marfat.com

بانی اسکندریہ ہے، یہ وہ ذوالقرنین نہیں جسکا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یہ مغالطہ بعض اکابر مفسرین کو بھی لگا ہے، ابو حیان نے بحر محیط میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اسی کو ذوالقرنین مذکور فی القرآن کہہ دیا ہے۔

دوسری بات وَاِنَّهٗ كَانَ نَبِیًّا کے جملے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک انکا نبی ہونا راجح ہے، اگرچہ جمہور کے نزدیک راجح وہ قول ہے جو خود ابن کثیر نے بروایت ابی الطفیل حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نقل کیا ہے کہ نہ وہ نبی تھے نہ فرشتہ بلکہ ایک نیک صالح مسلمان تھے اسی لیے بعض علماء نے یہ توجیہ کی کہ اِنَّهٗ كَانَ کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف نہیں خضر علیہ السلام کی طرف راجع ہے، وہوالا قرب۔

اب مسئلہ یہ رہتا ہے کہ پھر وہ ذوالقرنین جنکا ذکر قرآن میں ہے کون ہیں، اور کس زمانہ میں ہوئے ہیں، اس کے متعلق بھی علماء کے اقوال بہت مختلف ہیں، ابن کثیر کے نزدیک ان کا زمانہ اسکندر یونانی مقدونی سے دو ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم الخلیل علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ ہے، اور ان کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے، ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پاحج کے لیے پہنچے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انکے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا، اور حضرت خلیل علیہ السلام نے انکے لیے دعاء بھی کی اور کچھ وصیتیں و نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں، (البدایہ ص ۱۰۸ ج ۲) اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ازرقی نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، پھر قربانی دی۔

اور ابو ریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار البقیہ عن القرون الخالیہ میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے ابوبکر بن سمی بن عمر بن افریقیس حمیری ہے، جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو فتح کیا، اور تبع حمیری یمنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے، ان کے اشعار یہ ہیں۔

قد کان ذوالقرنین جدی مسلماً : ملکاً علا فی العرض غیر مبعّد

یہ روایت بحرِ محیط میں ابو حیّان نے نقل کی ہے، ابنِ کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ذوالقرنین تبابعہ یمن میں سب سے پہلا تُبّع ہے، اور یہی وہ شخص ہے جس نے بیر سبع کے بارے میں حضرت ابراہیم کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ ص ۱۰۵ ج ۲) ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام و نسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کا زمانہ حضرت ابراہیم کا

Marfat.com

زمانہ بتلایا گیا ہے،

اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب قصص القرآن مین جو ذوالقرنین کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین مذکور فی القرآن فارس کا وہ بادشاہ ہے جس کو یہودی خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں، جس کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت بعد انبیاء بنی اسرائیل میں سے دانیال کا زمانہ بتلایا جاتا ہے، جو سکندر مقدونی قاتل دارا کے زمانے کے قریب قریب ہو جاتا ہے، مگر مولانا موصوف نے بھی ابن کثیر وغیرہ کی طرح اس کا شدت سے انکار کیا ہے کہ ذوالقرنین وہ سکندر مقدونی جس کا وزیر ارسطو تھا وہ نہیں ہوسکتا، وہ مشرک آتش پرست تھا، یہ مؤمن صالح تھے۔

مولانا موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں جو دو مرتبہ بنی اسرائیل کے شروفساد میں مبتلا ہونے اور دونوں دفعہ کی سزا کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر جو قرآن کریم نے فرمایا ہے بَعَثْنَا عَلَيْكُم عِبَادًا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(یعنی تمھارے فساد کی سزا میں ہم مسلط کر دینگے تم پر اپنے کچھ ایسے بندے جو بڑی قوت اور شوکت والے ہونگے وہ تمھارے گھروں میں گھس پڑیں گے) اس میں یہ قوت وشوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنھوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایات میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا، اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا، اور اس کے بعد جو قرآن کریم نے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔ (یعنی ہم نے پھر لوٹا دیا تمھارے غلبہ کو ان پر) یہ واقعہ اسی کیخسرو خورس بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا، یہ مؤمن صالح تھا، اس نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا، اور دوبارہ فلسطین مین آباد کیا، بیت المقدس کو جو ویران کر دیا تھا اس کو بھی دوبارہ آباد کیا، اور بیت المقدس کے خزائن اور اہم سامان جو بخت نصر یہاں سے لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضہ مین دیئے، اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل (یہود) کا نجات دہندہ ثابت ہوا،

یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ یہودِ مدینہ نے جو امتحان نبوت کے لئے قریشِ مکہ کے واسطے سوالات متعین کیئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تورات کے حوالہ سے انبیاء بنی

Marfat.com

اسرائیل کی پیشگوئیوں سے پھر تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کیے ہیں، جو صاحب مزید تحقیق کے درپے ہوں وہ اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، میرا مقصد ان تمام روایات کے نقل کرنے سے صرف اتنا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے زمانہ کے بارے میں علماء امت اور ائمہ تاریخ وتفسیر کے اقوال سامنے آجائیں، ان میں سے راجح کس کا قول ہے یہ میرے مقصد کا جز نہیں، کیون کہ جن امور کا نہ قرآن کریم نے دعویٰ کیا نہ حدیث نے ان کو بیان کیا، ان کے معیّن ومبیّن کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر نہیں، اور ان میں جو قول بھی راجح اور صحیح قرار پائے مقصدِ قرآنی ہر حال میں حاصل ہے، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم،

خلاصۂ تفسیر آیات۔۲

پھر (ممالک مغربیہ فتح کر کے مشرقی ممالک فتح کرنے کے ارادہ سے مشرق کی طرف) ایک راہ پر ہو لئے یہاں تک کہ جب طلوعِ آفتاب کے موقع پر (یعنی جانب مشرق میں منتہائی آبادی پر) پہنچے تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی آڑ نہیں رکھی تھی (یعنی اس جگہ ایک ایسی قوم آباد تھی جو دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی مکان یا کوئی خیمہ وغیرہ بنانے کے عادی نہ تھے، بلکہ شاید لباس بھی نہ پہنتے ہوں، جانوروں کی طرح کھلے میدان میں رہتے تھے) یہ قصہ اسی طرح ہے، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سامان وغیرہ) تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے، (اس میں امتحانِ نبوت کے لئے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ ہم جو کچھ بتا رہے ہیں وہ علم وخبر کی بنیاد پر ہے، عام تاریخی کہانیوں کی طرح نہیں، تاکہ نبوّتِ محمدیہ کی حقانیت واضح ہو جائے)

معارف ومسائل

ذوالقرنین نے مشرق کی جانب جو قوم آباد پائی، اس کا یہ حال قران کریم نے ذکر فرمایا وہ دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی سامان، خیمہ، لباس وغیرہ کے ذریعہ نہ کرتے تھے، لیکن ان کے مذہب و اعمال کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، اور نہ یہ کہ ذوالقرنین نے ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ بھی کافر ہی تھے، اور ذوالقرنین نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اوپر مذکور ہو چکا ہے، مگر اس کے بیان کرنے کی یہاں اس لیے ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلے واقعہ پر قیاس کر کے اس کا بھی علم ہو سکتا ہے (کذا فی بحر المحیط عن ابن عطیہ)

Marfat.com

پھر (مغرب و مشرق فتح کر کے) ایک اور راہ پر ہو لئے (قرآن میں اس سمت کا نام نہیں لیا مگر آبادی زیادہ جانب شمال ہی ہے، اس لئے مفسرین نے اس سفر کو شمالی ممالک کا سفر قرار دیا تاریخی شہادتیں بھی اس کی مؤید ہیں) یہاں تک کہ جب ایسے مقام پر جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا پہنچے تو ان پہاڑوں سے اس طرف ایک قوم کو دیکھا جو (زبان ولغت سے ناواقف وحشیانہ زندگی کی وجہ سے) بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے (ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف زبان سے ناواقفیت نہ تھی، کیوں کہ سمجھ بوجھ ہو تو غیر زبان والے کی باتیں بھی کچھ اشارے کنائے سے سمجھی جاسکتی ہیں، بلکہ وحشیانہ زندگی نے سمجھ بوجھ سے بھی دور رکھا تھا مگر شاید پھر کسی ترجمان کے واسطے سے) انھوں نے عرض کیا اے ذوالقرنین قوم یاجوج و ماجوج (جو اس گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں ہماری) اس سرزمین میں (کبھی کبھی آکر) بڑا فساد مچاتے ہیں (یعنی قتل و غارتگری کرتے ہیں اور ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں) سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے چندہ کر کے کچھ رقم جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں (کہ وہ اس طرف نہ آنے پائیں) ذوالقرنین نے جواب دیا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھ کو (تصرف کرنے کا) اختیار دیا ہے وہ بہت کچھ ہے (اس لئے چندہ جمع کرنے اور مال دینے کی ضرورت نہیں، البتہ ہاتھ پاؤں کی طاقت (یعنی محنت مزدوری) سے میری مدد کرو تو میں تمھارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دونگا، (اچھا تو) تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (قیمت ہم دینگے، ظاہر یہ ہے کہ اس آہنی دیوار بنانے کے لئے اور بھی ضرورت کی چیزیں منگوائی ہونگی، مگر یہاں وحشی ملک میں سب سے زیادہ کم یاب چیز لوہے کی چادریں تھیں، اس لئے ان کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا، سب سامان جمع ہو جانے کے بعد دونوں پہاڑوں کے درمیان آہنی دیوار کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا، یہاں تک کہ جب (اس دیوار کے رڈے ملاتے ملاتے) ان (دونوں پہاڑوں) کے دونوں سروں کے بیچ (کے خلاء) کو (پہاڑوں کے) برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو (دھونکنا شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اس کو لال انگارا کر دیا تو حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کرالیا ہوگا) کہ اس پر ڈال دوں (چنانچہ یہ پگھلا ہوا تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعے اوپر سے چھوڑ دیا گیا کہ دیوار کی تمام درزوں میں گھس کر پوری دیوار ایک ذات ہو جائے، اس کا طول اور عرض خدا کو معلوم ہے) تو (اس کی بلندی اور چکناہٹ کے سبب) نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے اور نہ اس میں (غایت استحکام کے سبب

Marfat.com

کوئی) نقب لگا سکتے تھے، ذوالقرنین نے (جب اس دیوار کو تیار دیکھا جس کا تیار ہونا کوئی آسان کام نہ تھا تو بطور شکر کے) (کہا کہ میرے رب کی ایک رحمت ہے مجھ پر بھی کہ میرے ہاتھوں یہ کام ہو گیا اور اس قوم کے لئے بھی جس کو یاجوج ماجوج ستاتے تھے) پھر جس وقت رب کا وعدہ آئیگا (یعنی اس کی فنا کا وقت آئیگا) تو اس کو ڈھا کر (زمین کے) برابر کر دیگا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے (اور اپنے وقت پر ضرور واقع ہوتا ہے)۔

یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں، سدّ ذوالقرنین کس جگہ ہے؟

ان کے متعلق اسرائیلی روایات اور تاریخی کہانیوں میں بہت بے سروپا عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں جن کو بعض حضرات مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کر دیا ہے مگر وہ خود ان کے نزدیک بھی قابلِ اعتماد نہیں، قرآنِ کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدرِ ضرورت تفصیلات سے بھی امت کو آگاہ کر دیا، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے، اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات جو مفسرین محدثین اور مورخین نے ذکر کئے ہیں وہ صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، ان میں جو اہلِ تاریخ کے اقوال مختلف ہیں وہ قرائن اور قیاسات اور تخمینوں پر مبنی ہیں ان کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی اثر قرآنی ارشادات پر نہیں پڑتا،

میں اس جگہ پہلے وہ احادیث نقل کرتا ہوں جو اس معاملہ میں محدثین کے نزدیک صحیح یا قابلِ اعتماد ہیں اس کے بعد بقدرِ ضرورت تاریخی روایات بھی لکھی جاوینگی،

یاجوج ماجوج کے متعلق روایاتِ حدیث:۔ قرآن وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج انسانوں کی ہی قوم میں ہیں، عام انسانوں کی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، کیوں کہ قرآن کریم کی نص صریح ــــــــــــــــ، یعنی طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہونگے، تاریخی روایات اس پر متفق ہیں وہ یافث کی اولاد میں ہیں،

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہونگے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں، آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہِ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور حق تعالیٰ یاجوج ماجوج کو کھول

Marfat.com

دیں گے، تو وہ ورعتِ سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے ان میں سے پہلے لوگ بحیرۂ طبریہ سے گذریں گے، اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گیکہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہِ طور پر پناہ لیں گے، اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا، مگر وہ کم پڑ جائیگا، تو ایک بیل کے سر کو سو دینار سے بہتر سمجھا جائیگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے (حق تعالیٰ دعاء قبول فرمائنگے) اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے، اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر مین سب کے سب مر جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے ساتھی کوہِ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا، (اس کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھرکم پرندوں کو بھیجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردنوں کی مانند ہونگی، (وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا مین ڈال دیں گے پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائیگی اور شیشہ کی مانند صاف ہو جائے گی پھر حق تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگا دے، اور (از سرِ نو) اپنی برکات کو ظاہر کر دے (چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا، اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ مین اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کے سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا، اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہو جائے گا، (یہ غیر معمولی برکات اور امن و آمان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوش گوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی، اور سب کے سب وفات پا جائیں گے، اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی

۲۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت میں یاجوج و ماجوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی

Marfat.com

ہے وہ یہ کہ بحیرۂ طبریہ سے گزرنے کے بعد یاجوج ماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پر چڑھ جائیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو سب کو قتل کر دیا ہے، لو اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کریں، چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر حق تعالیٰ کے حکم سے خون آلود ہو کر انکی طرف واپس آئیں گے (تا کہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیا،

۳۔ بخاری و مسلم نے حضرت زینب بنتِ جحش ام المومنینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ا۔۔۔(ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبانِ مبارک یہ جملے تھے،

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آ چکا ہے، آج کے دن یاجوج و ماجوج کی ردم یعنی سدّ میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلا دیا"

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ایسے حالات میں ہلاک ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں، جبکہ خبث (یعنی شر) کی کثرت ہو جائے (مثلہ فی الصحیحین عن ابی ہریرۃؓ کذا فی البدایہ والنہایہ لابن کثیر) اور سدّ یاجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہو جانا اپنے حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے، اور مجازی طور پر سدّ ذوالقرنین کے کمزور ہو جانے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، (ابن کثیر ابو حیان)

۴۔ مسند احمد، ترمذی ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج ہر روز سدّ ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب تک پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے، مگر یہ کہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کر دیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی درست مضبوط کر دیتے ہیں، اور اگلے روز نئی محنت پھر اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہیگا جس وقت تک یاجوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس روز جب محنت کر کے آخری حد میں پہونچا دینگے اس دن یوں کہیں گے اگر اللہ نے چاہا تو کل ہم اس کو پار کر لیں گے (اللہ کے نام اور اس کی مشیت پر موقوف رکھنے سے آج توفیق ہو جائے گی) تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کر لیں گے،

Marfat.com

ترمذی نے اس روایت کو بسند اوی عوانہ عن قتادہ عن ابی رافع عن ابی ہریرۃ نقل کر کے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، ابن کثیر نے اپنی اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:۔

"اسناد اس کی جیّد اور قوی ہیں، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کو مرفوع کرنے یا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں ایک نکبت واجنبیت معلوم ہوتی ہے"

اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ کعب احبار کی روایت ہے تب تو بات صاف ہوگئی کہ یہ کوئی قابلِ اعتماد چیز نہیں، اور اگر اس روایت کو ہم راوی سے محفوظ قرار دے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد قرار دیا جائے تو پھر مطلب اس کا یہ ہوگا کہ یاجوج ماجوج کا یہ عمل سدّ کو کھودنے کا اس وقت شروع ہوگا جب کہ ان کے خروج کا وقت آجائےگا اور قرآنی ارشادات کے اس دیوار میں نقب نہیں لگائی جاسکتی، یہ اس وقت کا حال ہے جب کہ ذوالقرنین نے اس کو تعمیر کیا تھا، اس لئے کوئی تعارض نہ رہا، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نقب سے مراد دیوار کا وہ رخنہ اور سوراخ ہے جو آر پار ہو جائے ا، اور اس روایت میں اسکی تصریح موجود ہے کہ یہ سوراخ آر پار نہیں ہوتا (ص ۱۱۲ ج ۲)۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کو عبد بن حمید اور ابن حبان کے حوالے سے بھی نقل کر کے کہا ہے کہ ان سب کی روایت حضرت قتادہ سے ہے اور ان میں سے بعض کی سند کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں اور حدیث کے مرفوع قرار دینے پر بھی کوئی شبہ نہیں کیا اور جو بحوالہ ابن عربی بیان کیا کہ اس حدیث میں تین آیات الٰہیہ یعنی معاجزات ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ سدّ کو کھولنے کا کام دن رات مسلسل جاری رکھیں ورنہ اتنی بڑی قوم کے لئے کیا مشکل تھا کہ دن اور رات کی ڈیوٹیاں الگ الگ مقرر کر لیتے، دوسرے ان کے ذہنوں کو اس طرف سے پھیر دیا کہ اس سد کے اوپر چڑھنے کی کوشش کریں، اس کے آلات سے مدد لیں، حالانکہ وہب بن منبہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صاحبِ زراعت وصناعت ہیں، ہر طرح کے آلات رکھتے ہیں، انکی زمین میں درخت بھی مختلف قسم کے ہیں، کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اوپر چڑھنے کے ذرائع وسائل پیدا کر لیتے، تیسرے یہ کہ ساری مدت میں ان کے قلوب میں یہ بات نہ آئے کہ انشاء اللہ کہ لیں، صرف اس وقت یہ کلمہ انکی زبان پر جاری ہوگا، جب انکے نکلنے کا وقت مقرر آجائے گا،

ابن عربی نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج مین کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیّت وارادہ کو مانتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدہ

Marfat.com

کے ہی انکی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کردے، اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے، (اشرات الساعۃ للسید محمد، ص ۱۵۴) مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ورنہ نصِ قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہیے، معلوم ہوا کہ دعوتِ ایمان ان کو بھی پہونچی ہے، مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادہ ومشیت کے قائل ہونگے، اگرچہ اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو، بہرحال انشاء اللہ کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں

مذکورالصدر احادیث میں یاجوج ماجوج کے متعلق جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہوئیں وہ حسبِ ذیل ہیں،

(۱) یاجوج ماجوج عام انسانوں کی طرح انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جمہور محدثین ومؤرخین ان کو یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یافث ابن نوح کی اولاد نوح علیہ السلام کے زمانے سے ذوالقرنین کے زمانے تک دور دور تک مختلف قبائل اور مختلف قوموں اور مختلف آبادیوں میں پھیل چکی تھی، یاجوج ماجوج جن قوموں کا نام ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب سدّ ذوالقرنین کے پیچھے ہی محصور ہو گئے ہوں، ان کے کچھ قبائل اور قومیں سدِّ ذوالقرنین کے اس طرف بھی ہونگے، البتہ ان میں سے جو قاتل اور غارت گری کرنے والے وحشی لوگ تھے، وہ سدِّ ذوالقرنین کے ذریعہ روک دیئے گئے۔۔۔۔۔ مؤرخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں مگر ان میں سے یاجوج ماجوج نام۔۔۔۔۔ صرف ان وحشی غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے، انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین جو متمدن ہو گئے وہ اس نام سے خارج ہیں،

(۲) یاجوج ماجوج کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد، کم از کم ایک اور دس کی نسبت سے ہے (حدیث نمبر۲)

(۳) یاجوج ماجوج کی جو قومیں اور قبائل سدِّ ذوالقرنین کے ذریعے اس طرف آنے سے روک دئے گئے ہیں وہ قیامت کے بالکل قریب تک اسی طرح محصور رہیں گے، ان کے نکلنے کا وقت مقرر ظہور مہدی علیہ السلام پھر خروجِ دجّال کے بعد وہ ہوگا جب کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجّال کو قتل کر چکیں گے، (حدیث نمبر۱)

(۴) یاجوج ماجوج کے کھلنے کے وقت سدِّ ذوالقرنین منہدم ہو کر زمین کے برابر ہو جائے گی

Marfat.com

،(آیت قرآن) اس وقت یہ یاجوج ماجوج کی بے پناہ قومیں بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی سرعتی رفتار کے سبب ایسی معلوم ہوں گی کہ گویا یہ پھسل پھسل کرگر رہے ہیں، اور یہ لاتعداد وحشی انسان عام انسانی آبادی اور پوری زمین پر ٹوٹ پڑیں گے اور انکے قتل وغارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا، اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بامرِ الٰہی اپنے ساتھی مسلمانوں کولیکر کوہِ طور پر پناہ لینگے، اور عام دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ قلعے یا محفوظ مقامات ہیں وہ ان میں بند ہو کر اپنی جانیں بچائیں گے، کھانے پینے کا سامان بند ہو جانے کے بعد ضروریاتِ زندگی انتہائی گراں ہو جائے گی باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی قومیں ختم کرڈالیں گی، ان کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گی، (حدیث نمبرا)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے رفقاء کی دعا سے پھر یہ ٹڈی دل قسم کی بے شمار قومیں بیک وقت ہلاک کردی جائیں گی، انکی لاشوں سے ساری زمین پٹ جائے گی، ان کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسنا مشکل ہو جائے گا (حدیث نمبرا)

(۶) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے رفقاء کی دعا سے انکی لاشیں دریا بُرد یا غایب کردی جائے گی اور عالم گیر بارش کے ذریعے پوری زمین کو دھو کر پاک صاف کردیا جائے گا (حدیث نمبرا)

(۷) اس کے بعد تقریباً چالیس سال امن وآمان کا دور دورہ ہوگا، زمین اپنی برکات اگل دیگی، کوئی مفلس محتاج نہ رہے گا، کوئی کسی کو نہ ستائے گا، سکون واطمینان آرام وراحت عام ہوگی (حدیث نمبر۳)

(۸) اس امن وآمان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج وعمرہ جاری رہیے گا (حدیث نمبر۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور روضۂ اقدس میں دفن روایات حدیث سے ثابت ہے، اس کی بھی یہی صورت ہوگی کہ وہ حج یا عمرہ کے لئے حجاز کا سفر کریں گے (کما رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ، التصریح) اس کے بعد مدینہ طیبہ میں وفات ہوگی، روضۂ اقدس میں دفن کیا جائے گا،

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ اسلم کے آخر زمانے میں بذریعہ وحی خواب آپ کو دکھلایا گیا کہ سدِ ذوالقرنین میں ایک سوراخ ہو گیا ہے جس کو آپ نے عرب کے لئے شر وفتنہ کی علامت قرار دی، اس دیوار مین سوراخ ہو جانے کو بعض محدثین نے اپنی حقیقت پر محمول کیا ہے، اور بعض نے اس کا مطلب بطور استعارہ اور مجاز کے یہ قرار دیا ہے کہ اب یہ سدِ ذوالقرنین کمزور ہو چکی ہے، خروج یاجوج ماجوج کا وقت قریب آگیا ہے اور اس کے آثار عرب قوم کا تنزل وانحطاط کے رنگ میں ظاہر ہونگے، واللہ اعلم، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر کے اس کے فتنہ کو ختم کریں گے،

Marfat.com

مگراس کے متصل ہی یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل وغارتگری کریں گے، مگر ان کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہونگے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے یہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے، غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کے آخر میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجّال اور یاجوج ماجوج کے ہونگے، جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ وبالا کردیں گے، ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد مین پوری دنیا کے اندر عدل وانصاف اور امن وسکون اور برکات ثمرات کا دور دورہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ اور مذہب زمین پر نہ رہیگا، زمین اپنے خزائن ودفائن اُگل دیگی، کوئی فقیر ومحتاج نہ رہے گا، درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے،

یاجوج ماجوج اور سدِّ ذوالقرنین کے متعلق یہ معلومات تو وہ ہیں جو قرآن اور احادیث نبویہؐ نے امت کو بتلا دیئے ہیں، اسی پر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت ناجائز ہے، باقی رہی اس کی جغرافیائی بحث کہ سدِّ ذوالقرنین کس جگہ واقع ہے، اور قوم یاجوج ماجوج کون سی قوم ہے، اور اس وقت کہاں کہاں بستی ہے، اگرچہ اس پر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے، اور نہ قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اس پر موقوف ہے، لیکن مخالفین کی ہفوات کے جوابات اور مزید بصیرت کے لئے علماءِ امت نے اس سے بحث فرمائی ہے، اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے،

قرطبی اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلوں مین سے اکیس قبیلوں کو سدِّ ذوالقرنین سے بند کردیا لیکن ایک ایک قبیلہ سدِّ ذوالقرنین کے اس طرف رہ گیا، وہ ترک ہیں، اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہین وہ یاجوج ماجوج سے ملتی ہوئی ہیں، اور آخر زمانہ میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، پھر فرمایا کہ اس زمانہ مین ترک قوم بڑی بھاری تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے، جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، وہی مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یاجوج ماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں (قرطبی، ص ۵۸ ج ۱۱) (قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے، جس مین فتنہ تاتار ظاہر ہوا اور اسلامی خلافت کو تباہ وبرباد کیا، ان کا عظیم فتنہ تاریخِ اسلام مین معروف اور تاتاریوں کا مغول ترک مین سے ہونا مشہور ہے)۔ مگر قرطبی نے ان کو یاجوج ماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے، ان کے فتنہ کو وہ خروج یاجوج ماجوج نہیں بتایا جو علاماتِ قیامت میں سے ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور مین اس کی تصریح ہے، کہ وہ خروج حضرت

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا،

اسی لئے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی مین ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے، جنھوں نے تا تاری کو یاجوج ماجوج قرار دیا، اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے، اور نصوصِ حدیث کی مخالفت ہے، البتہ یہ انھوں نے بھی فرمایا کہ بلا شبہ یہ فتنہ یاجوج ماجوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے، (روح ص ۴۴ ج ۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مؤرخین موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں، اگر اس سے ان کی مراد وہی ہوتی جو قرطبی اور الوسی نے فرمایا، کہ ان کا فتنہ یاجوج ماجوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوتا، مگر اسی کو وہ خروج یاجوج ماجوج قرار دینا جس کی خبر قرآن وحدیث میں بطور علاماتِ قیامت دی گئی، اور اس کا وقت نزولِ عیسی علیہ سلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوصِ حدیث کا انکار ہے،

مشہور مورخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج ماجوج اور سدّ ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے:۔

"ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قنجاق اور چرکس کہلاتے ہیں، اور مشرق کی جانب یاجوج ماجوج کی آبادیاں ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حدِ فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے، کہ وہ بحرِ محیط سے شروع ہوتا ہے، جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے، اور پھر بحرِ محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نوے حصہ مین داخل ہو جاتا ہے، یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے، حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ مین داخل ہو جاتا ہے، اور یہاں پہونچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے، اور اسی سلسلۂ کوہ کے درمیان سدِّ سکندری واقع ہے، اور ساتویں اقلیم کے نوے حصہ کے وسط ہی میں وہ سدّ سکندری ہے، جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں، اور جسکی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے،

اور عبداللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے، جس مین اس نے یہ دیکھا تھا کہ سدّ کھل گئی ہے، چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا، اس نے واپس آکر اسی سدّ کے حالات واوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون ص ۷۹)

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سدِّ ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجنا اور انکا

Marfat.com

تحقیق کر کے آنا ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے، اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے، اس مین برے بڑے دروازے بھی ہین جن پر قفل پڑا ہوا ہے، اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کبیر وطبری نے اس واقع کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانون مین پہونچاتے ہین جو ثمر قند کے محاذات میں ہے، (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۳)

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرّہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام نے یاجوج ماجوج اور سدِّ ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق وروایت کے اعلیٰ معیار پر ہے، آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت وتاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہین بہت سی جگہوں میں سدّین (دیواریں) بنائی گئی ہین جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانون میں بنائی ہیں، ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوارِ چین ہے، جس کا طول ابو حیان اندلسی (دربارِ ایران کے شاہی مؤرخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے، اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہِ چین ہے، اور اس کی بناء کی تاریخ ہبوط آدم علیہ السلام تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی، اور یہ کہ اس دیوارِ چین کو مغل لوگ اَتکُوَہ اور ترک لوگ بُورقُورقہ کہتے ہیں، اور فرمایا اس طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدین مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں،

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمٰن سہواریؒ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل وتحقیق سے لکھی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج اور شر وفساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کا کیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت وچین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے، انہی یاجوج ماجوج کے شر وفساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سدّ تیار کی گئی ہیں، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے،

دوسری سدّ وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذی کے قریب واقع ہے، اور اس کے محل وقوع کا نام دربند ہے، سدّ مشہور مغل بادشاہ تیمور لینگ کے زمانہ میں موجود تھی، اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلابر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاڈچو نے بھی

Marfat.com

اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گذرا ہے، وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سدّ موصل کے اس راستہ پر ہے جو ثمر قند اور ہندوستان کے درمیان ہے (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸ ج ۹)

تیسری سدّ روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے، یہ در بند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے، یاقوت حموری نے معجم البلدان میں، اور لیسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"داغستان مین در بند ایک روسی شہر ہے، یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے، اس کا عرض البلد ۳-۴۳ اور طول البلد ۱۵-۴۸ ہے، اور اس کو در بند نوشیرواں بھی کہتے ہیں، اور باب الارباب کے نام سے بہت مشہور ہے۔"

چوتھی سدّ اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے، جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درّہ درّہ داریال کے نام سے مشہور ہے، اس جگہ یہ چوتھی سدّ جو قفقاز یا جبل قوقایا کوہ قاف کی سدّ کہلاتی ہے، بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"اور اسی کے (یعنی سدِ باب الابواب کے) قریب ایک اور سدّ ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے، غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا، کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا، بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی ہے، اور بعض نے کسریٰ و نوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے، (دائرۃ المعارف جلد ۷، معجم البلدان جلد ۸، ص ۹)"

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں، اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں، اس لئے ان میں سے سدّ ذوالقرنین کون سی ہے، اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں، اور بڑا اختلاط ان آخری دو سدّوں کے معاملے میں پیش آیا، کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی در بند ہے، اور دونوں جگہ سدّ بھی موجود ہے، مذکور الصدر چار سدّوں میں سے دیوارِ چین سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے، اس کے متعلق تو سدِ ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے، اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال مین ہونا ظاہر ہے،

اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال ہی میں ہیں، ان مین سے عام طور پر مورخین مسعودی، اصطخری حموری وغیرہ اس دیوار کو سدِ ذوالقرنین بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ

Marfat.com

باب الابواب کے دربند میں بحر خضر پر واقع ہے، بخارا اور ترمذی کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مؤرخین نے سدّ ذوالقرنین کہا ہے وہ غالباً لفظ دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے، اب تقریباً اس کا محلِ وقوع متعین ہو گیا کہ علاقہ داغستان کا کیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے، اور ان دونوں جگہوں پر سدّ کا ہونا مؤرخین کے نزدیک ثابت ہے،

ان دونوں میں سے حضرت الاستاد مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ نے عقیدۃ الاسلام میں کوہ قاف قفقاز کی سدّ کو ترجیح دی ہے کہ یہ سدّ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے، (عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷)

آجکل تاریخ وجغرافیہ کے ماہرین اہلِ یورپ اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہے، اس بناء پر بعض اہلِ اسلام مؤرخین نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ یاجوج ماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہو چکا ہے، بعض نے چھٹی صدی ہجری مین طوفان بن کر اٹھنے والی قوم تاتار ہی کو اس کا مصداق قرار دے دیا ہے، بعض نے اس زمانے میں دنیا پر غالب آجانے والی قوموں روس اور چین اور اہلِ یورپ کو یاجوج ماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے، مگر جیسا کہ اوپر بحوالہ روح المعانی بیان ہو چکا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے، احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامتِ قیامت بیان کیا، اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام اور قتلِ دجال کے بعد پیش آئے گا وہ واقعہ ہو چکا کیوں کہ خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا،

البتہ یہ بات بھی قرآن وسنت کی کسی نصِ صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سدِ ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو، اور یاجوج ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آچکی ہوں، بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا ہلہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی نہیں ہوا، بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ،

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہلِ یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا،

Marfat.com

کیوں کہ اوّل تو خود انھیں لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہونچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جنکا ہمیں علم نہیں ہوسکا، دوسرے یہ بھی احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گھرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو، لیکن کوئی نصِ قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے، یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں،

اس سدِ ذوالقرنین کے تا قیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ

ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہونچے گا (یعنی خروج یاجوج ماجوج کا وقت آجائگا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کردیں گے، اس آیت میں وعدربی کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے، حالانکہ الفاظِ قرآن اس بارے میں قطعی نہیں، کیونکہ وعدربی کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہے، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم و مسمار ہوجائے گی، اس کے لئے ضروری نہین کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو، چنانچہ تمام حضرات مفسرین نے وعدرب کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، تفسیر بحرمحیط میں ہے

والوعدیحتمل ان یرا ربہ یوم القیاسۃ وان یر ادبہ وقت خروج ویاجوج وماجوج

اس کی تحقیق یوں بھی ہوسکتی ہے کہ دیوار منہدم ہوکر راستہ ابھی کھل گیا ہو، اور یاجوج ماجوج کے حملوں کی ابتدا ہوچکی ہو، خواہ اس کی ابتدا چھٹی صدی ہجری کے تاتار سے قرار دی جائے یا اہلِ یورپ اور روس وچین کے غلبہ سے، مگر یہ ظاہر ہے کہ ان متمدن قوموں کے خروج اور فساد کو جو آئینی اور قانونی رنگ میں ہو رہا ہے وہ فساد نہیں قرار دیا جا سکتا، جس کا پتہ قرآن و حدیث دے رہے ہیں کہ خالص قتل وغارت گری اور ایسی خوں ریزی کے ساتھ ہوگا کہ تمام انسانی آبادی کو تباہ و برباد کردیگا، بلکہ اس کا حاصل پھر یہ ہوگا کہ انہی مفسد یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آکر متمدن بن گئیں، اسلامی ممالک کے لئے بلاشبہ وہ فساد عظیم اور عظیمہ ثابت ہوئیں مگر ابھی ان کی وحشی قومیں جو قتل وخوں ریزی کے سوا کچھ نہیں جانتیں وہ تقدیری طور پر اس طرف نہیں آئیں اور بڑی تعداد ان کی ایسی ہی ہے، ان کا خروج قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا،

Marfat.com

دوسرا استدلال ترمذی اور مسند احمد کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ یاجوج ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے رہتے ہیں، مگر اوّل تو اس حدیث ابن کثیر نے معلول قرار دیا ہے، دوسرے اس میں بھی اس کی کوئی تصریح نہیں کہ جس روز یاجوج ماجوج انشاء اللہ کہنے کی برکت سے اس کو پار کرلیں گے وہ قیامت کے متصل ہی ہوگا، اور اس کی بھی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ سارے یاجوج ماجوج اسی دیوار کے پیچھے رکے ہوئے رہیں گے، اگر ان کی کچھ جماعتیں یا قومیں کسی دور دراز کے راستہ سے اس طرف آجائیں، جیسا کہ آج کل کے طاقتور بحری جہازوں کے ذریعہ ایسا ہو جانا کچھ مستبعد نہیں، اور بعض مؤرخین نے لکھا بھی ہے کہ یاجوج ماجوج کو طویل بحری سفر کرکے اس طرف آنے کا راستہ مل گیا ہے، تو اس حدیث سے اس کی بھی نفی ہوتی،

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ سدِ ذوالقرنین قیامت تک باقی رہے گی، یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اس طرف کے انسانوں پر نہیں ہوسکیں گے، البتہ وہ انتہائی خوف ناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کردیگا، اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی بنا پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ سدّ یاجوج ماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ازروئے قرآن وسنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے، احتمال دونوں ہی ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وحقیقۃ الحلال،

خلاصہ تفسیر ۔ ۴:

اور ہم اس روز (یعنی جب اس دیوار کے انہدام کا یوم موعود آئیگا اور یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا تو اس روز ہم) ان کی یہ حالت کریں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ جائیں گے، کیوں کہ یہ کثرت سے ہونگے اور بیکوقت نکل پڑیں گے اور سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہونگے) اور (یہ قیامت کے قریب زمانے مین ہوگا، پھر بعد چندے قیامت کا سامان شروع ہوگا، ایک بار اوّل صور پھونکا جائے گا جس سے تمام عالم فنا ہوجائے گا، پھر) صور (دوبارہ) پھونکا جائے گا (جس سے سب زندہ ہوجائیں گے) پھر ہم سب کو ایک ایک کرکے (میدانِ حشر میں) جمع کرلیں گے اور دوزخ کو اس روز کافروں کے سامنے پیش کردیں گے جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) ہماری یاد سے (یعنی دینِ حق کے دیکھنے سے) پردہ پڑا ہوا تھا اور (جس طرح یہ حق کو دیکھتے نہ تھے اسی طرح اس کو) وہ سن بھی نہ سکتے تھے (یعنی حق کو معلوم کرنے کے ذرائع دیکھنے اور سننے کے سبب راستے بند کررکھے تھے۔

Marfat.com

اقتباسات از تفسیر ماجدی جلد ۳

اور آپ سے لوگ ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

ذوالقرنین۔ طرزِ سوال سے خود ہی یہ نکل آیا کہ ذوالقرنین کا لقب قرآن کا دیا ہوا نہیں بلکہ یہ کوئی ایسی شخصیت تھی جس سے یہود خوب واقف تھے، اور عرب میں یہ نام چلا ہوا تھا۔

عرب کا خیال یہ تھا کہ دنیا میں چار بادشاہ آفاق گیر ہوئے ہیں، اور ان ہی میں ایک ذوالقرنین تھا۔

وقال ابن الکلبی ملک الارض اربعۃ نفر۔۔۔۔سلیمان بن داؤد وذوالقرنین ونمرود وبخت نصر۔ (المحبر ۳۹۳)

قرن کے لفظی معنی سینگ یا شاخ کے ہیں۔ اس لئے ذوالقرنین کے لفظی معنی ہوئے "دو سینگوں والا" اور ایک معنی قوت کے بھی لئے گئے ہیں۔

محاورۂ یہود میں قرن یا سینگ، علامت شوکت واقتدار کے تھے۔ چنانچہ روایات یہود ہیں کہ جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے توریت لے کر واپس ہوئے ہیں، تو آپ کے سر پر دو سینگ بھی نمودار تھے۔ بلکہ آپؑ کی جو قدیم قلمی تشبیہیں ملی ہیں، ان میں سے بعض اسی صورت سے ہیں۔ اور توریت کے متعدد مقامات پر اس مجاز کو بہ طور حقیقت کے بیان کیا ہے۔ مثلاً:

"اور یوسف کے حق میں کہا کہ اس کی سرزمین خداوند کے حضور متبرک ہووے۔۔۔۔ اس کی شانداری ایسی ہے جیسے اس کے بیل کو پلوٹھے کی اور اس کے دو سینگ گینڈے کے سے سینگ (استثناء۔ ۳۳:۱۳ اور ۱۷)

"میرا دل خداوند سے خوش ہے، خداوند کی وجہ سے میرا سینگ اونچا ہوا، میرا منہ میرے دشمنوں کے سامنے کھولا گیا۔" (سموئیل ۱۔ ۲:۱)

"اس دن میں ایسا کروں گا کہ اسرائیل کے خاندان کا سینگ پھوٹے گا اور تجھے ان کے درمیان منہ کی کشادگی عطا کروں گا۔" (حزقی ایل۔ ۲۹:۲۱)

ذوالقرنین کا یہ لقب کیوں پڑا، اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے، اس کے جواب میں کثرت سے اقوال و روایات نقل ہوئے ہیں۔ ایک مشہور توجیہ، جس کی بنیاد حدیثِ غیر مرفوع پر بتائی جاتی ہے، یہ ہے کہ ذوالقرنین مشرق و مغرب کی سیر کئے ہوئے تھا۔

Marfat.com

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین تھا کون؟ ظاہر ہے کہ جس شخصیت کی تصریح سے قرآن بھی قاصر ہو اور حدیث صحیح بھی اور تاریخ میں بھی کوئی واضح و متعین جواب نہ ملتا ہوا، اس کے متعلق صرف کچھ قرائن و قیاسات ہی قائم کر سکتے ہیں، کسی قطعی و حتمی تحقیق کی کوئی صورت ہی نہیں۔

۱۔ ملوک حمیر یمن میں سے ایک پر قوت بادشاہ الصعب بن قرین بن الھمال گزرا ہے۔ عرب اس کو ذوالقرنین کہتے تھے، اور ان کے مورخوں کا خیال یہ تھا کہ یہی قرآنی ذوالقرنین ہے۔

۲۔ ملک حیرہ (سرحد ایران و عرب) کے خاندان لخمیہ کا فرماں روا منذر ابن امری القیس جو منذر الاکبر بھی کہلاتا ہے، وہ بھی اسی لقب کا حامل ہے۔ اسلئے کہ اس کی پیشانی کے دونوں طرف گھونگھر والے کاکل تھے۔ اس کی مدت سلطنت ۴۹ سال رہی، اور اس کی ماں کا نام ماء السماء تھا۔

بلکہ قدیم و مشہور لغوی ابن درید (صاحب الجمہرۃ) نے امرئ القیس کا یہ شعر بھی اسی کی شان میں نقل کیا ہے۔

☆ اَصدّنشاص ذی القرنین حتی تولّی عارض الملك الهمام

ابن دُرید نے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ ذوالقرنین قرآنی نہیں ہے۔ اور یہی لسان نے بھی نقل کر دیا ہے۔

۳۔ مفسرین کا بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ قرآنی ذوالقرنین، یونان کا مشہور کشور کشا اسکندر مقدومی (۳۵۶ ق۔م تا ۳۲۳ ق۔م) ہوا ہے۔

یعنی اسکندر الدومی۔(بیضاوی)

اسمه اسکندر(جلالین)

الاسکندر الذی ملك الدنیا(مدارك)

قیل اسمه اکسندر ین فیلقوس (معالم)

و ذوالقرنین هوالاسکندر الیونانی ذکره ابن اسحق(لجر)

بلکہ امام رازی نے تو یہ حکم قطعیت کے ساتھ لگا دیا ہے۔

وجب القطع بان المواد بذی القرنین هوالا سکدندربن فیلبوس الیونانی۔(کبیر)

اور اہل لغت نے یہ تشریح بطور ایک مسلمہ کے نقل کر دی ہے۔

لقب اسکندرالدومی(جوهری)

Marfat.com

وذو القرنين المذكور فی التنزیل هو الا سکندر الرومی (قاموس۔تاج)

وذو القرنین الموصوف فی التنزیل لقب لاسکندر الرومی (لسان)

ذی القرنین هو الا سکندر (نہایہ)

اور یہی راہ تاریخ ویسر کے بعض مشاہیر نے بھی اختیار کی ہے۔

اسمہ الاسکندر و ھو الذی بنی الا سکندریة فنسبت الیه (ابن ہشام ۔اسلام حمزہؓ بن عبدالمطّلب)

وقال الطبری فی الاسکندر ھو اسکندروس بن فیلقوس (الروض الانف۔للسہیلی)

۴۔ مفسرین ہی کے ایک گروہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسکندر سے مراد یہ مشہور سکندر مقدونوی نہیں، بلکہ ایک قدیم تر سکندر ہے جو موحدّ تھا، اور حضرت ابراہیمؑ کا ہمعصر یعنی سکندر مقدونوی سے دو ہزار سال قبل۔(ابن کثیر)

لیکن تاریخ اس سکندر کے ذکر سے خاموش ہے۔

۵۔ لقب ذوالقرنین کا پانچواں مصداق ایران کے بادشاہ عظیم فورس کو مانا گیا ہے جس کے نام کے تلفظ مختلف زبانوں میں سایرس، گوروش اور کیخسرو ہیں، اس کی وفات ۵۲۹ ق۔م میں ہوئی ہے۔ یہ فارس اور میڈیا دو ملکوں کا متفقہ بادشاہ تھا، اور اپنے زمانہ کا بڑا مشہور فاتح وکشور کشا ہوا ہے۔

موافق ومخالف بحثوں پر نظر کرنے کے بعد ان سطور کے راقم آثم کو مفسرین کے سواد اعظم کی رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے، جس نے ذوالقرنین کا مصداق سکندر یونانی کو قرار دیا ہے۔ البتہ تذبذب اس بنا پر ہے کہ سکندر کے موحد وصاحب ایمان ہونے کی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔ اور یہ ذرا مستبعد ہی ہے کہ قرآن مجید محل مدح پر ذکر ایسے بادشاہ کا کرے، جو نعمت توحید سے محروم ہو۔ تاریخی روایتیں جو اس کے حق میں ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ وہ وقت کے دین توحید (یہودیت) کا ہمدرد تھا اور معبد یہود کی عظمت کرتا تھا مشرک بادشاہوں کے عالم طریقہ کے برخلاف۔

باقی دلائل وشواہد کے لحاظ سے گنجائش اس فریق کے حق میں بھی ہے، جو ذوالقرنین فورس اعظم ایرانی کو قرار دیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ مال بلکہ خزائن وجاہ یہاں تک کہ سلطنت کا حاصل ہو جانا بھی منافی کمال نہیں۔

Marfat.com

اب تاریخ وجغرافیہ کی شہادت یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات کی سمت (یعنی سمت مغرب میں) ایک بڑی جھیل آکریڈا کے نام سے جنوبی سربیا (موجودہ یوگوسلاویہ) میں واقع ہے، منا سیتا سے کوئی ۵۰ میل جانب مغرب، اس کا پانی جن زمین دوز چشموں سے آتا ہے، وہ بڑے گندے ہیں یا سیاہی مائل یہاں تک کہ جو دریا اس جھیل سے نکلا ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (Black Drin) ہے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

وجد: یہاں اپنے پہلے معنی میں ہے، یعنی اس گندلے چشمہ کے کنارہ ایک قوم آباد تھی۔

یعنی سزا دو تو انکے کفر سابق کی بنا پر وہ بھی ٹھیک ہے اور انھیں نرمی سے دعوت ایمان دو تو وہ بھی ان کی توقع ایمان کی بنا پر مناسب ہے۔ اس کا فیصلہ ذوالقرنین ہی پر چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ ہر ایسے موقع پر امام مسلمین یا امیر مومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

هذا التخيير علىٰ معنى الاجتهاد في اصلح الامرين (كبير)

قلنا: یہ ارشاد خداوندی الہاماً ہی ہوا ہوگا، جبکہ ذوالقرنین نبی نہ تھے۔

قال القشيري ابو نصر ان كان نبيا فهو وحي وان لم يكن نبيا فهو الهام (قرطبي)

قول خداوندی کے اس طرز استعمال کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔

ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا تو میں ابھی نرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور پہلے ان لوگوں کو دعوت ایمان ہی دیتا ہوں۔

من ظلمہ: ظلم یہاں ایمان کے مقابل اور اس لئے کفر کے معنی میں ہے اور ظالم کافر کے معنی ہیں۔

کذلک: تحقیق وتاکید کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں اصل حقیقت اور واقعہ ہے، اور ہم کو ذوالقرنین اور اس کے ساز وسامان کی پوری اطلاع ہے۔ (اور اب کی بھی سمت مشرق ہی تھی)

قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافی معلومات پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد و تمام تر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی تھی اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے اس لئے کسی مزید تصریح وتعیین کے ضرورت نہ تھی۔

یعنی ذوالقرنین اور اس کے لشکریوں کی زبان ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔

Marfat.com

عجب نہیں جو یہ ترکستانی قبائل ہوں، جن کی زبان، تلفظ، لب ولہجہ سب یونانیوں کے لئے اجنبی تھا۔

بین السدین: سد کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان اوٹ یا رکاوٹ کے ہیں۔
اور اس کے عموم میں پہاڑ درہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہاں مراد پہاڑ لی گئی ہے۔
(تا کہ وہ پھر ہمارے ملک میں نہ آنے پائیں)۔

یاجوج وماجوج: بہ ظاہر یہ وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں، جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے، اور کبھی کبھی موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔

یاجوج اور ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے مادہ اُجّ سے کیا ہے، جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں، ان کے یہ نام کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔
بعض نے انھیں اسماء عجمی بھی کہا ہے۔

عہد عتیق کے صحیفہ حزقی ایل کے باب ۳۸و۳۹ میں یاجوج وماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے، اور پیشین گوئیاں بھی درج ہیں، لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بائیبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرب ہیں۔ کوئی یاجوج وماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ یاجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یاجوج یافث بن نوحؑ کی نسل سے ہے۔ عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیاء کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ وہی قومیں ہیں جو سیتھین (Saythins) یا تورانی کہلاتی ہیں۔ بہرحال بائیبل اور اس کی شروح سے قرآنی یاجوج و ماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔

قرآنی اشاروں سے تو بس پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی شورہ پشت وہ شورش پسند پہاڑی قبیلے تھے۔ اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انھوں نے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں، کہیئے تو ہم چندہ فراہم کردیں، اور آپ ہمارے ان کے درمیان ایسی حد فاصل قرار دیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ ہو سکیں۔

اور مفسرین بیضاوی نے اپنی فارسی کتاب نظام التواریخ (مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۳۰ء) میں سدّ یاجوج ماجوج کو اصلاً منسوب اسی سکندر یونانی کی طرف کیا ہے، گو آگے چل کر یہ قول بھی نقل کر دیا ہے کہ یہ سکندر وہ نہ تھا جو ذوالقرنین کہلاتا ہے۔" سکندر الملقب بذی القرنین" کے تحت میں ہیں:۔
"سیزدہ سال در جملہ جہان بگردید وتمامت معمورۂ زمین در تحت امور خود آورد، چند شہر بنا کر

Marfat.com

درازآن جملہ آن شہرستان مرووہراۃ واصفہان واسکندریہ وسدیاجوج و ماجوج گویند این اسکندر غیر ازذوالقرنین بودہ است۔"

یاجوج و ماجوج کے سلسلہ میں بہت کم لوگوں کواس کا علم ہوگا کہ ان کی بڑی بڑی دیوہیکل مورتیاں شہرلندن میں شہر کی مرکزی نیم سرکاری مشہور عمارت گلڈ ہال کے عین صدر پھاٹک پر بہ طور محافظ ودربان کے مدت دراز سے نصب چلی آرہی تھیں۔اور ابھی مارچ ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ یہ مورتیاں ہٹادی گئیں۔

بعض اہل قلم نے بڑا لطیف استدلال ان دیوپیکر مورتیوں کے وجود سے مغربی قوموں اور یاجوج ماجوج کی باہمی مماثلث ومناسبت پر کیا ہے۔

فقہاء نے یہاں دو مسئلے مستنبط کئے ہیں ایک یہ کہ بادشاہ کو جائز ہے کہ رعایا کی درخواست پر اس کی رفاہ عام اور تحفظ کے سامان کو یہ معاوضہ واجرت درست کرائے۔دوسرے یہ کہ معاوضہ واجرت جس طرح مال سے صحیح ہے محنت یا کام سے بھی صحیح ہے چنانچہ ذوالقرنین نے کہا ہے کہ کام تم کرو، دیوار میں بنوائے دیتا ہوں۔اس میں معاوضہ کی صورت کام سے بھی آگئی اور مال سے بھی۔

ردما: ردم کہتے ہیں بہت پختہ اور سنگین ومضبوط قسم کے حجاب کو۔

چنانچہ سامان جمع ہوگیا اور کام شروع ہوگیا۔قرآن مجید (جیسا کہ ہر بلیغ ادب وانشاء کا دستور ہے) ایسے صریح مقامات پر صراحت کو حشو سمجھ کر حذف کر جاتا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہوگا۔

نزول قرآن کے صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک آہنی دیوار مقام 'دربند' میں آئی۔ اور اس کا نام 'سد سکندری' ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک باب الحدید ہی کہلاتا تھا۔یہ 'دربند' وہ نہیں جو بحر قزدین کے مشرقی ساحل پر علاقہ قفقاز میں واقع ہے جیسا کہ بعض مفسرین جدید کو دھوکا ہوا ہے۔بلکہ یہ وہ 'دربند' ہے جو علاقہ وسط ایشیا کے مشرقی حصہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے۔نیز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۱۳ ص ۵۲۶ پر ہے۔

ظاہر ہے کہ سارے کام آلات جرثقیل وغیرہ اعلی درجہ کی مشینوں کی مدد سے انجام پائے ہوں گے، اور ذوالقرنین کے تحت میں بڑے بڑے ماہرین فن انجنیر اور مہندس ہوں گے۔

Marfat.com

ساوے بین الصدفین: یعنی جو خلا دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان رہ گیا تھا اسے پہاڑوں کے برابر کر دیا۔

جعلہ ناراً: یعنی خوب لال انگارہ کر دیا جیسا کہ لوہا خوب تپنے کے بعد ہو جاتا ہے۔

(اور اس دیوار کی بلندی واستحکام کے باعث ان وحشی وجنگجو قوموں کی تاخت وتاراج سے امن ہو گیا)

ان یظہروہ: کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آسکے۔ اور دیوار پر غالب آنے سے مراد یہاں اس پر چڑھ سکنا ہے۔

(جو بہر نوع وبہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے)

ذوالقرنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سردست تو میں نے ان موذیوں کے شر سے تم کو محفوظ کر دیا ہے، باقی جب اس کے فنا کا وقت آئیگا تو یہ دیوار سنگ وآہن بھی باوجود اس استحکام کے زمین دوز ہو کر نیست ونابود ہو جائے گی، اور جس طرح ہر شے فانی ہے، یہ بھی اپنے وقت پر فنا ہو کر رہے گی۔

وعد ربّی: ای وقت وعدہ تعالی۔ (روح)

وعد ربی: پروردگار کا وعدہ یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت۔

یہ کس روز؟ یومئذ سے کس روز کی طرف اشارہ ہے؟ بظاہر مراد اس دیوار کے ہدم کے دن سے ہے، یا اس وقت کے قرب سے ہے۔

لیکن بعض نے اس سے یوم قیامت مراد لیا ہے، اور یہ مفہوم بھی سیاق قرآنی سے کچھ زیادہ بعید نہیں، اس صورت میں بعضھمہ میں ضمیر ھمہ بجائے یاجوج وماجوج کے خلق کی جانب ہو جائے گی۔

یومئذ کی جو دونوں تفسیریں نقل ہوئیں ان میں باہم کوئی منافات نہیں، ہدم دیوار کا وقوع عن قرب قیامت ہی میں تو ہوگا۔

یموج فی بعض: کا صحیح ترجمہ لہریں مارنا ہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ قومیں سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھی ہوئی، ایک دوسرے پر پلی پڑتی ہوئی، نکل پڑیں گی۔

موج سے تشبیہ اس لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے کہ ایک قوم دوسرے سے ڈرتی ہوئی سہمتی ہوئی اس سے چمٹ جائے گی۔ قدیم مفسرین اس پہلو سے یکسر ناآشنا نہیں۔ اور آج کی فرنگی قوموں پر تو یہ پوری طرح صادق ہے۔

Marfat.com

از تلخیص تفہیم القرآن جناب مولانا مودودی صاحب

ویسئلونك عن ذی القرنین کا عطف لامحالہ پچھلے قصے ہی پر ہے۔ اس سے خود بخود یہ اشارہ نکلتا ہے کہ قصہ موسیٰ وخضر بھی لوگوں کے سوال ہی کے جواب میں سنایا گیا ہے اور یہ بات ہمارے اس قیاس کی تائید کرتی ہے کہ سورے کے یہ تینوں اہم قصے دراصل کفار مکہ نے اہل کتاب کے مشورے سے امتحاناً دریافت کیے تھے۔

یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ''ذوالقرنین'' جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، کون تھا۔ قدیم زمانے میں بلعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات وخصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں رواخورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے، اور یہ نسبتہً زیادہ قرین قیاس ہے، مگر بہرحال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ''دوسینگوں والا'') کم از کم یہودیوں میں، جن کے اشارے سے کفار نے اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ''دوسینگوں والے'' کی حیثیت کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔ (۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں رواں اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں، اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انہی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہونگی۔ (۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرمانروا ہونا چاہئے جس نے اپنی مملکت کو یاجوج وماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یاجوج وماجوج سے مراد کونسی قومیں ہیں، اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ انکے علاقے سے متصل کونسی ایسی دیوار کبھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔ (۴) اس میں مذکورہٗ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک یہ خصوصیت بھی پائی جانی چاہئے کہ وہ خداپرست اور عادل فرمانروا ہو، کیونکہ قرآن یہاں سب

Marfat.com

سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بائیبل کے صحیفہ دانی ایل میں دانیالؑ نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک مینڈھے کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ تھے۔ یہودیوں میں اس "دو سینگوں والے" کا بڑا چرچا تھا کیونکہ اسی کی ٹکر نے آخر کار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور نبی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔ (سورۂ نبی اسرائیل، حاشیہ ۸)۔ دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوتی ہے، مگر پوری طرح نہیں۔ اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیائے کوچک اور شام کے سواحل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں، مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی مہم کا سراغ ابھی تک تاریخ سے نہیں ملا ہے، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری مہم کا بھی ذکر کرتا ہے۔ تاہم اس مہم کا پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے، کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کی سلطنت شمال میں کاکیشیا (قفقاز) تک وسیع تھی۔ تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج و ماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری، منگولی، ہن اور سیتھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے حملوں سے بچنے کے لیے قفقاز کے جنوبی علاقے میں دربند اور داریال کے استحکامات تعمیر کیے گئے تھے۔ لیکن یہ ابھی تک ثابت نہیں ہوسکا ہے کہ خورس ہی نے یہ استحکامات تعمیر کیے تھے۔ آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چسپاں کی جاسکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے۔ کیونکہ اس کے دشمنوں تک نے اس کے عدل کی تعریف کی ہے اور بائیبل کی کتاب عزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا جس نے نبی اسرائیل کو ان کی خدا پرستی کی بنا پر بابل کی اسیری سے رہا کیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بیت المقدس میں دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس بنا پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحین عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس ہی کے اندر ذوالقرنین کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں، لیکن تعین کے ساتھ اس کو ذوالقرنین قرار دے دینے کے لیے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے۔ تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے۔ تاریخی بیان کے لیے صرف اتنا ذکر کافی ہے کہ خورس ایک ایرانی فرمانروا تھا جس کا عروج ۵۴۹ ق م کے قریب زمانے میں شروع ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصے میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد

Marfat.com

۵۲۹ ق م میں بابل کو بھی فتح کر لیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستہ میں مزاحم نہیں رہی۔ اس کے فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صغدد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک' اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا اور شمال میں اس کی سلطنت قفقاز د کا کیشیا) اور خوارزم تک پھیل گئی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ غروب آفتاب کی حد سے مراد جیسا کہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: اقصیٰ مایسلك فيه من الارض من فاحية المغرب ہے نہ کہ آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ مراد یہ ہے کہ وہ مغرب کی جانب ملک پر ملک فتح کرتا ہوا خشکی کے آخری سرے تک پہنچ گیا جس کے آگے سمندر تھا۔ یعنی وہاں غروب آفتاب کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سورج سمندر کے سیاہی مائل گدلے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اگر فی الواقع ذوالقرنین سے مراد خورس ہی ہو تو یہ ایشیا کے کوچک کا مغربی ساحل ہوگا جہاں بحر ایجین چھوٹی چھوٹی خلیجوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس قیاس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ قرآن یہاں بحر کے بجائے عین کا لفظ استعمال کرتا ہے جو سمندر کے بجائے جھیل یا خلیج ہی پر زیادہ صحت کے ساتھ بولا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات براہ راست وحی یا الہام کے ذریعہ ہی سے ذوالقرنین کو خطاب کر کے فرمائی ہو، حتیٰ کہ اس سے ذوالقرنین کا نبی یا محدث ہونا لازم آئے۔ بلکہ یہ ارشاد زبان حال کے واسطے سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہی قرین قیاس ہے۔ ذوالقرنین اس وقت فتح یاب ہو کر اس علاقے پر قابض ہوا تھا۔ مفتوح قوم اس کے بس میں تھی۔ اللہ نے اس صورت حال میں اس کے ضمیر کے سامنے یہ سوال رکھ دیا کہ یہ تیرے امتحان کا وقت ہے۔ یہ قوم تیرے آگے بے بس ہے۔ تو ظلم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اور شرافت کا سلوک کرنا چاہے تو یہ بھی تیرے اختیار میں ہے۔ یعنی وہ ممالک فتح کرتا ہوا مشرق کی جانب ایسے علاقے تک پہنچ گیا جہاں مہذب دنیا کی سرحد ختم ہو گئی تھی اور آگے ایسی وحشی قوموں کا علاقہ تھا جو عمارتیں بنانا تو درکنار خیمے بنانا تک نہ جانتی تھیں۔ چونکہ آگے یہ ذکر آ رہا ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کے اس طرف یاجوج ماجوج کا علاقہ تھا، اس لیے لامحالہ ان پہاڑوں سے مراد کا کیشیا کے وہ پہاڑی سلسلے ہی ہو سکتے ہیں جو بحر خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے درمیان واقع ہیں۔

یعنی اس کی زبان ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کے لیے قریب بالکل اجنبی تھی۔ سخت وحشی ہونے کے سبب سے نہ کوئی ان کی زبان سے واقف تھا اور نہ وہ کسی غیر زبان سے واقف تھے۔ یاجوج ماجوج سے مراد، جیسا کہ اوپر حاشیہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے، ایشیا کے شمالی مشرقی علاقے کی وہ قومیں ہیں جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کے سیلاب وقتاً

Marfat.com

فو قتاً اُٹھ کر ایشیا اور یورپ، دونوں طرف رُخ کرتے رہے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش (باب ۱۰) میں ان کو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی نسل میں شمار کیا گیا ہے، اور یہی بیان مسلمان مورخین کا بھی ہے۔ حزقی ایل کے صحیفے (باب ۳۸ و ۳۹) میں ان کا علاقہ روس اور توبل (موجودہ توبالسک) اور مسک (موجودہ ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مورخ یوسیفوس ان سے مراد سیتھین قوم لیتا ہے جس کا علاقہ بحرا سود کے شمال اور مشرق میں واقع تھا۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج کاکیشیا کے شمال میں بحرخزر کے قریب آباد تھے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ فرمانروا ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ اپنی رعایا کو غارت گروں کے حملے سے بچاؤں۔ اس کام کے لیے تم پر کوئی الگ ٹیکس لگانا میرے لیے جائز نہیں ہے۔ ملک کا جو خزانہ اللہ تعالی نے میرے حوالے کیا ہے وہ اس خدمت کے لیے کافی ہے۔ البتہ ہاتھ پاؤں کی محنت سے تم کو میری مدد کرنی ہوگی۔ یعنی اگرچہ میں نے اپنی حد تک انتہائی مستحکم دیوار تعمیر کی ہے، مگر یہ لازوال نہیں ہے۔ جب تک اللہ کی مرضی ہے، یہ قائم رہے گی، اور جب وہ وقت آئے گا جو اللہ نے اس کی تباہی کے لیے مقدر کر رکھا ہے تو پھر اس کو پارہ پارہ ہونے سے کوئی چیز نہ بچا سکے گی۔ "وعدے کا وقت" ذو معنی لفظ ہے۔ اس سے مراد اس دیوار کی تباہی کا وقت بھی ہے اور وہ ساعت بھی جو اللہ نے ہر چیز کی موت اور فنا کے لیے مقرر فرمادی ہے، یعنی قیامت۔ یہاں پہنچ کر ذوالقرنین کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ قصہ اگرچہ کفار مکہ کے امتحانی سوال پر سنایا گیا ہے، مگر قصہ اصحاب کہف اور قصہ موسیٰ و خضر کی طرح اس کو بھی قرآن نے اپنے قاعدے کے مطابق اپنے مدعا کے لیے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین، جس کی عظمت کا حال تم نے اہل کتاب سے سنا ہے، محض ایک فاتح ہی نہ تھا، بلکہ توحید اور آخرت کا قائل تھا۔ عدل اور انصاف اور فیاضی کے اصولوں پر عامل تھا۔

Marfat.com

موضح القرآن ترجمہ شاہ رفیع الدین ترجمہ اول

ترجمہ دوم شاہ ولی اللہ وحاشیہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب

سوال کرتے ہیں تجکو ذوالقرنین سے۔ کہ شتاب پڑھونگا میں اوپر تمہارے اس میں سے کچھ مذکور۔ تحقیق ہم نے قدرت دی تھی اس کو بیچ زمین کے اور دی تھی ہم نے اسکو ہر چیز سے راہ بس پیچھے چلا ایک راہ کے یہانتک کہ جب پہنچا جگہ ڈوبنے سورج کی پایا اس کو ڈوبتا تھا۔ بیچ چشمہ کیچڑ کے اور پایا اس کے نزدیک ایک قوم کو کہا ہم نے اے ذوالقرنین یا یہ کہ عذاب کرے تو ان کو اور یا کہ پکڑے بیچ ان کے بھلائی کہا اے پر جو شخص ظالم ہے بس البتہ عذاب کرینگے ہم اس کو پھر پھیرا جائیگا طرف رب اپنے کے بس عذاب کریگا عذاب بڑا اور اے ہر جو شخص ایمان لایا اور عمل کیے اچھے بس واسطے اس کے بطریق جزا کے لیے نیکی البتہ کہینگے ہم اس کو کام اپنے سے آسانی۔

پھر پیچھے چلا اور راہ کے یہانتک کہ جب پہنچا جگہ نکلنے سورج کی پایا اس کو نکلتا ہے اوپر ایک قوم کے کہ نہیں کیا ہم نے واسطے ان کے ورے اس سے پردہ۔ اسی طرح تھا اور تحقیق گھیر لیا تھا ہم نے ساتھ اس چیز کے کہ نزدیک اس کے تھے خبرداری کر۔

پھر پیچھے پڑا اور راہ کے یہانتک کہ جب پہنچا درمیان دو پہاڑوں کے پایا ورے ان دونوں سے ایک قوم کو کہ نہیں نزدیک تھے کہ سمجھیں بات کو کہا انہوں نے اے ذوالقرنین تحقیق یاجوج ماجوج فساد کرنے والے ہیں۔ ہم زمین کے پس آیا کردیویں ہم واسطے تیرے کچھ مال اوپر اس بات کے کہ کردیوے تو درمیان میں ہمارے اور درمیان ان کے ایک دیوار۔

کہا جو کچھ قدرت دی ہے مجھ کو بیچ اس کے رب میرے نے بہتر ہے بس مدد کرو میرے ساتھ قوت کے کہ کردوں میں درمیان تمہارے اور درمیان ان کے دیوار موٹی۔ لاو میرے پاس ٹکڑے لوہے کے یہانتک کہ جب برابر کردیا درمیان دونوں پہاڑوں کے کہا پھونکو یعنی دھونکو یہانتک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لے آؤ میرے پاس ڈالوں اوپر اس کے تانبا گلا ہوا بس نہ کرسکیں کہ چڑھ آویں اوپر اس کے اور نہ کرسکیں کہ سوراخ اس میں کہا یہ مہربانی ہے پروردگار میرے کی بس جب آویگا وعدہ پروردگار میرے کا کردیگا اس کو ریزہ ریزہ اور ہے وعدہ رب میرے کا سچ۔

اور چھوڑ دیا ہم نے بعض کے ان کو اس دن کہ جوج مارتے ہیں بیچ بعض کے اور پھونکا جائیگا بیچ صور کے

Marfat.com

بس اکٹھا کرینگے ہم ان کو اکٹھا۔

اس بادشاہ کو ذوالقرنین کہتے ہیں کہ اس واسطے کہ دنیا کے دونوں سرے پر پھر گیا تھا ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ دیکھیں دنیا کی بستی کہاں تک ہے سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا جہاں دلدل تھی نہ گزر آدمی کا نہ کشتی کا اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔

شاید وہ لوگ جنگلی ہونگے کہ گھر بنایا اور چھت ڈالنا ان میں دستور نہ ہوگا۔

ماجوج یاجوج عرب کی زبان میں نام ہے ایک قوم کا جو دو دادوں کی اولاد ہیں۔ ایک یاجوج کی ایک ماجوج کی نہیں معلوم ان کے ملک میں ان کا کیا نام تھا ترکوں کے ملک سے لگتے تھے اور قوم میں ترکوں کے بھائی تھے۔

حضرت کے وقت میں روپے کے برابر سوراخ اس میں پڑ گیا اور حضرت عیسی کے وقت ان کے نکلنے کا وعدہ ہے سب دنیا کو لڑائی سے عاجز کرینگے آسمان پر تیر چلائینگے وہ لہو بھرے آئینگے آخر حضرت عیسی کی بددعا سے وہ یکبارگی سارے مرجائینگے۔

Marfat.com

عہد نامہ قدیم۔ توریت اور صحائف موسیٰ

کتاب خزقی ایل۔ باب ۳۸

اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبل کا فرمانروا ہے متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر اور کہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبل کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے پھرا دونگا اور تیرے جبڑوں میں آنکڑے ڈالکر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب سے آگے مسلح لشکر ہیں جو پھریان اور سپریں لیے ہوئے ہیں اور سب کے سب تیغ زن ہیں کھینچ نکالونگا اور ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط جو سب کے بعد سپر بردار ہیں اور خود پوش ہیں۔ جمر اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی دور اطراف کے ہابل تجرمہ ان کا تمام لشکر یعنی بہت سے لوگ جو تیرے ساتھ ہیں تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر تو اور تیری جماعت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو ان کا پیشوا ہو اور بہت دنوں کے بعد تو یاد کیا جائیگا اور آخری برسوں میں اس زمین پر جو تلوار کے غلبہ سے چھڑائی گئی ہے اور جس کے لوگ بہت سی قوموں کے درمیان فراہم کیے گیے ہیں اسرائیل کے پہاڑوں پر جو قدیم سے ویران تھے چڑھ آئیگا لیکن وہ تمام اقوام سے آزاد ہے اور وہ سب کے سب امن وامان سے سکونت کرینگے تو چڑھائی کریگا اور آندھی کی طرح آئیگا تو بادل کی مانند زمین کو چھپائیگا۔ اور تیرا تمام لشکر اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ۔ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ اس وقت یوں ہوگا بہت سے مضمون تیرے دل میں آئینگے تو ایک بڑا منصوبہ باندھیگا اور کہیگا کہ میں دیہات کی سرزمین پر حملہ کرونگا میں ان پر حملہ کرونگا جو راحت و آرام سے بستے ہیں جن کی فصیل ہے نہ اڑبنگے اور نہ پھاٹک تا کہ تو لوٹے اور مال چھین لے اور ان ویرانوں پر جواب آباد ہیں اور ان لوگوں پر جو تمام قوموں میں سے فراہم ہوئے ہیں جو مویشی اور مال سے مالک ہیں اور زمین کی ناف پر بستے ہیں اپنا ہاتھ چلائے۔

سبا۔ دوان اور ترسیس کے سوداگر اور ان کے تمام جوان شیر ببر تجھ سے پوچھینگے کیا تو غارت کرنے آیا ہے کیا تو نے اپنا غول اس لیے جمع کیا ہے کہ مال چھین لے اور چاندی سونا لوٹے اور جو مویشی اور مال لے جائے اور بڑی غنیمت حاصل کرے اس لیے اے آدم زاد نبوت کر اور جوج سے کہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ جب میری امت اسرائیل امن سے بسیگی کیا تجھے خبر نہ ہوگی اور تو اپنی جگہ سے شمال کی دور اطراف سے آئیگا تو اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ ہونگے جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہونگے

Marfat.com

ایک بڑی فوج اور بھاری لشکر۔ تو میری امت اسرائیل کے مقابلے کو نکلیگا اور زمین کو بادل کی طرح چھپالیگا۔ یہ آخری دنوں میں ہوگا اور میں تجھے اپنی سرزمین پر چڑھالاونگا تاکہ قومیں مجھے جانیں جس وقت میں اے جوج انکی آنکھوں کے سامنے تجھ سے اپنی تقدیس کراوں۔ خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ کیا تو وہی نہیں ہے جس کی بابت میں نے قدیم زمانہ میں اپنے خدمت گذار اسرائیلی نبیوں کی معرفت جنہوں نے ان ایام میں سالہا سال تک نبوت کی فرمایا تھا کہ میں تجھے ان پر چڑھالاونگا اور یوں ہوگا ان ایام میں جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کریگا تو میرا قہر میرے چہرے سے نمایاں ہوگا۔ خداوند خدا فرماتا ہے کیونکہ میں نے اپنی غیرت اور آتش قہر میں فرمایا ہے کہ یقیناً اس روز اسرائیل کی سرزمین میں سخت زلزلہ آئیگا یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے چرندے اور میدان کے پرندے اور سب کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے ہیں اور تمام انسان جو زمین پر ہیں میرے حضور تھرائینگے اور پہاڑ گر پڑینگے اور کراڑے بیٹھ جائینگے اور ہر دیوار زمین پر گر پڑیگی اور میں اپنے سب پہاڑوں سے اس پر تلوار طلب کرونگا خداوند خدا فرماتا ہے اور ہر انسان کی تلوار اس کے بھائی پر چلیگی اور میں وبا بھیج کر اور خونریزی کر کے اسے سزا دونگا اور اس پر اور اس کے لشکروں پر اور ان بہت سے لوگوں پر جو اس کے ساتھ ہیں شدت کا مینہہ اور بڑے بڑے اولے اور آگ اور گندھک برساونگا اپنی بزرگی اور اپنی تقدیس کراونگا اور بہت سی قوموں کی نظر میں مشہور ہونگا۔ اور وہ جانینگے کہ خداوند میں ہو۔

مرتب: شجرہ نسب نوح سے یہ امر ثابت ہے کہ یاجوج اور ماجوج یافث کی نسل کے انسان ہیں۔
مذکورہ اقتباس ہے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امت اسرائیل کے دور کے لوگ ہیں۔

کتاب مقدس عہد نامہ جدید

باب ۲۰۔ آیت ۷ صفحہ ۲۵۷۔ کتاب مقدس (یوحنا عارف کا مکاشفہ)

جب ہزار برس پورے ہوچکینگے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور ان فوجوں کو جو زمین کے چاروں طرف ہونگی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نکلیگا۔ ان کا شمار سمندر کے ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائینگی اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف گھیر لینگی پھر آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی اور انہیں گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائیگا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا وہ رات دن ابدالاباد عذاب میں رہینگے۔

مرتب: غالباً یہاں قیامت کے آخری دن کے ہزار برس مراد ہیں۔

Marfat.com

تفسیروں میں اسرائیلی روایات

ازمولانا نظام الدین اسیرادروی، استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس

ذوالقرنین

وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاتْلُوْ عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَباً فَاَتْبَعَ سَبَبًا (سورۃ کہف ایت ۸۳۔ومابعدہا)

قرآن میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا ہے جسے ذوالقرنین کہا گیا جو اس کا نام نہیں بلکہ اسم صفت یا لقب معلوم ہوتا ہے، اس کا اصل نام کیا ہے، قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں، اکثر علماء نے اس کا نام سکندر بتایا ہے، تاریخ میں اس نام کا ایک بادشاہ اور گذرا ہے اسلئے دونوں شخصیتوں کے کارناموں میں اکثر یہ دھوکہ ہوا ہے کہ ایک سکندر کے کارنامے کو دوسرے سکندر کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے، ذوالقرنین کون تھے؟ ان کا زمانہ کون سا ہے؟ ان کو ذوالقرنین کیوں کہا گیا؟ ان امور میں مفسرین کی رائیں بہت مختلف ہیں۔

روایات: ابن جریر نے اپنی تفسیر میں دھب ابن منبہ کی روایت لکھی ہے، انہوں نے کہا کہ ذوالقرنین روم کے ایک شخص کا نام ہے وہ شہر کی ایک بوڑھی عورت کا اکلوتا لڑکا تھا، اس عورت کے اور دوسرے لڑکے نہیں تھے، اس کا نام سکندر تھا، اس کا نام ذوالقرنین اس لئے رکھ دیا تھا کہ اس کے سر کے دونوں طرف تانبے کی دوسینگیں تھیں، وہ نیک اور صالح شخص تھا، جب وہ سن شعور کو پہونچا تو اللہ تعالی نے اس سے کہا، ذوالقرنین! میں تم کو اقوام عالم کی طرف بھیجنا چاہتا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبانیں مختلف ہیں اور یہ ساری سطح ارضی پر بسنے والے ہیں، ان کی دوامتوں کے درمیان پوری سطح زمین کی لمبائی ہے اور اسکی دوسری دوامتوں کے درمیان پوری زمین کی چوڑائی ہے، ان چاروں کے بیچ میں جو وسط ارض ہے اس میں جن وانس بھی ہیں اور یاجوج ماجوج بھی۔

پھر اس کے بعد روایت میں ذوالقرنین کے اوصاف اور اسکو جو علم وحکمت دیا گیا اور ان تمام قوموں کے حالات جن کا سکندر سے مقابلہ ہوا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مرفوع:

علامہ ابن جریر طبری نے اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے وہ یہ ہے حدثنا ابو کریب قال حدثنا زید ابن خباب عن ابی لھیعہ قال حدثنی عبدالرحمن بن زید بن انعم عن شیخین عن نجیب الخ

Marfat.com

یعنی دونوں شیخ عقبہ ابن عامر کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہم لوگ آپ کے پاس آئے ہیں تا کہ آپ ہم کو حضورؐ کی کوئی حدیث سنائیں۔ عقبہ نے کہا کہ ایک دن میں حضور کی خدمت کر رہا تھا اور میں کسی ضرورت سے حضورؐ کے پاس سے باہر آیا تو مجھے کچھ اہل کتاب ملے ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگ حضورؐ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں آپ ذرا ان سے اجازت لے لیجئے میں لوٹ کر پھر اندر گیا اور ان لوگوں کی درخواست دربار نبوی میں پیش کر دی آپ نے فرمایا کہ مرا علم اور ہے ان کا علم اور ہے، مجھے تو وہی علم ہے جو مجھے میرے خدا نے بتایا ہے، پھر فرمایا، وضو کے لئے پانی لاؤں میں پانی لے آیا، آپ نے وضو کیا پھر نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت کے آثار ظاہر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اندر لے آؤ، اور ان لوگوں کو بھی بلا لو جو میرے اصحاب میں سے نظر آجائیں، وہ لوگ آئے اور حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے، حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ چاہو تو تمہارے سوالوں کا وہ جواب دوں جو تمہاری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور اگر چاہو تو میں تمہیں وہ باتیں بتاؤں جس کا علم مجھے دیا گیا ہے، ان لوگوں نے کہا، آپ کو جو خبر ملی ہے وہی بیان فرمایئے آپ نے فرمایا، تم لوگ ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو اور تمہاری کتابوں میں جو ذکر ہے اس کو جاننا چاہتے ہو۔ ذوالقرنین روم کا ایک نوجوان تھا اسکندریہ شہر اسی کا آباد کیا ہوا ہے، جب وہ اس شہر کو آباد کر چکا تو ایک فرشتہ آیا اور اس کو بلندی پر لے گیا اور پوچھا، تم کو کچھ نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا، میں اپنا شہر دیکھ رہا ہوں اور شہر مدائن کو دیکھ رہا ہوں، پھر کچھ اور اونچائی پر لے گیا اور پھر پوچھا، اب کیا نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا میں اپنا ہی شہر دیکھ رہا ہوں پھر فرشتہ نے کچھ اور بلندی پر لے جا کر اس سے پوچھا، اب کیا نظر آرہا ہے؟ اس نے کہا میں اپنا ہی شہر دیکھ رہا ہوں پھر فرشتہ نے کچھ اور بلندی پر لے جا کر اس سے پوچھا، اب کیا دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا صرف سطح زمین نظر آرہی ہے فرشتہ نے کہا، یہ سمندر ہے، جو ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے، اللہ تعالی نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے تا کہ تم جاہلوں کو تعلیم دو اور اہل علم کو مضبوط کرو، پھر اسکو دیوار کے پاس لے آیا، وہ دو چکنے پہاڑ ہیں، ہر چیز اس سے پھسل کر نیچے گر جاتی ہے پھر فرشتہ اس سے آگے لے گیا اور یاجوج ماجوج سے گذر کر دوسری امتوں تک پہونچا اس سرزمین میں بسنے والوں کے چہرے کتوں جیسے تھے اور وہ یاجوج ماجوج سے لڑتے رہتے تھے، فرشتہ پھر وہاں سے آگے بڑھا اور ایک دوسری امت پر اس کا گذر ہوا یہ ان لوگوں سے لڑتے رہتے تھے جن کے چہرے کتوں جیسے تھے پھر فرشتہ وہاں سے بھی آگے لے گیا اور دوسری امتوں سے ملاتا چلا گیا۔ (بحوالہ روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۴)

Marfat.com

تنقید وتبصرہ:

علامہ آلوسی نے روایت کے ابتدائی حصہ کو نقل کر کے اپنی رائے لکھی ہے جس کے الفاظ ہیں لم تثبت حجۃ ھذا الخبر (روح المعانی ج ۱۶ اص ۲۴) انہوں نے مزید لکھا ہے کہ تاریخی اعتبار سے ذوالقرنین کی شخصیت کو قطعی طور پر متعین کرنا اور اس کے عہد کی صحیح نشاندہی کرنا انتہائی مشکل ہے، قرآن نے جتنے حصے کو بیان کیا ہے صرف وہی اس کی زندگی کے حقیقی اور واقعی حالات ہیں اس کے علاوہ اس پر جو اضافہ کیا گیا ہے اس کو کوئی ثبوت نہیں اور خواہ مخواہ اس کو ایک افسانوی کردار بنا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں آلوسی نے گیارہ اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ اگر تلاش کی جائے تو شاید اس سے بھی زیادہ وجوہ تسمیہ مل جائیں اور جتنی وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ بذات خود اس واقعی شخصیت اور حقیقی وجود کو طلسماتی اور توہماتی وجود بتاتی ہیں، نیز اس کو سکندر تسلیم کر کے دو سکندروں کی شخصیتوں اور کارناموں کو گڈمڈ کر دیا ہے سکندر رومی اور سکندر یونانی کی شخصیتوں اور ان کے کارناموں میں خط امتیاز کھینچنا خود ایک عقدۂ لاینحل اور معمہ ہو گیا ہے، کسی نے ایرانی بادشاہوں میں سے ایک کو ذوالقرنین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کسی نے سلاطین حمیر میں سے ایک کو ذوالقرنین بنایا ہے۔ (روح المعانی ج ۱۶ اص ۲۴)

یہ ساری تفصیل آلوسی کی تفسیر کے سات بڑے صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے، ان تمام تفصیلات کے وجود قرآن نے جتنے حقائق بیان کر دیئے ہیں اس سے زیادہ ایک لفظ بھی اپنی قطعی صداقت کے ساتھ نہیں آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔ (چوں ندیدند حقیقت، رہ فسانہ زدند)

یہ سب اسرائیلی داستانیں ہیں، ان افسانوں اور اہل کتاب کی کہانیوں کو افراء بہتان کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دیا گیا، حدیث مرفوع جو ابن جریر کے حوالے سے اوپر نقل کی گئی ہے اس کا ایک راوی ابن لہعیہ حدیث میں ضعیف ہے، روایت میں جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کہی جا رہی ہے تاریخ اسے یقینی طور پر جھٹلاتی ہے، ذوالقرنین رومی نہیں تھا، روم کا یہ بادشاہ اسکندر ثانی کہا جاتا ہے اس کے باپ کا نام فیلبس مقدونی ہے اور اس کے وزیر کا نام ارسطا طالیس تھا اسی بادشاہ سکندر ثانی نے اسکندریہ شہر آباد کیا ہے، جسے مذکورہ روایت میں ذوالقرنین کا آباد کردہ بتایا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اس سکندر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، ذوالقرنین کی شخصیت دوسری ہے، سکندر ثانی بانی اسکندریہ توحید پرست نہیں تھا، ذوالقرنین ایک مرد مومن تھا، سارے مشرق و مغرب کو اس نے طے کیا تھا، قرآن نے اجمالی طور پر اس کے واقعات کو بیان کیا ہے، اس کا نام کیا تھا؟ وہ

Marfat.com

کہاں کا رہنے والا تھا؟ کس زمانے میں تھا؟ یہ باتیں قرآن پاک میں نہیں بیان کی گئی ہیں اور نہ احادیث صحیحہ میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے، اسلئے صرف ان ہی باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے جتنی قرآن نے ہمیں بتائی ہیں۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے اس روایت کی صحت سے بالکل انکار کیا ہے بلکہ روایت کرنے والوں کو ملامت بھی کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو حضور کی طرف منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے روایت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب اخبار بنی اسرائیلی ہیں جن کا کوئی اعتبار اور وزن نہیں ہے۔

یاجوج ماجوج

ذوالقرنین کے ذکر میں قرآن نے اس کا ایک بڑا کارنامہ یہ بتایا ہے کہ اس سے ایک علاقہ کے کچھ لوگوں نے یہ شکایت کی کہ پہاڑی کی دوسری سمت یاجوج ماجوج لوگ آباد ہیں جو ہمہ وقت انسانی آبادی پر تخت و تاراج اور قتل و غارتگری کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری زندگی انتہائی تلخ اور مصیبتوں میں گھری رہتی ہے ہم لوگ ان کی فساد انگیزی سے بہت ہی تنگ اور عاجز ہو چکے ہیں بڑا کرم ہوتا کہ آپ ہمیں ان لوگوں سے محفوظ کر دینے کی کوئی تدبیر کرتے اور انہوں نے از خود یہ تجویز پیش کی کہ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں تو ہم ان سے محفوظ ہو سکتے ہیں، ہم اس دیوار کے اخراجات پورا کرنے کے لئے تیار ہیں، سکندر نے یہ دیوار تعمیر کرائی جسے عام اصطلاح میں سد سکندری کے نام سے جانا جاتا ہے آیت مذکورہ میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے بہت ہی عجیب و غریب اور حیرتناک واقعات بیان کئے ہیں جو نہ عقل میں آتے ہیں اور نہ تجربات و مشاہدات اسکی شہادت دیتے ہیں اور نہ نقل صحیح سے اس کی تائیدی ہوتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰۱-۲۰)

اسرائیلی روایات: علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کی ایک روایت نقل کی ہے، حضرت حذیفہ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یاجوج ماجوج کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج ایک امت ہے ان کی ہر امت میں چار لاکھ امتیں ہیں، ان میں کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جبتک وہ ایک ہزار اولاد کو اپنے نطفہ سے نہیں پیدا کر لیتا ہے، پوری امت مسلح رہتی ہے، میں نے کہا یا رسول اللہ ان کی کچھ خاص خاص باتیں بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ان کی تین قسمیں ہیں، ان کی ایک صنف ''ارز'' کی طرح ہے، میں نے کہا ''ارز'' کیا چیز ہوتی ہے، آپ نے فرمایا شام میں ایک

Marfat.com

درخت ہوتا ہے اس کی لمبائی ایک سوبیس ہاتھ ہوتی ہے، حضورؐ نے مزید فرمایا کہ ان کے لئے نہ پہاڑ رکاوٹ بنتا ہے نہ کوئی ہتھیار ان پر کام کرتا ہے، ان کی دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے کان اتنے لمبے چوڑے ہوتے ہیں کہ ایک کان بچھا لیتے ہیں اور دوسرے کان کو اُوڑھ لیتے ہیں، ان کی راہ میں ہاتھی آجائے یا کوئی وحشی جانور، اونٹ یا سور کسی کو نہیں چھوڑتے ہیں، سب کو کھا جاتے ہیں اور ان میں جو مر جاتا ہے اس کو بھی چٹ کر جاتے ہیں، ان کی فوج کا اگلا حصہ شام میں ہوتا ہے اور پچھلا حصہ بحیرۂ طبریہ یا مشرق کی نہروں سے پانی پیتا رہتا ہے۔

ابن جریر نے اس سلسلہ میں کچھ موقوف روایتیں بھی نقل کی ہیں، علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح کی کئی روایتوں کا ذکر کیا ہے، ان تمام روایتوں میں یاجوج و ماجوج کی محیر العقول خصوصیات بیان کی گئی ہیں، یہ قطعاً اسلام دشمن بددینوں اور افتراء پردازوں کا گڑھا ہوا افسانہ ہے، ان بدبختوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف منسوب کر کے اپنی بدترین جسارت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث مرفوع کو ابن جوزی اور دوسرے لوگوں نے موضوعات میں شمار کیا ہے، خود علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الاآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں اس روایت کو موضوعات میں لکھا ہے اس کے باوجود انہوں نے اسکو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور وہاں اس کے موضوع ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، حقیقت یہی ہے کہ یہ حدیث قطعاً موضوع اور گڑھی ہوئی ہے اس سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عمرؓ اور کعب احبار کی روایتیں اس لئے ذکر کی گئی ہیں تا کہ حدیث مرفوع کی اس سے تائید ہو جائے۔

کعب احبار کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کی تین صنفیں ہیں، ایک صنف ''ارز'' کی طرح ہے، ایک صنف چار ہاتھ لمبی ہوتی ہے اور چار ہاتھ چوڑی ہوتی ہے، تیسری صنف ان لوگوں کی ہے جو ایک کان کو بچھاتے ہیں اور دوسرے کان کو لحاف کی طرح اوڑھ لیتے ہیں، ان کی خوراک عورتوں کا خون نفاس ہے۔

عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا کہ یاجوج ماجوج کا قد ایک بالشت اور دو بالشت ہوتا ہے، ان میں جو سب سے لمبے قد والے ہیں ان کے قد تین بالشت ہوتے ہیں، یہ سب اولاد آدم یعنی انسانوں میں سے ہیں، کوئی دوسری مخلوق نہیں ہیں۔ عبداللہ بن عباس نے کہا، رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شب معراج قوم یاجوج ماجوج کے پاس لے جایا گیا تھا، میں نے ان

Marfat.com

کو اسلام کی دعوت دی اور اللہ کی عبادت کرنے کی تبلیغ کی، مگر انہوں نے مجھے جواب دینے سے انکار کر دیا، وہ سب کے سب جہنمی ہیں، وہ تمام مشرک و کافر انسانوں اور شیطانوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج اولاد آدم میں سے ہیں، اگر وہ عام انسانوں میں آباد ہوتے تو لوگوں کی زندگیاں اجیرن ہو جاتیں، ان میں کا کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا ہے جب تک اس کی ذریت میں ایک ہزار یا اس سے زائد افراد نہ پیدا ہو جائیں ان لوگوں کے تین فرقے ہیں تاویل، تادیس اور مسلک۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوالقرنین نے جو دیوار کھڑی کر دی ہے اس کو یاجوج ماجوج روزانہ کھودتے ہیں اور جب اس حد تک کھود لیتے ہیں کہ ذرا سی اور کھدائی کے بعد سورج کی کرنیں اس پار آ جائیں گی تو لوٹ جاتے ہیں کہ اب کل کھدائی ہو گی لیکن وہ انشاء اللہ نہیں کہتے ہیں، جب دوسری صبح کو کھدائی کی جگہ پر آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دیوار صحیح و سالم ہے اور جیسی تھی ویسی ہو گئی ہے اور دیوار میں کھدائی کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہے، اور پھر کھدائی شروع کر دیتے ہیں اور شام کو بقیہ کھدائی کل کرنے کے ارادہ سے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور انشاء اللہ نہیں کہتے ہیں دوسرے دن آتے ہیں تو دیوار کو صحیح و سالم پاتے ہیں اس طرح وہ مسلسل کھدائی جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن اس میں نقب بنانے میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں لیکن جب اللہ چاہے گا کہ وہ لوگوں کے درمیان آ جائیں تو اس شام کو واپس جاتے ہوئے کہیں گے کہ انشاء اللہ کل کھدائی پوری کر لی جائے گی اور جب دوسری صبح واپس آئینگے تو کل کھدا ہوا حصہ بدستور رہے گا، بقیہ حصہ کی کھدائی کر کے وہ نکل پڑیں گے اور انسانی آبادی میں آ جائیں گے، وہ سارا پانی پی جائیں گے، لوگ مارے وحشت کے چھپ چھپ کر گھروں میں بیٹھ جائیں گے، کوئی ان کے سامنے آنے کی جرآت نہیں کریگا، وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور ان کے تیر خون میں تر ہو کر واپس ہونگے وہ کہیں گے کہ ہم نے سارے زمین والوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور آسمان والوں پر بھی ہم غالب ہو گئے، پھر اللہ تعالی ان کی گردنوں میں ایک بیماری پیدا کر دیگا جسکی وجہ سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے زمین کے درندے اتنی لاش دیکھ کر بدمست ہو جائیں گے اور کھا کھا کر موٹے ہو جائیں گے اور اللہ کا شکر کریں گے (ترندی شریف ۲ ص ۱۴۴ الدر المنشور ج ۴ ص ۲۵۱)

Marfat.com

تنقید وتبصرہ:

ان روایتوں کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور امام ترمذی نے (سنن ترمذی مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ج ۲ ابواب التفسیر ۱۴۴) ابوعوانہ کی حدیث جو قتادہ سے نقل کی ہے ذکر کر کے لکھا ہے غریب لایعرف الامن ھذا الوجہ اس کی سند عمدہ اور قوی ہے لیکن اس کے مفہوم اور متن کو حضورؐ کی طرف رفع کرنے میں نکارت ہے کیونکہ قرآنی آیت اس سلسلہ میں بہت صریح ہے مااستطاعوا لہ نقبا وہ دیوار کی مضبوطی اور استحکام کی وجہ سے اس میں سوراخ نہیں کر سکتے۔

کعب احبار سے بھی بالکل اسی مفہوم کی ایک روایت منقول ہے، یہ پہلے اہل کتاب رہے ہیں اس لئے بنی اسرائیل کے قصوں کے بڑے جاننے والے تھے، ہوسکتا ہے ابوہریرہ نے کعب احبار ہی سے یہ روایت لی ہو کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی نشست وبرخاست کعب احبار کے یہاں تھی اور کعب احبار سے ان کی بات چیت تھی، ابوہریرہ کے بیان کرنے کی وجہ سے دوسرے راویوں کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ روایت مرفوع ہے اور انہوں نے روایت کو مرفوعا بیان کر دیا ہے حافظ ابن کثیر کی یہی رائے ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اس سلسلہ میں ایک اور اسرائیلی روایت ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اس منی سے پیدا ہوئے ہیں جو زمین پر گر کر مٹی میں مل گئی تھی، روایت بتاتی ہے کہ حضرت آدم سوئے ہوئے تھے، ان کو بدخوابی ہوگئی اس وجہ سے منی مٹی میں مل گئی۔ ان بدبختوں کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ انبیاء کو بدخوابی نہیں ہوتی کیونکہ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوتی ہے اور انبیاء شیطانی وسوسہ اندازی سے محفوظ ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے یہ انتہائی غریب قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں نہ عقل ہی اسے تسلیم کرتی ہے اور نہ نقل سے اسکی تائید ہوتی ہے، اہل کتاب اس سلسلہ میں جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں کسی پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے ان کے پاس اس طرح کے بے سروپا قصوں اور کہانیوں کا بڑا ذخیرہ ہے (البدایہ والنہایہ مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۔ ۱۱۔)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج حقائق ثابتہ ہیں قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ہم ان تمام خرافات اور بیہودہ بکواس سے قطعی انکار کرتے ہیں، سہل انگاری کی وجہ سے ان اسرائیلی روایتوں کی نشاندہی نہیں کی گئی، ان روایتوں نے سچی حقیقتوں کو محیر العقول افسانہ بنا دیا ہے، اسلامی روایات ان سے بری ہیں اللہ اور اللہ کا رسول بری ہے حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور عالم تاریخ میں ان تمام روایتوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج جو حضرت آدم کی اس منی سے پیدا ہوئے ہیں جو مٹی میں مل گئی تھی اور یہ حضرت حواء کے بطن سے نہیں ہیں جیسا کہ شیخ ابوزکریا نودی نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے اس روایت کی ہر ایک نے تضعیف کی ہے اور وہ اس لائق ہی ہے اس لئے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ اس حقیقت ثابتہ پر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ اس حقیقت ثابتہ کے خلاف ہے کہ تمام انسان حضرت نوح کی ذریت سے ہیں اور طوفان نوح میں تمام کافر ہلاک ہو چکے تھے، ان کے قد و قامت کے سلسلہ میں جو مختلف باتیں کہی گئی ہیں کہ وہ کھجور کے درختوں کی طرح لمبے ہیں ان کی ایک صنف کا قد ایک بالشت یا دو بالشت ہے یا ایک کان بچھاتے ہیں اور دوسرا اوڑھ لیتے ہیں یہ سارے اقوال بے دلیل اور اٹکل بچوں کی باتیں ہیں اور لوگوں کی قیاس آرائیاں ہیں اسکی نہ کوئی حقیقت ہے نہ اس پر کوئی دلیل صحیح سچی بات یہ ہے کہ وہ عام انسانی شکل وصورت اور قد و قامت کے ہیں، حضور کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ تھا بتدریج انسانی قد گھٹتا جا رہا ہے یہ حدیث قول فیصل ہے اور یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ ان میں کا کوئی فرد اس وقت تک نہیں مرتا جبتک اپنے خاندان کے ایک ہزار افراد کو نہیں دیکھ لیتا اگر یہ صحیح حدیث سے ثابت ہوتی تو ہم اس کو ضرور تسلیم کر لیتے ورنہ ہم قطعی طور پر اسکو رد کر دینگے طبرانی کی روایت جس میں ہے کہ ان کا ہر فرد مرنے سے پہلے ایک ہزار افراد کو چھوڑ جاتا ہے یا اس سے زیادہ کو اور ان کی تین امتیں ہیں تاویل تاریس مسک یہ حدیث انتہائی غریب ہے اسکی سند ضعیف ہے اس میں شدید نکارۃ ہے وہ حدیث جو ابن جریر نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے کہ حضورؐ شب معراج میں ان کے پاس گئے اور ان کو دعوت اسلام دی اور انہوں نے قبول نہیں کیا یہ حدیث موضوع اور گڑھی ہوئی ہے اس کا وضع کرنے والا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا جھوٹا ابو نعیم عمر بن الصبح ہے جس نے وضع حدیث کا خود بھی اعتراف کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ مطبوعہ بیروت مکتبہ المعارف ج ۲ ص ۱۱۰)

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ کعب احبار کی وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اس منی سے پیدا ہوئے ہیں جو مٹی میں مل گئی تھی اس لئے یہ اولاد میں سے تو ہیں لیکن بغیر حواء کے پیدا ہوئے ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی پیدائش طوفان نوح سے پہلے ہوئی اور حضرت نوح کی کشتی میں سوار ہونے والوں میں یہ نہیں تھے، سوال یہ ہے کہ وہ کہاں محفوظ ہے؟ یہ بیہودا بکواس اور خرافات ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ روایت سوائے کعب احبار کے اور کسی سے منقول نہیں ہے اور وہ حدیث مرفوع اس روایت کی تردید کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اور یہ قطعی ہے کہ حضرت نوح کی ذریت آدم

Marfat.com

وحواء سے ہے اسلئے کعب احبار کے نام سے جو روایت ہے غلط اور جھوٹی ہے لیکن حدیث مرفوع سے وہ روایت مراد نہیں جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نوح کے تین لڑکے تھے سام، حام، یافث، سام کی اولاد میں عرب ایران اور روم ہیں اور حام کی اولاد میں قبطی، بربر اور حبش ہیں اور یافث کی اولاد میں یاجوج ماجوج اور ترک صقالیہ ہیں کیونکہ ابن حجر نے صاف لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے البتہ تورات میں ضرور اس کی تصریح موجود ہے کہ یاجوج ماجوج یافث کی اولاد میں ہیں۔
آخر بحث میں آلوسی نے انہیں تمام دلائل کا ذکر کیا ہے جو حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھے ہیں، اور ان کی وہی رائے ہے جو حافظ ابن کثیر کی رائے ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۸۔۳۹)

دور جدید کے مفسرین کی رائیں:

مفتی محمد شفیع صاحب کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے متعلق اسرائیلی روایات اور تاریخی کہانیوں میں بہت بے سروپا اور عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں جن مفسرین نے انہیں نقل کیا ہے انہوں نے بھی ان پر اعتماد نہیں کیا ہے اور صرف انہیں تفصیلات کو صحیح تسلیم کیا ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آئی ہیں، اتنا یقینی ہے کہ وہ سب اولاد آدم میں سے ہیں اور یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں اور عام انسانوں جیسے ہیں، ان کا خروج حضرت عیسیٰ کے زمانے میں ہوگا، یاجوج ماجوج نام صرف ان وحشی اور غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن نا آشنا ہیں۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۶۳۴)

مولانا دریا آبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یاجوج ماجوج بہ ظاہر بہ وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے وہ کبھی کبھی موقعہ پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے، یاجوج ماجوج کا اشتقاق اہل سنت نے مادہ اج سے کیا ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں انکے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے شبھوا بالنار المضطر بتہ والمیاہ المضمر جتہ لکثرۃ اضطرابھم (مفردات امام راغب) بعض نے اسے عجمی نام کہا ہے اسمان اعجیان بدلیل منع الصرف (کشاف) بائبل کی کتاب حزقیل کے باب ۳۸۔۳۹ میں یاجوج ماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے اور پیشگیوئیاں بھی درج ہیں لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں بائبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرک ہیں کوئی یاجوج ماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے کوئی کہتا ہے کہ یاجوج ماجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یاجوج ماجوج بن یافث بن نوح کی نسل سے ہے، عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیاء کوچک اور آرمیدیا میں سمجھی گئی ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں جو سیتھین کہلاتی ہیں، بہرحال بائبل اور اس کی شرح سے قرآنی یاجوج

Marfat.com

ماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی ہے، قرآنی اشاروں سے تو بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی شورہ پشت اور شورش پسند پہاڑی قبیلے تھے اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انہوں نے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں کہیے تو ہم چندہ فراہم کردیں اور آپ ہمارے اور ان کی درمیان ایک ایسی حد فاصل قرار دے دیں جسے توڑ کر وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوسکیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۶۲۰)

Marfat.com

اقتباسات راہ اسلام

رسالہ شائع کردہ ایرانی کلچرل ہاوس دہلی

ذوالقرنین:

ذوالقرنین کا نام سنتے ہی قاری کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ ذوالقرنین کون ہے اور دہ پل کہاں ہے اور آیا دنیا کی نگاہوں نے ایسا کوئی پل کبھی دیکھا ہے؟ اور قرآن کریم میں ''عین حمۂ'' نامی جس چشمہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کہاں واقع ہے؟ اس قسم کے مختلف النوع سوالات کا جواب دینے سے پہلے قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ لازمی ہے جو داستان ذوالقرنین کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ (آیات اوران کا ترجمہ شروع کتاب میں ملاحظہ فرمائیں)

داستان ذوالقرنین:

داستان ذوالقرنین اس شخص سے منسوب ہے جس نے عرصہ دراز سے ماہرین فلسفہ و محققین کو اپنی طرف متوجہ کرر کھا ہے اور جس کی شناخت کے لئے کافی کوشش کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے وتاریخی اعتبار سے کون ہے؟ اور تاریخ کے نامور لوگوں میں سے ذوالقرنین کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ مفسرین کے درمیان اس موضوع پر اکثر گفتگو رہی ہے اور اس سلسلے میں مختلف النوع نظریات سامنے آچکے ہیں اور ان میں سے تین نظریات بہت اہم ہیں لیکن ان نظریات کے تذکرہ سے قبل قرآن کریم میں منقول داستان ذوالقرنین کا اجمالی تجزیہ لازمی معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے اس آدمی کا نام ونسب اور ولادت و دیگر واقعات زندگی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے لیکن دیگر داستانوں کا ذکر کرتے وقت بھی قرآن مجید کا انداز بیان بالکل ایسا ہی رہا ہے اور کسی داستان کے تمام پہلوؤں کی طرف واضح اشارہ نہیں کیا ہے چنانچہ ذوالقرنین کے سلسلے میں بھی اس کے تین سفر کے تذکرہ پر ہی اکتفا کی ہے۔ اپنے سفر کے پہلے مرحلہ میں وہ اس جگہ پہونچتا ہے جہاں آفتاب غروب ہوتا ہے۔ اس جگہ کا نام عین حمئۃ (حامیہ) ہے یہاں وہ ایک قوم کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں وہ مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتا ہے اور اس جگہ تک پہونچ جاتا ہے جہاں سے آفتاب طلوع ہوتا ہے، یہاں بھی اس کی ملاقات ایک قوم سے ہوتی ہے اور خداند عالم نے اس قوم اور آفتاب کے درمیان کوئی پردہ نہیں رکھا ہے اور تیسرے مرحلہ میں وہ پہاڑوں کے درمیان پہنچتا ہے اور وہاں بھی اس کی ملاقات کچھ لوگوں سے ہوتی ہے ان لوگوں نے یاجوج وماجوج کے شر کی شکایت کی اور یہ تجویز رکھی کہ وہ

Marfat.com

کچھ بجٹ اس کے حوالے کرتے ہیں تاکہ وہ ان لوگوں کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کردے جوان کے علاقے میں یاجوج و ماجوج کے فساد کو آگے نہ بڑھنے دے۔ وہ ان لوگوں کی تجویز قبول کرتے ہوئے ایک ایسی دیوار بنانے کا وعدہ کرلیتا ہے جوان کی خواہش کے مطابق ہو لیکن وہ کسی قسم کا ہدیہ قبول نہیں کرتا ہے اوران لوگوں سے فقط لوگوں کے تعاون کا مطالبہ کرتا ہے اوراس کے بعد دیوار تیار کرنے کے لئے لازمی وسائل مثلاً لوہا وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔

قرآن مجید نے اس داستان کے ساتھ اس کی کچھ خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس داستان میں جس آدمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اپنی زندگی میں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا اور قرآن مجید میں اس داستان کی شمولیت سے پہلے کا زمانہ تھا۔ داستان کے طرز بیان سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عہد رسولؐ میں اس داستان کے نزول سے قبل ذوالقرنین کا نام لوگوں کی زبان پر تھا اور لوگ آنحضرتؐ سے اسکے بارے میں سوالات کیا کرتے تھے مثلاً قرآن مجید کے جملے ملاحظہ ہوں (یسلونك عن ذی القرنین) و (فلنا یاذی القرنین) و (قالو ایاذی القرنین) آخری دونوں جملوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا نام یہی تھا اور لوگ اس کو اسی نام سے مخاطب کرتے رہے ہیں۔

اس شخص کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ خداوند عالم و قیامت پر ایمان رکھتا تھا اور دین حق کا پیرو تھا جیسا کہ قرآن کریم میں نقل کیا گیا ہے۔

(هذارحمة من ربیّ فانا جاء وعدربیّ جعله دکاء و کان وعدربی حقاً) اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا (امّا من ظافسوف نعذبثریرالیٰ ربه فیعذ به عذاباً نکر آو امان آمن وعمل صالحاً۔ اس کے علاوہ اس آیۂ کریمہ سے (قلنایاذو القرنین اماان نسذب و اما۔۔فیسحرحسنا) پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم اسے مکمل اختیار دیدیتا ہے اوراس سے اس حققیت کی نشاندہی بھی ہوجاتی ہے کہ اس کا دینی مرتبہ کیا تھا اور پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے اس کی تائید اوراس کی مدد بھی کی تھی۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جس کے لئے خداوند عالم نے دنیا و آخرت کی نیکی جمع کردی تھی۔ دنیوی خیر و برکت یہ تھی کہ خداوند عالم نے اسے ایسی سلطنت کا مالک بنایا تھا کہ وہ مشرق سے مغرب کا سفر کرسکے اور کوئی چیز اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے اور اخروی سعادت ملنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے لوگوں کے درمیان انصاف کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ہی ساتھ دنیا میں حق کے قیام کی کوشش کی اور لوگوں کے ساتھ الفت و محبت، عفو و درگزر، ترویج خیر اور دفع شر کا رویہ اختیار کیا

Marfat.com

اور قرآن کریم کا یہ جملہ (انامکاله فی الارض و آئیناه من کل شی سیاً) اس کے اس اخلاق حمیدہ کی دلیل ہے۔

تین اہم تاریخی نظریات:

(۱) بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ذوالقرنین سوائے اسکندر مقدونی کے اور کوئی نہیں ہے اسی وجہ سے لوگ اسے سکندر ذوالقرنین کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد روم، مراکش در مصر پر غلبہ حاصل کر لیا اور شہر اسکندریہ کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد شام اور بیت المقدس کو بھی اپنی مملکت کا حصہ بنالیا۔ وہاں سے وہ آرمینیا گیا، عراق وایران کو فتح کیا۔ پھر وہ ہندوستان اور چین کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے خراسان واپس آگیا اور بہت سے شہروں کی بنیاد رکھی اور عراق آیا اور بعد میں ''زور'' نامی شہر میں بیمار ہوا اور اس دنیا سے چلا گیا اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق اس نے کل ۳۶ سال کی عمر پائی۔ اس کے مردہ جسم کو اسکندریہ لے گئے اور وہیں دفن کر دیا البتہ اسکندر کے کفر وظلم کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ قبول نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یونانی بادشاہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات میں ذوالقرنین کے ایمان وانصاف پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا ہے کہ سکندر مقدونی نے یاجوج و ماجوج نام کی کوئی دیوار بھی تعمیر کرائی تھی جبکہ قرآن مجید میں میں اس کا بھی ذکر ملتا ہے۔

(۲) بعض مورخین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ذوالقرنین ''یمن'' کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ یمن کے بادشاہوں کو ''تبع'' کہتے تھے جس کی جمع ''تبابعہ'' ہے اس یمنی بادشاہ نے پورے یمن پر حکومت کی ہے۔

چنانچہ ''اصمعی'' نے تاریخ عرب قبل الاسلام میں اور ''ابن ہشام'' نے اپنی معروف ترین تاریخ کی کتاب ''سیرۃ'' میں اور ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب ''لاثار الباقیۃ'' میں اس نظریہ کا دفاع کیا ہے۔ اور اس نظریہ کے مطابق ذوالقرنین نے جس دیوار کی تعمیر کرائی تھی وہ مشہور ومعروف دیوار ''مآرب'' ہے۔

(۳) اس سلسلے میں تیسرا اور جدید ترین نظریہ وہی ہے جس کا ذکر مشہور اسلامی دانشمند و ہندوستان کے سابق وزیر تعلیم ''مولانا ابوالکلام آزاد'' نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی محققانہ کتاب میں کیا ہے۔ ان کی نظر میں ''ذوالقرنین'' کوئی اور نہیں بلکہ ہخانشی بادشاہ ''کوروش اعظم'' ہے۔

جہاں تک پہلے اور دوسرے نظریہ کا سوال ہے کوئی ایسی تاریخی سند موجود نہیں ہے جس کی

Marfat.com

روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جا سکے۔اس کا علاوہ قرآن مجید نے ذوالقرنین کی جو صفات بیان کی ہیں وہ نہ سکندر مقدونی میں نظر آتی ہیں اور نہ یمن کے کسی بادشاہ میں صرف یہی نہیں بلکہ سکندر مقدونی نے کوئی دیوار بھی نہیں بنوایا ہے نیز یمن میں موجود ''مآرب'' نامی دیوار میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو ذوالقرنین کے تعمیر کردہ اس دیوار سے مطابقت رکھتی ہوں جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔کیونکہ قرآنی آیات کے ذوالقرنین نے وحشی اقوام کے حملوں کی روک تھام کے لئے دیوار لوہے اور تانبے سے بنائی گئی تھی اور مآرب نامی دیوار کی تعمیر اس زمانے میں رائج تعمیراتی اشیاء کی مدد سے کی گئی تھی اور اس کا مقصد سیلاب کی روک تھام تھا جس کی طرف قرآن مجید نے سورۂ ''سبا'' میں واضح اشارہ کیا ہے اور اسی دلیل کی بنیاد پر ہم فقط تیسرے نظریہ کا تجزیہ پیش کرتے ہیں لیکن اس سے قبل مندرجہ ذیل باتوں کی طرف متوجہ ہونا لازمی ہے۔

الف: سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کو ''ذوالقرنین یعنی دو صدیوں والا'' کیوں کہا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ مشرقی و مغربی عوام تک پہونچا اسی بنیاد پر اس کو ذوالقرنین کہا گیا۔عرب ''قرنی الشمس'' یعنی آفتاب کی دو شاخ سے اس کی توجیہ کرتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس نے دو صدیوں تک حکومت کی اسی وجہ سے اس کو ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا گیا۔البتہ ان لوگوں کے درمیان اس موضوع پر سخت اختلاف ہے کہ صدی کتنے برسوں پر مشتمل تھی۔اس سلسلے میں کوئی متفقہ عالمی فیصلہ منظر عام پر نہیں آیا۔

بعض لوگوں کا یہ اندازہ ہے کہ ''ذوالقرنین'' کے سر کے دونوں طرف سینگ جیسی کوئی چیز ابھری ہوئی تھی اسی وجہ سے وہ اس نام سے مشہور ہو گیا۔اس کے علاوہ بعض مفکرین دانشور یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ایک مخصوص قسم کا تاج پہنتا تھا جسمیں دو چھوٹی شاخیں باہر نکلی رہتی تھیں۔بہر حال ذوالقرنین کے سلسلے میں اس قسم کے بیشمار افکار و عقائد ملتے ہیں لیکن اس مختصر سے مقالے میں ان خیالات کا تذکرہ ناممکن ہے۔

ب: قرآنی آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ذوالقرنین ممتاز صفات کا حامل تھا۔

☆ خداوند عالم نے اس کے لئے کامیابوں کے تمام اسباب فراہم کر دیئے تھے۔

☆ اس نے اپنی حکومت کے دوران تین اہم حملے کئے۔پہلا حملہ مغرب کی طرف، دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرا ایک ایسے علاقے کی طرف جہاں اسے تنگ پہاڑی راستوں سے گزرنا پڑا اور ہر لشکر

Marfat.com

کشی کے دوران اس کا مقابلہ ایک نئی قوم سے ہوتا رہا۔

☆ وہ ایک مومن و موحد و مہربان شخص تھا اور کبھی عدل و انصاف کی راہ سے منحرف نہیں ہوتا تھا اسی وجہ سے اسے پروردگار عالم کی خصوصی عنایات حاصل تھیں۔ وہ نیک لوگوں کا دوست و ساتھی اور ظالموں کا جانی دشمن تھا اور دنیوی مال و دولت سے کوئی لگاؤ نہ رکھتا تھا۔

☆ وہ خداوند عالم پر بھی ایمان رکھتا تھا اور روز قیامت پر بھی۔

☆ اس نے ایک اہم اور انتہائی مضبوط دیوار کی تعمیر کرائی اور اس کی تعمیر میں اینٹ، پتھر اور سیمنٹ کی جگہ لوہے اور تانبے کا استعمال کیا گیا۔ اس دیوار کی تعمیر کا مقصد یاجوج و ماجوج کے ظلم و ستم کے مقابلے میں کمزور و پسماندہ و مظلوم لوگوں کی مدد و حمایت تھا۔

☆ ذوالقرنین وہ آدمی تھا جو قرآن سے قبل لوگوں کے درمیان مشہور ہو چکا تھا اسی وجہ سے قریش و یہود نے پیغمبر سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ "یسئلونك عن ذی القرنین۔ یعنی آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔"

ذوالقرنین کے سلسلے میں تیسرا مشہور و معروف قول یہ ہے کہ کوروش اعظم کا نام ہے۔ اس قول کی بنیاد دو اصولوں پر قائم ہے۔

پہلا اصول یہ ہے کہ ذوالقرنین کے سلسلے میں جن لوگوں نے سوال کیا تھا وہ یہودی تھے اور بعض تفسیروں کے بموجب یہودیوں کی تحریک پر قریش نے پیغمبرؐ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تھا۔ بہر حال دونوں صورت میں حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے یہودی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ مشہور و معروف یہودی کتاب "دانیال" کی آٹھویں جلد میں مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے جو دانیال سے منقول ہے۔

"بل شعر" دور حکومت (دانیاں) میں مجھے ایک منظر دکھائی پڑا۔ پہلے مجھے جو منظر نظر آیا تھا اس کے بعد میں نے دوسرا منظر دیکھا اور میرے دیکھتے وقت ایسا کچھ محسوس ہوا کہ میں اسوقت ملک "عیلام" کے "شوشان" نامی محل میں تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں "اولائی" نہر کے قریب ہوں۔ اور میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھی تو نہر کے سامنے ایک مینڈھا نظر آیا۔ اس کے دو سینگ ابھرے ہوئے تھے اور سینگ کافی لمبے تھے۔ میں نے اس "مینڈھا" کو مغرب و شمالی اور جنوب کی طرف سینگ مارتے ہوئے دیکھا۔ کوئی حیوان اس مینڈھا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چونکہ کوئی اس کا سامنا کرنے والا نہ تھا لہذا وہ اپنی من مانی کر رہا تھا اور اسی طرح وہ بڑا ہو گیا۔ اس کے بعد اسی کتاب میں "دانیال" ہی

Marfat.com

سے یہ بات بھی منقول ہے کہ ''جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت جبرئیل تشریف لائے اور ان کے خواب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ ''دو سینگ والا جو مینڈھا آپ نے دیکھا ہے وہ مدائن و فارس کے بادشاہوں میں ایک ہے۔''

کچھ ہی دنوں بعد ایرانی حکومت کے میدان میں کوروش اعظم نمودار ہوا۔ اس نے مدائن و فارس کو ملا کر ایک عظیم سلطنت قائم کی اور جیسا کہ دانیال کی روایت میں کہا گیا تھا کہ وہ مینڈھا مغرب و شمال اور جنوب کی طرف سینگ مار رہا تھا، کوروش اعظم نے ان تینوں علاقوں میں عظیم فتوعات بھی حاصل کیں۔ یہودیوں کو آزاد کر دیا اور انہیں فلسطین واپس جانے کی اجازت بھی دیدی۔

مذکورہ بالا قول کی مزید تصدیق کے لئے دوسری بنیادی دلیل یہ ہے کہ انیسویں صدی میں نہر ''مرغاب'' کے کنارے ''کوروش اعظم'' کا ایک مجسمہ حاصل ہوا جس کی اونچائی انسانی قد و قامت کے برابر ہے۔ اس مجسمہ میں کوروش کے چہرے کے دونوں طرف عقاب کی طرح دو باز نظر آتے ہیں۔ اس کے سر پر جو تاج ہے اسمیں مینڈھا جیسی دو سینگ بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ مجسمہ قدیم فن مجسمہ سازی کی بہترین و گرانقدر مثال ہے اور اس نے بین الاقوامی دانشمندوں کو اس حد تک متوجہ کر لیا کہ جرمنی کے ممتاز دانشوروں نے اس کو دیکھنے کے لئے ایران کا سفر بھی اختیار کیا۔

مندرجات تورات اور اس نادر روزگار مجسمہ کی صفات کے درمیان موجود مطابقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ماہرین کا یہ احتمال کافی مضبوط ہو گیا کہ ''کوروش'' کو ذوالقرنین کہنے کی بنیاد کیا تھی نیز مذکورہ مجسمہ میں کوروش کے چہرے کے اردگرد عقاب جیسے دو باز کیوں ابھرے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عالمی دانشوروں کی نظر میں ذوالقرنین جیسی اہم تاریخی شخصیت پوری طرح واضح ہو گئی نیز کتب تاریخ میں کوروش کی جن اخلاقی صفات کا ذکر کیا ہے ان کی روشنی میں بھی اس نظریہ کی تائید ہو جاتی ہے۔

مشہور یونانی مورخ ''ہردوت'' لکھتا ہے کہ کوروش نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ لڑاکو اور جنگجو لوگوں کے علاوہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں۔ دشمن کی فوج کا جو سپاہی نیزہ جھکا لے اسے ہرگز قتل نہ کریں۔ چنانچہ کوروش کے لشکر نے اس کے حکم کی مکمل پیروی کی جس کی وجہ سے عوام الناس کو جنگی رنج و مصائب کا احساس بھی نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ ہروت مزید لکھتا ہے کہ کوروش ایک کریم سخی اور نہایت رحم دل و مہربان بادشاہ تھا۔ دوسرے بادشاہوں کی طرح اسے مال جمع کرنے کی لالچ نہ تھی بلکہ وہ ہمیشہ عطا و سخاوت کی فکر میں

Marfat.com

لگا رہتا تھا۔ وہ مظلوموں کو عدل وانصاف فراہم کرتا تھا اور نیک کام کرنے والوں سے بڑی محبت کیا کرتا تھا۔۔۔"

ان باتوں کے علاوہ کوروش نے مشرق و مغرب و شمال کا سفر بھی اختیار کیا جس کا ذکر کتابوں میں بدرجہ اتم موجود ہے جس کو قرآن کریم میں ذکر شدہ سہ جانبہ سفر کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے۔

کوروش نے پہلا حملہ "سیدیا" نامی ملک پر کیا جو اس وقت "ایشائی کوچک" کے شمالی حصہ میں واقع تھا اور کوروش اعظم کے دار الحکومت کی مناسبت سے یہ ملک مغربی علاقہ میں تھا۔

اگر ہم ایشیائے صغیر کے مغربی ساحل کا نقشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ ساحل کا بہت بڑا حصہ چھوٹی خلیجوں میں غرق نظر آتا ہے بالخصوص "ازمیر" کے نزدیک جہاں خلیج ایک چشمہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ وہی منظر تھا جس کو کوروش نے غروب آفتاب کے وقت ساحلی خلیجوں میں مشاہدہ کیا تھا۔

کوروش کا دوسرا حملہ مشرق کی جانب تھا جیسا کہ "ہر دوت" لکھتا ہے کہ کوروش کا مشرقی حملہ "سیدیا" نامی تک کی فتح کے بعد انجام پایا۔ اس حملے کا مقصد بعض قبائلی بغاوتوں پر قابو حاصل کرنا تھا۔

قرآن کریم کی یہ تعبیر "حتی اذابلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم عن دونھا ستراً" مشرق کی آخری سرحدوں تک کوروش کے سفر کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں اس نے مشاہدہ کیا کہ آفتاب ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جو آفتاب کی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی سائبان بھی نہیں رکھتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بیاباں گرد صحرا نورد قوم تھی۔

کوروش کا تیسرا حملہ شمال کی جانب قفقاز کے پہاڑوں کی طرف تھا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑوں کے درمیان واقع ایک تنگ مقام پر پہونچ گیا۔ وہاں کے عوام کی درخواست کو نگاہ میں رکھتے ہوئے وحشی قوموں کے حملات کو روکنے کے لئے کوروش نے وہاں ایک مضبوط دیوار تعمیر کرا دی عصر حاضر کے نقشہ میں اس تنگ علاقے کو "داریال" کہا جاتا ہے جو موجودہ نقشوں میں "ولادی کیوکز" اور "تفلیس" کے درمیان موجود ہے اور اس جگہ آج بھی آہنی دیوار موجود ہے اور یہ دیوار اسی مضبوط پل کی ہے جس کی تعمیر کوروش اعظم نے کرائی تھی کیونکہ اسمیں وہ اوصاف بخوبی نظر آتے ہیں جو قرآنی آیات میں بیان کئے گئے ہیں۔

ذوالقرنین کی دیوار کہاں ہے؟

اگرچہ بعض لوگ اس دیوار کو مشہور دیوار چین سے منطبق کرنا چاہتے ہیں جو آج بھی قائم اور

Marfat.com

سیکڑوں کلومیٹر لمبی ہے لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دیوار چین کی تعمیر میں نہ لوہے تانبے کا استعمال کیا گیا ہے اور نہ وہ ایک پتلے اور تنگ پہاڑی علاقے میں واقع ہے بلکہ یہ ایک ایسی دیوار ہے جس کی تعمیر میں عام تعمیری مصالحوں کا استعمال کیا گیا ہے اور یہ ''دیوار'' جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ''سیکڑوں کلومیٹر لمبی اور آج بھی موجود ہے۔ بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ وہی دیوار ہے جو یمن میں واقع ہے اور ''پل مارب'' کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پل مارب ایک پہاڑی علاقے میں تعمیر کرایا گیا ہے۔ لیکن اس کا مقصد سیلاب کی روک تھام اور پانی کا ذخیرہ کرنا تھا نیز ااس پل کی تعمیر میں لوہے اور تانبے کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

لیکن دانشوروں کی گواہی کے مطابق سرزمین قفقاز ''بحر خسزر اور بحر سیاہ'' کے درمیان واقع ہے اور ایسے چھوٹے چھوٹے پہاڑوں پر مشتمل ہے جو دیوار کی طرح شمالی علاقے کو جنوبی علاقے سے بالکل الگ کر دیتے ہیں۔ یہ سرزمین ''تنگہ'' داریال'' کے نام سے آج بھی مشہور ہے اور اس جگہ لوہے کی دیوار اب تک موجود ہے اور انہیں حقائق کے بموجب اکثر ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ دیوار ''ذوالقرنین'' یہی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے قریب میں ایک ''سالوس'' نامی نہر بھی موجود ہے اور واضح رہے کہ اہل یونان کوروش کو سالوس کہا کرتے تھے۔

آثار قدیمہ کی اصطلاح میں اس دیوار کو ''بہاگ گورائی'' کہا جاتا ہے جس کا مطلب ''تنگہ'' کوروش'' یا ''معبر کوروش ہے اور یہ سند اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس دیوار کا حقیقی بانی ذوالقرنین ہی تھا۔

یاجوج و ماجوج کون ہیں؟

قرآنی آیات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ یہ دو خونخوار وحشی قبیلوں کا نام ہے جو اس علاقے کے لوگوں کو رنج و مصائب سے دوچار کیے رہتے تھے لیکن تاریخی اعتبار سے یاجوج و ماجوج کے بارے میں بیشمار اقوال نقل ہوئے ہیں۔ مثلاً عہد عتیق تورات میں مذکور ہے کہ یہ لوگ خانوادہ نوح کی اولاد ہیں۔۔۔ نیز یہ کہ یاجوج و ماجوج عظیم قوم کی حیثیت سے اس زمانے میں شمالی ایشیا کی بلند پہاڑیوں پر زندگی بسر کرتی رہی ہیں اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ یاجوج و ماجوج وہ قومیں میں جو شمالی ایشیائی علاقے میں تبت و چین سے لیکر شمالی بحر منجمد تک اور مغربی علاقے سے ترکستان تک آباد رہی ہیں۔ واضح رہے کہ کتاب فاکہتہ الخلفاء و تہذیب اخلاق ابن مسکویہ اور رسائل

Marfat.com

اخوان الصفاء نے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔
مفسر اعظم علامہ طباطبائی نے اپنی مشہور و معروف کتاب المیز ان میں لکھا ہے کہ تورات میں منقول روایات کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ یاجوج و ماجوج وہ عظیم قومیں تھیں جو شمالی ایشاء کے دور افتادہ ترین علاقوں میں زندگی بسر کر رہی تھیں اور اس قوم کے لوگ جنگجو اور لٹیرے تھے۔
میلاد مسیح سے تقریباً پانچسو سال قبل کوروش کے عہد میں بھی اس قوم کی جانب سے ایک حملہ ہوا لیکن اس زمانے میں مادہ فارس کی متحدہ حکومت قائم ہوگئی، حالات تبدیل ہو گئے اور مغربی ایشیاء کو اس قبیلے کے حملات سے آسودگی حاصل ہوگئی۔ اس طرح یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یاجوج و ماجوج کا تعلق بھی انہیں وحشی قبیلوں سے رہا ہے اور اس علاقے میں کوروش کے سفر کے دوران قفقاز کے لوگوں نے اس سے ان قبائل کی طرف سے ہونے والے حملات کی روک تھام کا مطالبہ کیا تھا اور کوروش نے ان کے مطالبات کے جواب میں ذوالقرنین نامی مشہور دیوار کی تعمیر کا کام انجام دیا تھا۔
آخر کلام میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب تک فراہم تاریخی اسناد و مدارک سے یہی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ کوروش ہے۔

Marfat.com

اقتباسات کتاب فتنہ یاجوج ماجوج قرآن وحدیث کی روشنی میں

مصنفہ جناب مولانا ظفر اقبال صاحب، جامعہ اشرفیہ لاہور

۱۔ فتنہ تاتار

اوراق تاریخ پلٹتے ہوئے مسافر قلم کا ایک ایسے مقام پر پہنچ کر قدم اور قلم رک گیا جس سے زیادہ ہیبت ناک، دل دوز اور خوفناک منظر کا تصور اسے کبھی نہیں آیا، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہوسکتا ہے دامن تاریخ میں اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز مظالم کی داستان محفوظ ہو، لیکن نہیں! اسلام اور مسلمانوں پر بادی النظر میں جتنا کڑا وقت اس موقع پر آیا بعد کے ایام اور زمانے اس کی مثال سے بھی خالی ہیں۔

☆☆☆☆☆

مسافر کے قلم کے سامنے صفحات کھل رہے تھے ایک منظر آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا کہ ایک وحشی قوم ہے جو نہ بوڑھوں کی بزرگی سے متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی بچوں کی معصومی انہیں ترس کھانے پر مجبور کرتی ہے، مردوں کو قتل کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے اور امید والی عورتوں کے پیٹ چاک کر کے آنے والی نئی جان اور اس کی ماں دونوں کو آب حیات سے محروم کرنا ان کا مذہبی فریضہ ہے، مشائخ اور علماء ان کے نزدیک سب سے بڑے مجرم ہیں، مساجد و مدارس اور مکاتب ان کے نزدیک گمراہی کے اڈے ہیں، انہوں نے اپنی "بے عزتی" کا بدلہ لینے کے لئے کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور اتنا قتل عام کیا کہ خود بھی تھک گئے بازاروں اور راستوں کو انسانی لاشوں سے اس طرح پاٹ دیا کہ پورے پورے ٹیلے قائم ہو گئے، صرف بغداد میں اٹھارہ لاکھ مقتول شمار کیے گئے، علانیہ شراب کے جام لنڈھائے گئے، خنزیر گوشت سے ضیافت عام کے مزے لوٹے گئے، مساجد کو پانی کی بجائے شراب سے بھر دیا گیا، اذان اور نماز پر سرکاری طور پر پابندی لگا دی گئی۔

☆☆☆☆☆

تاریخ کا بے رحم قلم اسے "فتنہ تاتار" کے نام سے موسوم کرتا ہے لیکن مصنف اسے صرف "فتنہ تاتار" کا نام دینے پر شاید راضی نہ ہوسکے اور اسے اس بات پر اصرار ہو کہ اسے "فتنہ کفار" قرار دیا جائے کہ اسوقت (ساتویں صدی ہجری میں) پورا کفران حملہ آوروں کا پشت پناہ تھا اور حوصلہ بڑھا رہا تھا اور اعداء اسلام کا یہ گروہ جو بعد میں "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" کا مصداق بنا، اسلام کا نام ونشان تک صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلا ہوا تھا اور اس کے آگے بند باندھنے والا کوئی نہ تھا، ہر ایک

Marfat.com

کسمپرسی کا شکار تھا اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے علاوہ یا اسلام پر آنے والے ان کڑے حالات پر رونے کے سوا کوئی کچھ نہ کرسکتا تھا، بے بسی اور بے کسی مسلمانوں کے چہروں سے ہویدا تھی کہ اچانک رحمت خداوندی کو جوش آیا، باران رحمت برسی اور یہی تا تار اسلام کے محافظ بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔

تا تار حملہ کے اسباب و وجوہات پر گفتگو کرتے ہوئے مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

''عالم اسباب میں اس کا قریبی محرک یہ واقعہ ہوا کہ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ میں بھی ایک وسیع سلطنت کا فرمانروا ہوں، اور آپ بھی ایک وسیع سلطنت کے تاج دار ہیں بہتر ہے کہ ہم دونوں تجارتی تعلقات قائم کریں، ہمارے تاجر بے خوف وخطر آپکے قلمرو میں جائیں اور یہاں کی مخصوص پیداوار اور مال وہاں فروخت کریں اور آپ کے تاجر اطمینان کے ساتھ ہمارے ملک میں آئیں اور وہاں کا مال فروخت کریں، خوارزم شاہ نے اس کو منظور کرلیا اور تجارتی تعلقات قائم ہوگئے اور تجارتی قافلے بے تکلف دونوں ملکوں میں آنے جانے لگے، اس کے بعد کیا پیش آیا جس سے عالم اسلام اچانک خون کے سمندر میں ڈوب گیا اس کی تفصیل مغربی مورخ کی زبان سے سنیئے جس کی اسلامی مورخین کے بیان سے حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔

ہیرلڈ لیمب اپنی کتاب ''چنگیز خاں'' میں لکھتا ہے۔

''لیکن تجارت کے تعلقات جو چنگیز خاں نے قائم کئے تھے وہ اتفاق سے یک لخت ختم ہو گئے اور یہ اس طرح پیش آیا کہ قراقورم سے تاجروں کا ایک قافلہ مغرب کو آرہا تھا کہ راستہ میں اترار کے حاکم نے جس کا نام انیل جق تھا، قافلہ کے سب آدمیوں کو گرفتار کرلیا اور اس کی اطلاع اپنے آقا یعنی خوارزم شاہ کو اس طرح کی گویا اس قافلہ میں جاسوس بھی موجود ہیں، انیل جق کا کہ خیال بالکل قرین عقل تھا۔

حاکم اترار کے پاس سے اطلاع کے آتے ہی سلطان محمد خوارزم شاہ نے بے سوچے سمجھے حکم دے دیا کہ قافلہ کے کل تاجروں کو ہلاک کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کے مطابق قراقورم سے آئے ہوئے کل تاجر قتل کر دیئے گئے، اس کی اطلاع جس وقت چنگیز خاں کو ہوئی تو اس نے فوراً اپنے سفیر بھیج کر خوارزم شاہ سے اس کی شکایت کی، سلطان محمد نے سفیروں کے سردار کو بھی قتل کر دیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان کی داڑھیاں جلوادیں، اس سفارت میں سے جن لوگوں کی جان بچ گئی تھی وہ چنگیز

Marfat.com

خان کے پاس واپس آئے اور کل حال عرض کیا، دشت گوبی کا خان حال سنتے ہی ایک پہاڑی پر چڑھ گیا کہ تنہائی میں اس واقعہ پر غور کرے، مغلوں کے ایلچی کو مار ڈالنا ایسا فعل تھا جسے بغیر سزا کے چھوڑ نا ممکن نہ تھا، یہ حرکت ایسی تھی جس کا بدلہ لینا مغلوں کی گذشتہ روایات کے لحاظ سے ضروری تھا۔

چنگیز خان نے کہا جس طرح آسمان پر دو آفتاب نہیں رہ سکتے، اسی طرح زمین پر دو خاقان نہیں رہ سکتے''

اسلام کے مشرقی ممالک تاتاریوں کی زد میں:

تاتاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کو ایک تودہ خاک بنا دیا شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کر دیا اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں رے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشا پور، خوارزم کا ہوا، خوارزم شاہ جو عالم اسلامی کا واحد فرمانروا اور سب سے طاقتور سلطان تھا تاتاریوں کے خوف سے بھاگا پھرتا تھا اور تاتاری اس کے تعاقب میں تھے یہاں تک کہ ایک نامعلوم جزیرہ میں اس نے قضا کی۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر جیسا مورخ جس نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ دنیا کی تاریخ لکھی ہے اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا وہ لکھتا ہے

''یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پس و پیش میں رہا کہ اس کا ذکر کروں یا نہ کروں، اب بھی بڑے تردد و تکلف کے ساتھ اس کا ذکر کر رہا ہوں، واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا ہوا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسرا ہو جاتا لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا، پھر بھی مجھے تردد تھا لیکن میں نے دیکھا کہ نہ لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں، یہ وہ حادثہ عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے اگر کوئی شخص دعوٰی کرے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا، اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا اور شاید دنیا قیامت تک (یاجوج ماجوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے ان وحشیوں نے کسی پر رحم نہ کھایا انہوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو قتل کیا عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا'' اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ راجِعُونَ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِ الْعَظِیم '' یہ حادثہ عالمگیر و عالم آشوب تھا یہ ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم میں

Marfat.com

پھیل گیا"

"مرصادالعباد" کا مصنف جو اس تاتاری حملہ کا شاہد عینی ہے اور جس کا مولد رے اور مسکن ہمدان اس تاتاری غارت گری کے نذر ہو چکے تھے، لکھتا ہے:

"تاریخ شہور سنہ سبع وعشر وستمائۃ لشکر مخذول کفار تاتار "خذلھم اللہ و دمرھم" استیلا یافات برآں دیار وآں فتنہ وفساد وقتل وہدم وحرق کہ ازاں ملاعین ظاہر گشت در ہیچ عصر در زمان کفرو اسلام کس نشان نہ دادہ است، ودر ہیچ تاریخ نیامدہ قبل ازیں پیشتر چگونہ بود کہ از یک شہررے کہ مولدو منشائے ایں ضعیف است قیاس کردہ اند کمابیش ہفت صد ہزار آدمی بقتل آمدہ است واسیر گشتہ از شہروولایت وفتنہ وفساد آں ملاعین مخاذیل بر حملگی اسلام واسلامیاں ازاں زیارت است کہ در حیز عبارت گنجد وایں واقعہ از آں شائع تراست در جہاں کہ بشرح حاجت فتد واگر عیاذ اًباللہ غیرت وحمیت اسلام در نہاو ملوک وسلاطین نجنبد کہ عہدہ رعایت مسلمانی ومسلماناں در ذمہ ایشاں است کہ ـــــ "الا میرداع علی رعیتہ وھو مسول عنھم" وارتحیت ورجولیت دین دامن ایشاں نگیرو تا باتفاق جمعیتے کنند وکمر انقیاں فرمان "انفروا خفافا وثقالاو جاھدوا باموالکم و الفسکم فی سبیل اللہ" برمیاں جان بندند ونفس ومال وملک دردفع ایں فتنہ فدا کنند بوے آں ست آید کہ بیک بارگی مسلمانی برانداختہ شود واکثر بلاد اسلام بر افتاد ایں بقیت رانیز براندازند وجہاں کفر گیرد ونعوذ باللہ خوف وخطر آں ست کہ مسلمانی آں قدر راسے کہ ماندہ بود شومی معاملہما مدعیان بے معنی چناں برخیزد کہ نہ اہم ماند نہ رسم"

تنہا عالم اسلام نہیں اس وقت کی پوری متمدن دنیا تاتاریوں کے حملہ سے لرزہ براندام تھی، جہاں ان کے پہنچنے کے بہت کم امکانات تھے وہاں بھی دہشت پھیلی ہوئی تھی، گبن اپنی مشہور کتاب "تاریخ انحطاط وسقوط رومہ" میں لکھتا ہے۔

"سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی، ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے"

کیمبرج کی تاریخ عہد وسطیٰ" کے مصنفوں نے مغلوں کے اس شدید تصادم کو جس کا محرک چنگیز خاں ہوا، بڑی خوبی کے ساتھ ان الفاظ میں بیا کیا ہے:

'انسان کے طاقت سے باہر تھا کہ مغلوں کو روک سکیں، دشت وصحرا کے تمام خطروں پر وہ

Marfat.com

غالب آئے، پہاڑ، سمندر، موسمی سختیاں، قحط، وبائیں کوئی بھی ان کی راہ میں مزاحم نہ ہوسکا، کسی قسم کے خطروں کا انہیں خوف نہ تھا، کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاسکتا تھا اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی، یہاں میدان تاریخ میں یک نئی طاقت سے ہم کو واسطہ پڑتا ہے یہ طاقت اور زور ایسا تھا جس نے بہت سے ملکی اور سیاسی قضیوں کا چشم زدن میں فیصلہ کردیا اور انہیں اس طرح مٹادیا جیسے آسمان زمین پر گر کر سب چیزوں کو مٹادے، یہ ملکی اور سیاسی قضیے بھی ایسے تھے کہ اگر آفت نازل نہ ہوتی تو آگے چل کر یا تو کسی کے حل کئے وہ حل نہ ہوتے اور اگر جاری رہتے تو کبھی ختم ہونا نہ جانتے، تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے چنگیز خاں سے شروع ہوا اور اس کے پوتے قوبیلائی خاں پر ختم ہوگیا جس کے زمانہ میں مغلوں کو سالم اور بسیط سلطنت نے تقسیم وتفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کردیئے، ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی۔''

بغداد کی تباہی:

بالآخر یہ وحشی عالم اسلام کو زیروزبر کرتے، خون کے دریا بہاتے اور آگ لگاتے ۶۵۶ھ میں چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں دنیائے اسلام کے دارالخلافت اور اس عصر کے سب سے بڑے علمی مرکز اور متمدن شہر بغداد میں داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی تفصیل طویل اور بہت دردناک ہے کچھ اندازہ ان مورخین کے بیانات سے ہوگا جنہوں نے اس حادثہ کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کی تفصیلات دیکھنے والوں سے سنیں، مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''بغداد میں چالیس دن تک قتل وغارت کا بازار گرم رہا، چالیس دن کے بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پررونق ترین شہر تھا ویران وتاراج ہوگیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے، ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں بدبو پھیلی جس سے شہر کی ہوا خراب ہوگئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر شام تک پہنچا، اس ہوا اور وبا سے بکثرت مخلوق مری، گرانی وبا اور فنا، تینوں کا دور دورہ تھا''

شیخ تاج الدین السبکی لکھتے ہیں:

''ہلاکو خاں نے خلیفہ بغداد (مستعصم) کو ایک خیمہ میں اتارا اور وزیر ابن العلقمی نے علماء و اعیان شہر کو دعوت دی کہ خلیفہ اور ہلاکو کے صلحنامہ پر گواہ بنیں، وہ آئے تو ان سب کی گردن اڑادی گئی،

Marfat.com

اسی طرح ایک ایک گروہ یکے بعد دیگرے بلایا جاتا اور اس کی گردن اڑا دی جاتی، پھر خلیفہ کے معتمدین و مقربین کو بلایا گیا اور ان کو بھی قتل کر دیا گیا خلیفہ کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ اگر اس کا خون زمین پر گرا تو کوئی بڑی آفت آئے گی، ہلاکو کو تردد تھا، نصیر الدین طوسی نے کہا کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں خلیفہ کا خون نہ بہایا جائے بلکہ دوسری طرح اس کی جان لی جائے چنانچہ اس کو فرش میں لپیٹ دیا گیا اور ٹھوکروں اور لاتوں سے اس کو ختم کر دیا گیا۔''

بغداد میں ایک مہینہ سے زیادہ قتل عام جاری رہا اور صرف وہی بچ سکا جو چھپا رہا، کہا جاتا ہے کہ ہلاکو نے مقتولین کو شمار کرایا تو ۱۸ لاکھ مقتول شمار ہوئے۔

عیسائیوں کو حکم دیا گیا کہ علانیہ شراب پئیں اور سور کا گوشت کھائیں، اگرچہ رمضان کا زمانہ تھا مگر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ شرکت کریں، مسجدوں کے اندر شراب انڈیلی گئی اور اذان کی ممانعت کر دی گئی یہ وہ بغداد ہے جو (جب سے آباد ہوا) کبھی دار الکفر نہیں ہوا تھا، وہاں وہ واقعہ پیش آیا جو کبھی تاریخ میں پیش نہیں آیا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ا ص ۳۱۲ تا ۳۱۹)

مورخین نے بجا طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک ''یاجوج ماجوج کے علاوہ'' نہ اس سے بڑے فتنے کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی اس کی تلاش میں اپنے اوقات کا خون کرنا چاہیے، البتہ یہ بات قابل ستائش ہو گی کہ آنے والے فتنے کے بارے مستند معلومات حاصل کی جائیں، اس سے بچنے کی دعا اور اہتمام کیا جائے اور اپنی اولاد و متعلقین کو اس فتنے کی ہمہ گیری سے ڈراتے ہوئے آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کیا جائے۔

یاجوج ماجوج، ایک تعارف:

تاریخ انسانیت میں ''ابو البشر'' کا لقب صرف دو ہستیوں کو مل سکا اور ان میں بھی بہر حال اول و ثانی کی تفریق برقرار رکھی گئی ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ''ابو البشر اول'' اور حضرت نوح علیہ السلام کو ''ابو البشر ثانی'' کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کی ہمہ گیری کے بعد ''سفینہ نجات'' پر سوار ہو کر حفاظت خداوندی میں آنے کا سب سے بڑا ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام ہی تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹوں میں سے 'کنعان' تو اسی طوفان کا شکار ہو کر غضب خداوندی سے ہلاک ہوا اور ثابت کر گیا کہ جنت کا دارومدار حسب نسب پر نہیں ایمان واعمال صالحہ پر ہے، جبکہ باقی تین بیٹے نجات یافتہ ہو کر تین مختلف نسلوں کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنے۔ جن کو بعد میں درج ذیل ناموں سے یاد کیا گیا۔

Marfat.com

(۱) سام کو ''ابوالعرب'' کا خطاب ملا۔

(۲) حام ''ابوالسودان'' کے نام سے متعارف ہوئے۔

(۳) یافث ''ابوالترک'' کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

مورخر الذکر ''یافث'' ہی کی اولاد میں سے ''یاجوج ماجوج'' کا ہونا بھی بعض علماء کا موقف ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۰ پر مذکور ہے اور اتنی بات تو بہر حال طے ہے کہ ''یاجوج ماجوج'' کسی طاقت یا ماوراء عقل وطبیعیات ہستی کا نام نہیں بلکہ یہ بھی انسانوں کے دو گروہ ہیں جن کا نسبی تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے ''یافث'' سے جڑتا ہے۔

اس سلسلے میں کتاب مقدس تورات سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''نوح کے بیٹوں سم حام اور یافث کی اولاد یہ ہیں، طوفان کے بعد ان کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے، بنی یافت یہ ہیں جمر اور ماجوج اور مادی اور یادان اور توبل اور مسک اور تیراس''۔ (کتاب مقدس ص ۱۱ ج ا پیدائش: باب نمبر ۱۰، آیت نمبر ۱، ۲)

کتاب پیدائش کی اس عبارت میں صرف لفظ ''ماجوج'' کا ذکر ملتا ہے لیکن ''یاجوج'' کا ذکر یہاں نہیں ملتا، اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ کتب سابقہ اس کے ذکر سے ہی خالی ہیں بلکہ ''جوج'' کے لفظ سے اس کا تذکرہ بھی کتب سابقہ میں ملتا ہے جیسا کہ عنقریب اپنے مقام پر آئے گا۔

نیز کتاب پیدائش کی اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے اور یافث کے بیٹے تھے کیونکہ آگے ان کی اولاد در اولاد تک کا تذکرہ کتاب پیدائش میں خاصا تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور یہ کوئی غیر معروف بات نہیں کہ بانی قبیلہ کے نام پر قبیلہ کو منسوب کیا جائے چنانچہ اس کی واضح ترین مثال ''عاد وسبا'' ہے کہ ''عاد'' بھی ایک شخص کا نام تھا جس کی طرف پوری قوم اور قبیلے کو منسوب کر دیا گیا اسی طرح ''سبا'' بھی ایک شخص کا نام تھا، بعد میں اس کی طرف پوری قوم کی نسبت کر دی گئی اسی طرح یاجوج ماجوج بھی شخصی نام تھے جن کی طرف ان کی پوری قوم اور قبیلے کو منسوب کر دیا گیا اور ان کی قوم کو انہیں کے نام سے پکارا جانے لگا۔

لفظ یاجوج ماجوج کی حقیقت

گذشتہ تحریر اس بات کی غماز ہے کہ یاجوج ماجوج دو قبیلوں کا نام ہے جو اپنے بانی کی طرف منسوب ہیں، اب اس بات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ اتنے قدیم نام اپنی اصل سے بگڑتے بگڑتے ہی اس حال پر پہنچے ہوں گے جیسا کہ ہم

Marfat.com

دوسرے بہت سے الفاظ دیکھتے ہیں جو ابتداء میں ان حروف سے مرکب تھے جنہیں نیرنگئی زمانہ سے برقرار نہ رکھا جا سکا چنانچہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے مختلف الفاظ آتے ہیں جن کی بگڑی ہوئی صورت یا جوج ماجوج ہے۔

۱۔ موگ اور یوچی	۲۔ گاگ اور میگاگ
۳۔ منگولیا اور منچوریا	۴۔ کاس اور میکاس
۵۔ جین اور ماجین	۶۔ آقوق اور ماقوق
۷۔ گوگ اور ماگوگ	۸۔ غوغ اور ماغوغ
۹۔ کوک اور وکوک	

یاد رہنا چاہئے کہ ان میں سے اول الذکر چینی زبان میں استعمال ہونے کا نتیجہ ہے، ثانی الذکر یورپی زبانوں کی تعبیر ہے اور موخر الذکر ہندی زبان کی تعبیر ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ ہندی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

یاجوج ماجوج کا مصداق

مختلف تاریخی ادوار اور زمانے کی دستبرد کا شکار ہوتے ہوئے اس حال میں پہنچنے والے ان دونوں لفظوں کی اصل حقیقت تو سامنے آگئی، اب ہمیں اس نکتے پر غور کرنا ہے کہ یاجوج ماجوج کا مصداق کون سی قوم ہے؟ اور کس پر اس لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نیز یہ کہ کیا یہ قوم گذر چکی ہے یا ابھی اس نے آنا ہے؟

سو پہلے سوال کے جواب میں ہمارے سامنے حسب ذیل تفصیل آتی ہے۔

۱۔ اس قوم کو متعین کرنا یا اس لفظ کا مصداق متعین کرنا ایک ایسی بحث ہے جس کا سرا ملنا بہت مشکل ہے، کیونکہ جب ان کی جائے سکونت اور رہائش کا مقام ہی پردہ خفا میں ہے اور اس سلسلے میں مختلف آراء سامنے موجود ہیں تو پھر جزم اور یقین کے ساتھ کسی ایک پر ''یاجوج ماجوج'' کا لقب چسپاں کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔

۲۔ ماضی قریب کے بعض علماء نے اس کا مصداق منگولیا کے صحرا نورد وحشی قبائل کو قرار دیا ہے اور ان کے سلسلے کو مزید وسیع کرتے ہوئے تاتاریوں کو بھی ان میں ہی شامل کیا ہے اور تاتاری یورش کو اسی کا ایک شاخسانہ قرار دیا ہے ایسے علماء میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بہت نمایاں ہے، اسی طرح مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحب رحمہ اللہ بھی اسی رائے کے حامی و مؤید دکھائی دیتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ

Marfat.com

تاریخ اقوام کے حوالے سے اس مسلہ میں ان دونوں حضرات کا تجزیہ اتنا ملتا جلتا ہے کہ ایک لمحے کے لیے تو انسان چکرا کر رہ جاتا ہے کہ دوالگ الگ خصوصیات کی حامل شخصیات کی عبارتوں میں یہ کمال مطابقت؟ لیکن غور وفکر کے بعد مولف یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ ان دونوں حضرات کی تقریر دراصل ماخوذ ہے حضرت علامہ انورشاہ کاشمیری صاحب کی تقریر سے اور شاہ صاحبؒ کے اشادات بھی یہی رخ اختیار کررہے ہیں جو ان دونوں حضرات نے بہت وضاحت سے اپنے قارئین کے سامنے پیش کردیئے۔

اس موقع پر ناانصافی ہوگی اگر تاریخ اقوام کا ایک مختصر سا تجزیہ انہی دونوں حضرات کی تقریر سے اپنے الفاظ میں نقل نہ کیا جائے تاکہ ان حضرات کا ذہنی رجحان واضح ہوجائے لیکن اس سے پہلے چند ابتدائی امور ذہن نشین کرنا ضروری ہیں۔

۱۔ دنیا میں اس وقت جتنی بھی متمدن اقوام ہیں وہ شروع سے متمدن اور مہذب نہیں ہیں بلکہ ان پر ایک ایسا دور بھی گذرا ہے جس میں کوئی ان کے نام سے بھی آشنا نہ تھا مثلاً موجودہ یورپ اور امریکہ، اسی طرح موجودہ پاکستان کہ آج سے صرف ساٹھ سال پہلے روئے زمین پر ''پاکستان'' کے نام سے کوئی خطہ شناسا نہ تھا اور اب وہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے پر بضد ہے اور ہم بھی اس کی ترقی کے لئے کوشاں ودعا گو ہیں۔

۲۔ موجودہ تہذیب وتمدن سے پہلے ان اقوام کو دوسرے ناموں سے پکارا جانا کوئی امر مستبعد نہیں بلکہ ایک یقینی بات ہے۔

۳۔ موجودہ تہذیب وتمدن سے پہلے ان اقوام کو جن ناموں سے پکارا جاتا تھا عین ممکن ہے کہ وہ اس زمانے کی انتہائی بگڑی ہوئی سرکش اور متمرد قوم کا نام رہا ہو، لیکن تہذیب وتمدن کے اس جدید دور سے بہرہ مند ہونے کے بعد ان اقوام نے اپنے پیدائشی علاقے سے ترک وطن کرکے اس نسبت سے اپنا پیچھا چھڑالیا ہو اور اپنا کوئی دوسرا نام تجویز کرلیا ہو اور اپنی پرانی عادات وخصائل کو یک لخت ترک اور تبدیل کردیا ہو۔

ان تین نکات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد اب اس بات پر غور فرمایئے کہ دنیا میں جتنی بھی اقوام بستی ہیں ان تمام کا سرچشمہ اور مرکز جہاں سے یہ اقوام نکلیں، پھیلیں اور مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہوئیں، دو ہیں۔

۱۔ **حجاز:** یہ ان تمام اقوام کا مرکز اور سرچشمہ ہے جن کے نام کے ساتھ سامی النسل ہونے کا پیوند لگا

Marfat.com

ہے۔

۲۔ منگولیا یا چینی ترکستان: اسے کا کیشیا بھی کہا جاتا ہے۔ کا کیشیا کوہ قاف کا علاقہ ہے ترکستان کے اوپر ہے۔

حجاز سے نکلنے کے بعد جو اقوام مختلف علاقوں میں جا کر آباد ہوئیں ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ عاد اولی	۲۔ عاد ثانیہ	۳۔ جدیس
۴۔ طسم	۵۔ شاہان حمیر	۶۔ عمالقہ مصر
۷۔ شام	۸۔ عراق وغیرہ	

اور چینی ترکستان سے جو اقوام مختلف علاقوں میں جا کر سکونت پذیر ہوئیں انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ وسط ایشیا (ایران)	۲۔ یورپ (ہن وغیرہ)	
۳۔ ہندوستان (آرین)	۴۔ بحر اسود سوڈان	۵۔ رشین وغیرہ

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایران، یورپ اور ہندوستان وغیرہ علاقوں میں جتنے افراد و اقوام ایک معاشرتی زندگی کے بندھن سے وابستہ ہیں یہ تمام نہ سہی بہر حال ایک بڑی اکثریت کا کیشیا سے ترک وطن کر کے ان مختلف علاقوں میں آ کر سلسلہ بود و باش سے منسلک ہوئے ہیں اور ابتداء ان کی زندگی صحرا نورد وحشی قبائل والی تھی اب اگر اس کے ساتھ علامہ انور شاہ صاحبؒ کی عبارت کا یہ حصہ جوڑ دیا جائے تو بات نتیجہ خیز حد تک پہنچ جائے گی، وہ فرماتے ہیں۔

"ان رو سیامن یا جوج، واھل بریطانیامن ماجوج"۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۲۵)

"کہ روسیوں کا تعلق یاجوج سے ہے اور اہل برطانیہ ماجوج کی طرف منسوب ہیں" حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق کے بعد گو مجھ جیسے ناکارہ و ہیچ مدان کو اپنی حیثیت پہچان کر بات کرنی چاہیے لیکن اس موقع پر میں اپنی بات اپنے الفاظ سے زیادہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے شاگرد رشید حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ کے الفاظ میں زیادہ موثر پاتا ہوں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ "تاہم باوجود ان تمام صفاتی نشانیوں کے مجھے اعتراف کرنا ہے کہ قرآنی آیات کی روشنی ہم نام اور رسمی تعین کے ساتھ ان قوموں کو متعین نہیں کر سکتے جن کو قرآن نے یاجوج ماجوج کی بھیڑ میں داخل کیا ہے، مذکورہ بالا قرآنی آیتوں کو باہم پیوند کر کے دیکھنے کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایک ٹوپی ضرور

Marfat.com

تیار ہوگئی ہے اب یہ آپ کا اور ہمارا کام ہے کہ قوموں کے سروں پر رکھ کر دیکھیں کہ یہ ٹوپی ٹھیک کن سروں پر بیٹھ جاتی ہے، اس میں غیر قرآنی چیزوں سے کچھ مدد بھی اگر لی گئی تو ان کی حیثیت مغزی اور گوٹ کی ہے لیکن جوھری ٹکڑے صرف قرآن سے حاصل کیے گئے ہیں"۔ (دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال ص ۲۶۱)"

مولانا گیلانی کی اس عبارت سے حسب ذیل امور منقح ہو کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ یاجوج ماجوج کی رسمی تعیین کے باوجود ان کی حتمی تعیین ممکن نہیں۔

۲۔ مختلف اقوام پر ان صفات کو منطبق کر کے کوئی فیصلہ کرنا بھی ممکن ہے۔

۳۔ اس سلسلے میں دیگر تحریری و غیر تحریری مواد سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۴۔ اس سب کے باوجود اس کی حیثیت امکانی ہی ہوگی، یقینی نہیں۔

ان چار نکات کے بعد راقم الحروف عربی کا ایک مقولہ اپنے ذہن میں بار بار متوجہ پا رہا ہے یعنی "الولد سر لابیہ" کہ بیٹا اپنے باپ کا رازدان ہوتا ہے اس لئے حضرت گیلانی "جو حضرت شاہ صاحبؒ کے روحانی فرزند ارجمند ہیں" کی اس عبارت کی روشنی میں حضرت شاہ صاحبؒ کا منشاء اس گنہگار کو تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اولاً تو ہمیں ان اقوام کی تعیین کے درپے نہیں ہونا چاہئے اور اگر تحقیق کے میدان میں اس کی ضرورت پڑے تو پھر قرآن میں بیان کردہ صفات کی روشنی میں کوئی فیصلہ کرلیا جائے لیکن وہ قطعی پھر بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اس تمام تفصیل سے اس سوال کا جواب تو واضح ہوا ہی کہ یاجوج ماجوج کا مصداق کون سی اقوام ہیں؟ یہ بھی واضح ہوگیا کہ مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں یہ قوم ہمیشہ موجود رہی ہے البتہ یہ بات وضاحت طلب اور قابل غور رہ گئی ہے کہ کیا وہ صحرانورد وحشی جو کسی زمانے میں قرآنی اصطلاح کے مطابق یاجوج ماجوج کہلاتے تھے اب وہ یاجوج ماجوج نہیں کہلائیں گے؟ بلکہ ان کی جگہ یورپ اور روس و برطانیہ کے گورے انگریزوں نے لے لی ہے جو بربریت وسفاکیت میں وحشیوں سے کسی طرح بھی کم نہیں؟ تو اس سوال کا جواب نفی میں ہے کیونکہ متمدن علاقوں میں آکر آباد ہونے والی اقوام ان وحشی قبائل کا ایک معتدبہ حصہ ضرور تھیں لیکن وہ وحشی قبائل واقوام مکمل طور پر اپنے اصل علاقے کو ترک کر کے دیار غیر میں جا کر نہیں بس گئے تھے بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد ابھی اپنے سابقہ مستقر اور مرکز میں موجود ہے اس لئے ہم صرف یورپ و برطانیہ کے باشندوں پر یہ لقب چسپاں کر کے اصل صحرانورد وحشیوں کو اس لقب سے ماوراء قرار نہیں دے سکتے بلکہ اس کا حقیقی مصداق تو وہی ہیں البتہ مجازی طور پر

Marfat.com

مذکورہ اقوام پر بھی ان کا اطلاق شاہ صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔

قبائل یاجوج ماجوج:

یاجوج ماجوج بھی اسی طرح قبائلی تقسیم سے منسلک ہیں جس طرح دیگر مختلف علاقوں میں آباد لوگ قبائلی تقسیم کا حصہ ہیں مورخین و مفسرین کے مطابق ان کے بائیس قبیلے ہیں چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا، ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا وہ ترک ہیں''۔(معارف القرآن ج ۵ ص ۶۴۹)

مرتب: مفتی صاحب کی یہ تحریر بغیر کسی حوالہ کے ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ترک عربی زبان کا لفظ ہے اور یاجوج ماجوج اور ذوالقرنین میں سے کسی کی زبان عربی نہیں ہے بلکہ وہ تو ذوالقرنین کی زبان بھی نہیں جانتے۔

اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''اور بعض عرب مورخین نے تو ''ترک'' کی وجہ تسمیہ ہی یہ بیان کر دی کہ یہ وہ قبائل ہیں جو یاجوج ماجوج کے ہم نسل ہونے کے باوجود سد سے ورے آباد تھے اور اس لئے جب ذوالقرنین نے سد قائم کی اور ان کو اس میں شامل نہیں کیا تو اس چھوڑ دیئے جانے کی وجہ سے وہ ''ترک'' کہلائے۔(قصص القرآن سوم ص ۱۹۵)

مرتب: یاجوج ماجوج قرآنی بیان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی قبیلہ شکایت کنندہ قوم کی طرف نہیں رہا ہے۔

یاجوج ماجوج کتب سابقہ اور قرآن کریم کی روشنی میں:

یاجوج ماجوج کے اس اجمالی اور مختصر تعارف کے بعد ہم اپنے اس موضوع پر باضابطہ گفتگو شروع کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کا یہ اعلیٰ اور انتہائی اہم دستور و منشور بھی اس فتنے کے تذکرے سے خالی نہیں بلکہ اپنے پیروکاروں کی اس سلسلہ میں ایک جامع راہنمائی کا ضابطہ پیش کرتا ہے جسے سامنے رکھ کر اس مسئلے کی بہت سی کڑیوں کو حل اور بہت سی گتھیوں کو سلجھایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

قرآن کریم میں یاجوج ماجوج کا تذکرہ:

اس سلسلے میں ہم اپنے قارئین کے سامنے سورۂ کہف مبارکہ کے آخر سے پہلے والے رکوع کا مکمل ترجمہ شروع کتاب میں پیش کر چکے ہیں تاکہ اس سلسلے کی تمام مباحث پر ایک اجمالی اور سرسری نظر گذر جائے۔

قرآن کریم کے اس اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ اس علاقے کے لوگوں نے ''یاجوج ماجوج'' کے فساد برپا کرنے اور تنگ کرنے کی شکایت ذوالقرنین سے کی۔ جو بظاہر یاجوج ماجوج سے نہیں تھے۔

۲۔ ان لوگوں نے ''ذوالقرنین'' سے ایک رکاوٹ اور سد بنانے کی درخواست کی اور اس پر انہیں مزدوری واجرت یا ٹیکس واجب الاداء کی بھی پیشکش کی۔

۳۔ ذوالقرنین نے اس پیشکش کو عمدہ طریقے سے رد کر کے انکی درخواست قبول کر لی۔

۴۔ ذوالقرنین نے ان سے لوہے کی چادریں منگوا کر انہیں دیوار کی طرح جوڑا اور آگ کی بھٹیاں لگا کر انہیں خوب دھونکا گیا۔

۵۔ ذوالقرنین نے لوہے کی دیوار قائم کرنے کے بعد اس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلا تاکہ وہ اچھی طرح مضبوط اور ناقابل تسخیر ہو جائے۔

۶۔ اس مضبوط دیوار کے تعمیر ہو چکنے کے بعد ذوالقرنین نے بارگاہ خداوندی میں حمد وشکر کا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

۷۔ ذوالقرنین نے ''وعدرب'' آنے تک اس دیوار کے قائم رہنے کا اندازہ لگایا۔

۸۔ اس دیوار کے بن جانے کے بعد وہ لوگ ان کے فسادات اور حملوں سے محفوظ ہو گئے۔

یہ نکات وہ ہیں جو عبارت قرآنی میں بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہیں اور ان کے اثبات کے لئے کسی قسم کی دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس عبارت کے بعد قارئین کرام کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوئے ہوں گے کہ

۱۔ ذوالقرنین کون تھا؟

۲۔ اس کا تیسرا سفر کس سمت اور کس علاقے میں ہوا؟ اور اس کی تعمیر کردہ دیوار کیا اب بھی موجود ہے؟

۳۔ اگر اس کی تعمیر کردہ دیوار اب بھی موجود ہے تو کہاں ہے؟

Marfat.com

ان تینوں سوالوں کے جواب کے لئے قارئین کو انتظار کی مشقت سے گذرنا پڑے گا کیونکہ مصنف اس مقام پر قرآن کریم اور کتب سابقہ میں ''یاجوج ماجوج'' کا تذکرہ اپنا عنوان بنا چکا ہے اس لئے مذکورہ سوالوں کے جواب کا وعدہ کر کے مصنف دوسرا حوالہ پیش کرتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔

☆☆☆

''اور جس بستی کو ہم نے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا، ان کے لئے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ وہ لوٹ کر واپس نہیں آسکتے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے اور وہ ہر بلندی پر سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے''۔ (الانبیا آیت ۹۵۔۹۶)

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں سے حسب ذیل وضاحت ہمارے سامنے آتی ہے۔

۱۔ ہلاک شدہ اقوام کو دنیا میں دوبارہ نہیں بھیجا جائے گا۔

۲۔ یاجوج ماجوج کو آزاد کر دیا جائے گا (گویا کہ وہ ابھی تک کسی محدود علاقوں میں بودوباش پر اکتفا کیے ہوئے ہیں)۔

۳۔ وہ اونچے مقامات (پہاڑوں) سے نیچے اترتے ہوئے محسوس ہونگے۔

۴۔ کثرت کے باعث وہ پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔

نوٹ مرتب:۔ فتحت کا مفہوم اگر آزاد کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جغرافیاتی عدم معلومات کی بنا پر ان کی آبادیاں کسی محدود علاقے تک ہی محدود ہوں اور اس وقت وہ ان سے باہر نکل آئیں یہاں یہ امر بھی غور طلب ہو سکتا ہے کہ کیا صلیبی جنگوں۔ جنگ عظیم اول و دوم کو فتحت کے مفہوم میں لیا جا سکتا ہے۔

اور اگر فتحت کو قرب قیامت سے جوڑا جائے اور مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے روسی اور برطانیہ کے افراد کو یاجوج ماجوج تسلیم کر لیا جائے اور حدیث حضرت امام مہدی علیہ السلام سے عیسائیوں کی اس جنگ پر غور کیا جائے جس میں عیسائیوں کے ستر لشکر شریک ہونگے تو کیا اس جنگ کو یاجوج ماجوج کے خروج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس پر بھی علماء توجہ فرمالیں۔

ان نکات کو ذہن میں رکھ کر کہ آگے انکی تفصیل آئے گی اس بات پر غور فرمایئے کہ قرآن کریم نے اپنے طرز بیان میں فتنے کی طرف جس خوبصورتی سے اشارہ فرمایا ہے وہ اسی کا حصہ ہے، اختصار اتنا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں جامع اتنا کہ تمام پہلوؤں سے کچھ نہ کچھ لیکر ایک مستند دستاویز تیار کر دی گئی۔ ۲، ۳، ۴ سے مراد قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کی یکبارگی موت اور پھر روز محشر میں ان کا دوبارہ زندہ مراد لینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

عہد نامہ عتیق میں یاجوج ماجوج کا ذکر:

عہد نامہ عتیق اہل کتاب کی ایک مذہبی کتاب کی اصطلاح ہے، دراصل اس وقت اہل کتاب کے پاس جتنی بھی کتابیں اور صحیفے ہیں انہیں دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور آپکے شاگردوں کے خطوط۔

اول الذکر حصہ کو عہد نامہ عتیق یا قدیم کہا جاتا ہے اور موخر الذکر عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے عہد نامہ عتیق میں ۳۹ کتابیں اور صحیفے ہیں جبکہ عہد نامہ جدید میں چار انجیلوں کے علاوہ اکیس خطوط، سفر اعمال اور یوحنا عارف کا مکاشفہ ملا کر کل ۲۷ چیزیں شامل ہیں۔

عہد نامہ عتیق میں ۲۶ ویں نمبر پر ایک کتاب ''حزقی ایل'' کے نام سے ۴۸ ابواب پر مشتمل موجود ہے جس میں سے مصنف اس موقع پر باب نمبر ۳۸ کی عبارت قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے، ملاحظہ ہو۔

''اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد! جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبل کا فرماواں ہے متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر اور کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج! روش اور مسک اور توبل کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے پھرادوں گا تیرے جبڑوں میں آنکڑے ڈال کر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب مسلح لشکر ہیں جو پھریاں اور سپریں لئے ہیں اور سب کے سب تیغ زن ہیں کھینچ نکالوں گا اور ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط جو سب کے سب سپر بردار اور خود پوش ہیں۔ جمر اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی دور اطراف کے اہل تجرمہ اور ان کا تمام لشکر یعنی بہت سے لوگ جو تیرے ساتھ ہیں تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر، تو اور تیری تمام جماعت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو ان کا پیشوا ہو اور بہت دنوں کے بعد تو یاد کیا جائے گا اور آخری برسوں میں اس سرزمین پر جو تلوار کے غلبہ سے چھڑائی گئی ہے اور جس کے لوگ بہت سی قوموں کے درمیان سے فراہم کئے گئے ہیں، اسرائیل کے پہاڑوں پر جو قدیم سے ویران تھے چڑھ آئے گا۔ لیکن وہ تمام اقوام سے آزاد ہے اور وہ سب کے سب امن وامان سے سکونت کرینگے، تو چڑھائی کرے گا اور آندھی کی طرح آئے گا۔۔۔۔

اس لئے اے آدم زاد! نبوت کر اور جوج سے کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ جب میری امت اسرائیل امن سے بسے گی کیا تجھے خبر نہ ہوگی اور تو اپنی جگہ سے شمال کی دور اطراف سے آئے گا تو اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوں گے ایک بڑی فوج اور بھاری لشکر

Marfat.com

لیکر تو میری امت اسرائیل کے مقابلہ کو نکلے گا اور زمین کو بادل کی طرح چھپا لے گا، یہ آخری دنوں میں ہوگا اور میں تجھے اپنی سرزمین پر چڑھا لاؤں گا تا کہ قومیں مجھے جانیں جس وقت میں اے جوج ان کی آنکھوں کے سامنے تجھ سے اپنی تقدیس کراؤں خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ کیا تو وہی نہیں ہے جس کی بابت میں نے قدیم زمانے میں اپنے خدمت گذار اسرائیلی نبیوں کی معرفت جنہوں نے ان ایام میں سالہا سال تک نبوت کی، فرمایا تھا کہ میں تجھے ان پر چڑھا لاؤں گا؟ اور یوں ہوگا کہ ان ایام میں جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کرے گا تو میرا قہر میرے چہرے سے نمایاں ہوگا، خداوند خدا فرماتا ہے کہ کیونکہ میں نے اپنی غیرت اور آتش قہر میں فرمایا کہ یقیناً اس روز اسرائیل کی سرزمین میں سخت زلزلہ آئے گا یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے پرندے اور میدان کے چرندے اور سب کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے پھرتے ہیں اور تمام انسان جو روئے زمین پر ہیں، میرے حضور تھرتھر آئیں گے اور پہاڑ گر پڑیں گے اور کراڑے بیٹھ جائیں گے اور ہر ایک دیوار زمین پر بیٹھ جائے گی اور میں نے اپنے سب پہاڑوں سے اس پر تلوار طلب کروں گا خداوند خدا فرماتا ہے اور ہر ایک انسان کی تلوار اس کے بھائی پر چلے گی اور میں وبا بھیج کر اور خونریزی کر کے اسے سزا دوں گا اور اس پر اس کے لشکروں اور ان بہت سے لوگوں پر جو اس کے ساتھ ہیں شدت کا مینہ اور بڑے بڑے اولے اور آگ اور گندھک برساؤں گا اور اپنی بزرگی اور اپنی تقدیس کراؤں گا اور بہت سی قوموں کی نظروں میں مشہور ہوں گا اور وہ جانیں گے کہ خداوند میں ہوں" (کتاب مقدس ج ۱ ص ۸۱۷ حزقی ایل: باب نمبر ۳۸ مکمل)

اس سلسلے کی تیسری عبارت جس میں کتاب مقدس کے حوالے سے یاجوج ماجوج کا تذکرہ ملتا ہے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

"اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور ان قوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہوں گی یعنی جوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گی اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا اور وہ رات دن ابد الآباد عذاب میں رہیں گے" (کتاب مقدس ج ۲ ص ۲۵۷: مکاشفہ: باب نمبر ۲۰: آیت نمبر ۷ تا ۱۰)

Marfat.com

رگ وید میں یاجوج ماجوج کا تذکرہ:

ہندومت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں شمار ہوتا ہے گوکہ اس کی تاریخ تو بہت پرانی ہے لیکن اس کا کوئی حصہ بھی محفوظ یا قابل اعتماد نہیں اس مذہب کی مشہور مذہبی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب ''رگ وید'' بھی ہے اس سلسلے میں ہمیں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے رگ وید کی ایک عبارت قارئین کے سامنے پیش کرنی ہے جو انہوں نے مقدمہ تفسیر غایۃ البرہان ص ۳۰۲ سے لی ہے، ملاحظہ ہو۔

''رگ وید میں رچا ۲۲ سکتہ ۴ منڈل ۷ کا ایک دعائی فقرہ ہے کہ،

اے مالک! ہماری عبادت گاہوں کو ''کوک'' کی کھنڈت سے بچا'' اس میں تو صرف کوک کا ذکر ہے لیکن ''کلکی پران'' کے نام سے جو کتاب ہندوؤں کے یہاں پائی جاتی ہے اس میں کوک کے ساتھ ''وکوک'' کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی کہ ان کے رتھ (سواری) کا رنگ کالا ہوگا اور چھچھوندر، کتے، گدھے وغیرہ کی آواز اس سے نکلے گی اور انکی آنکھیں کنجی ہوں گی'' (دجالی فتنہ کے نمایاں خط وخال: حاشیہ ص ۲۵۲)

خلاصہ کلام یہ کہ فتنہ یاجوج ماجوج انتہائی غیر معمولی ہوگا جس سے حفاظت کے لئے ہندومت جیسے شرک سے بھرپور مذہب میں بھی دعائیہ کلمات سکھائے گئے ہیں اور دیگر آسمانی کتابوں کے ساتھ ساتھ خود قرآن کریم بھی اس کے تذکرے سے خالی نہیں۔

ذوالقرنین کون تھا؟

مصنف کو اپنا وہ وعدہ یاد ہے جو اس سے قبل وہ اپنے قارئین سے کر چکا ہے اور اس کے تحت اس تین سوالوں کا جواب دینا ہے جن میں سب سے پہلا ذوالقرنین کے تعین سے متعلق تھا اس سلسلے میں ہمارے سامنے بہت سے اقوال میں سے تین قول ایسے ہیں جن کے قارئین کی ایک بڑی تعداد آج بھی موجود ہے۔

۱۔ ذوالقرنین سے مراد وہ سکندر ذوالقرنین ہے جس کے نام پر ''سکندریہ'' آباد ہے اور اس کا نام ''یونانی مقدونی'' کی قید سے مقید ہے۔

۲۔ ذوالقرنین سے سکندر یونانی مراد نہیں بلکہ اس نام کا ایک دوسرا بادشاہ مراد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں گذرا ہے۔

۳۔ ذوالقرنین سے مراد سائرس ہے جسے ''کے خسرو'' بھی کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

ان میں سے پہلا قول جن مفسرین کی طرف منسوب ہے ان میں سب سے اہم نام امام رازیؒ ابن جریر طبریؒ اور علامہ آلوسیؒ کا ہے چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں اس قول کو اختیار کیا ہے لیکن بعد کے تقریباً تمام مفسرین نے ان کی تغلیط کی ہے اور اسے علامہ آلوسیؒ، رازیؒ اور طبریؒ کا سہو قرار دیا ہے۔

دوسرا قول اسلاف میں سے اکثر کا اختیار کردہ ہے بعد کے بہت سے مصنفین نے اسی قول کو حرف تحقیق سمجھا ہے جبکہ تیسرا قول بنیادی طور پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے جس کی مزید تنقیح مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں کی ہے۔

گو کہ ہمارے سامنے اس وقت مولانا آزاد کی کتاب ''اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج'' بھی موجود ہے لیکن ذوالقرنین کی تعیین کے اس مسئلے کو ہم مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی کتاب قصص القرآن سے نقل کر رہے ہیں کیونکہ مولانا آزاد کی نسبت حضرت سیوہارویؒ نے پہلے قول کی تردید میں بہت مضبوط اور مفصل کلام کیا ہے (قصص القران کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں)۔

اس کے بعد حضرت سیوہارویؒ نے تاریخی اور تحقیقی طور پر مفصل گفتگو فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دینا صحیح نہیں۔

ذوالقرنین کا اصل مصداق اور اس پر تبصرہ:

مولانا آزاد مرحوم اور ان کی اتباع میں حضرت سیوہارویؒ کی رائے کے مطابق ذوالقرنین کا اصل مصداق ''سائرس'' ہے جسے کتاب مقدس میں ''خورس'' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اسی لئے یہودیوں کے یہاں ذوالقرنین ''خورس'' کے نام سے، یونان میں ''سائرس'' کے نام سے، فارس میں ''گورش'' کے نام سے اور عرب میں ''کے خسروٗ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس سلسلے میں مذکورہ دونوں حضرات کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ذوالقرنین کے متعلق سوال بنیادی طور پر یہودیوں نے اٹھایا تھا اس لئے اسے یہودیوں کے یہاں ''تقدس'' کا مقام حاصل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

۲۔ سائرس یہودیوں کے لئے ایک نجات دہندہ تھا جس نے انہیں بابل کی قید سے نجات دلائی۔

۳۔ سائرس نیک سیرت اور مرد مومن تھا۔

Marfat.com

۴۔ سائرس کو اپنی زندگی میں تین اہم سفر بھی پیش آئے اور اس نے سد یاجوج ماجوج تعمیر کی۔

۵۔ سائرس اس وقت کے اہم ترین مذہب زرتشت کی تعلیمات پر عمل پیرا تھا اور سائرس کی شخصیت کو سنوارنے میں زرتشت کا بنیادی کردار رہا ہے۔

اس سلسلے میں فیصلہ کن قول کیا ہے؟ سو وہ ماضی قریب کی معروف شخصیت ''حضرت تھانوی'' کی وہ تحریر ہے جو حضرت نے بیان القران میں تحریر فرمائی ہے اور اس پر شرح صدر اور اطمینان قلبی کا حصول بھی مجرب ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''اور جاننا چاہئے کہ مصنفین و مولفین نے اس سد یاجوج و ماجوج کی تعیین کے متعلق اپنے اپنے مقالات و خیالات جمع کئے ہیں اور اس کے مصداق میں اپنی اپنی کہی ہے لیکن قران و حدیث میں جو اس کے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بانی کوئی بندہ مقبول ہے، دوسرے یہ کہ وہ جلیل القدر بادشاہ ہے، تیسرے یہ کہ وہ دیوار آہنی ہے، چوتھے یہ کہ اس کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہیں، پانچویں یہ کہ اس دیوار کے اس طرف جو یاجوج و ماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکتے، چھٹے یہ کہ حضور علیہ السلام کے وقت میں اس میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے، ساتویں یہ کہ وہ لوگ ہر روز اس کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ باذنہ تعالیٰ ویسی ہی دبیز ہو جاتی ہے اور قرب قیامت میں جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آر پار کر دیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دبیز نہ ہو گی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکل پڑیں گے، آٹھویں یہ کہ یاجوج و ماجوج کی قوت باجود آدمی ہونے کے آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور عدد میں بھی بہت زیادہ ہیں، نویں یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوحی الٰہی خاص خاص لوگوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جاویں گے، دسویں یہ کہ وہ دفعتہً غیر معمولی موت سے مرجاویں گے اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں پس جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے اپنی رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا پس وہ خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تلاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے۔'' (بیان القران)

نوٹ مرتب: چھٹے حصہ کی بات حدیث ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ قران کے بیان کے خلاف ہے۔ اور ساتواں حصہ بھی درایت پر پورا نہیں اترتا ہے۔

Marfat.com

راہ سفر کی تعیین:

دوسرا سوال جو اس موقع پر زیر بحث ہے وہ یہ کہ قرآن کریم نے "ذوالقرنین" کے دو سفر ایسے بتائے جن میں جگہ متعین تھی کہ ایک سفر مشرق کی طرف ہوا اور دوسرا مغرب کی طرف لیکن تیسرے سفر کی سمت قرآن کریم نے متعین نہیں کی، سوال یہ ہے کہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر کس رخ پر ہوا؟ شمال کی طرف یا جنوب کی طرف؟

تو اس سلسلے میں شاید مفسرین کرام کی دو رائیں نہ ہوں کہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر شمال کی طرف ہوا کیونکہ جنوب میں آبادی بھی کچھ زیادہ نہیں اور تاریخی شہادتوں نے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس تیسرے سفر کا رخ شمال کی جانب تھا چنانچہ "فوائد عثمانی" (تفسیر عثمانی) میں یہی لکھا ہے۔

سد ذوالقرنین کا محل وقوع:

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے اتنی بات تو صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کی تاخت و تاراج سے بچاؤ کے لئے ایک دیوار قائم کی تھی جس میں اہل علاقہ نے انفرادی طور پر وسائل کے ساتھ ذوالقرنین کا ہاتھ بٹایا تھا لیکن قرآن و حدیث اس مسئلے کی تحقیق کو اپنا موضوع بناتے کہ جغرافیائی طور پر بھی اس دیوار کی تعیین کی جائے کہ وہ کہاں اور کس سمت میں واقع ہے؟ اس لئے اس موقع پر سب سے پہلے تو اپنے ذہن میں اس بات کو راسخ کر لینا چاہئے کہ یہ عقیدہ کے مسائل میں سے نہیں بلکہ جغرافیائی مسائل میں سے ہے۔

پھر اس بات کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ قرآن کریم نے اس دیوار کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ سیاح اور ماہرین جس دیوار میں وہ صفات موجود پائیں، اسی دیوار کو "سد ذوالقرنین" قرار دینا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ یہی وہ دیوار ہے جو ذوالقرنین نے تعمیر کی تھی اس اعتبار سے ہمیں سب سے پہلے اس دیوار کی ہیئت کذائی کو قرآن کریم کی مدد سے معلوم کرنا چاہئے چنانچہ قرآن کریم سے اس مضمون کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اس کے بعد ذوالقرنین نے ایک اور مہم کی تیاری کی (پھر سفر پر روانہ ہو گیا) حتیٰ کہ جب وہ دو "دروں" کے درمیان پہنچا تو ان دونوں کے ورے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو کوئی بات نہ سمجھ پاتی تھی۔ انہوں نے (اشارہ یا ترجمان کے ذریعے ذوالقرنین سے) کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج زمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا (ایسا ممکن ہے کہ) ہم آپ کے لئے کوئی اجرت (یا ٹیکس واجب الاداء)

Marfat.com

مقرر کردیں تا کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک ''سد'' قائم کردیں، ذوالقرنین نے کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے جو حکومت عطا فرما رکھی ہے وہ سب سے بہتر ہے اس لئے افرادی قوت سے تم میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ قائم کردوں گا، میرے پاس لوہے کی چادریں لیکر آؤ، جب دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر کردی تو حکم دیا کہ (بھٹیاں لگا کر) اسے دھونکو جب وہ لوہا آگ کی طرح ہو گیا تو حکم دیا کہ اس پر انڈیلنے کے لئے پگھلا ہوا تانبہ لاؤ'' (الکہف:۹۳ تا ۹۶)

قرآن کریم کی ان آیات کا ترجمہ پڑھنے سے مندرجہ ذیل امور منقح ہوتے ہیں۔

۱۔ ذوالقرنین کا تیسرا سفر ایک ایسی جگہ پہنچ کر ختم ہوا جہاں ایک پہاڑی درہ موجود تھا۔

۲۔ اس درہ کی دونوں جانب مختلف اقوام آباد تھیں اور پچھلی جانب کی وحشی اقوام اگلی جانب آکر فساد برپا کیا کرتی تھیں۔

۳۔ ان دونوں پہاڑی دروں کو بند کرنے سے پچھلی جانب آباد وحشی اقوام کے حملوں سے حفاظت ہونے کا یقین غالب تھا۔

۴۔ ذوالقرنین نے اس پہاڑی درہ کو بند کرنے کے لئے سب سے پہلے لوہے کی چادریں منگوائیں۔

۵۔ لوہے کی ان چادروں کی مدد سے ہی ذوالقرنین نے لوہے کی ایک دیوار تعمیر کی۔

۶۔ جب درہ بند ہو گیا اور لوہے کی وہ دیوار پہاڑ کی چوٹی سے باتیں کرنے لگی تو ذوالقرنین کے حکم سے اس دیوار کو آگ سے خوب اچھی طرح دھونکا گیا۔

۷۔ پھر لوہے کی اس گرم دیوار پر پگھلا ہوا تانبہ یا سیسہ ڈالا گیا تا کہ وہ خوب مضبوط ہو جائے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر مکمل ہو جائے۔

ان نکات سبعہ کو اپنے ذہن میں مستحضر رکھ کر اب اس حقیقت پر غور فرمایئے کہ اس وقت دنیا میں بہت سی ایسی دیواریں موجود ہیں جنہیں ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار قرار دیا جا رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے مزاج کے مطابق اس کا محل وقوع متعین کر رہا ہے اس لئے یہاں سب سے پہلے قصص القرآن سے ان دیوار کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا جن کے بارے سد ذوالقرنین ہونے کا امکان موجود ہے پھر راجح قول اور اس کی وجوہ ترجیح ذکر کی جائیں گی چنانچہ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں۔

Marfat.com

''تعیین سد سے پہلے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ یاجوج وماجوج کی تاخت وتاراج اور شروفساد کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ایک طرف ''کاکیشیا'' کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم سے نالاں تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ان کی شمالی دستبرد سے محفوظ نہ تھے اس لئے صرف ایک ہی غرض کے لئے یعنی قبائل یاجوج وماجوج کے شروفساد اور لوٹ مار سے بچنے کے لئے مختلف تاریخی زمانوں میں متعدد ''سد'' تعمیر کی گئیں ان میں سے ایک ''سد'' وہ ہے جو ''دیوار چین'' کے نام سے مشہور ہے یہ دیوار تقریباً ڈیڑھ ہزار میل طویل ہے اس دیوار کو منگولی ''اتکورہ'' کہتے ہیں اور ترکی میں اس کا نام ''بوقورقہ'' ہے۔

دوسری سد وسط ایشیاء میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام دربند ہے یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے ندیم خاص سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاچو نے بھی اپنے سفر نامہ کیا ہے یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور صاحب قران کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس جگہ سے گذرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سد موصل کے اس راستے پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے۔ (جواہر القرآن ج ۹ ص ۱۹۸)

تیسری ''سد'' روسی علاقہ ''داغستان'' میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مورخین اس کو ''الباب'' بھی لکھ دیتے ہیں یاقوت حموی نے معجم البلدان، ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے۔

''داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) غربی کے کنارے واقع ہے اس کا عرض البلد ۳-۴۳ شمالاً اور طول البلد ۱۵-۴۸ شرقاً ہے اور اس کو دربند انوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے اور اس کے اطراف وجوانب کو قدیم زمانہ سے چہار دیوار گھیرے ہوئے ہیں جن کو قدیم مورخین ابواب البانیہ کہتے آئے ہیں اور اب یہ خستہ حالت میں ہے اور اس کو باب الحدید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی سد کی دیواروں میں لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے'' (دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۶۵۱، معجم البلدان ج ۸ ص ۹)

اور جب اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشاء کے اندرونی حصوں میں بڑھتے ہیں تو ایک درہ ملتا ہے جو ''درہ داریال'' کے نام سے مشہور ہے اور یہ کاکیشیا کے بہت بلند حصوں سے

Marfat.com

گذرا ہے یہاں ایک چوتھی سد ہے جو ''قفقاز'' یا جبل قوقایا جبل قاف کی سد کہلاتی اور یہ سد دو پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے، بستانی اس کے متعلق لکھتا ہے۔

''اور اس کے قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے، غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا، بعض نے اس کی نسبت سکندر کی طرف کر دی اور بعض نے کسریٰ ونوشیرواں کی جانب اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تیار کی گئی ہے'' (دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۶۵۲)

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی ''دربند'' کے مقالہ میں اس آہنی دیوار کا حال قریب قریب اسی کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ سب دیوارں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد کے تعین میں سخت اشکال پیدا ہو گیا ہے اور اسی لئے ہم مورخین میں اس مقام پر سخت اختلاف پاتے ہیں اور اس اختلاف نے ایک دلچسپ صورت اختیار کر لی ہے اس لئے کہ دربند کے نام سے دو مقامات کا ذکر آتا ہے اور دونوں مقامات میں سد یا دیوار بھی موجود ہے اور غرض بناء بھی ایک ہی نظر آتی ہے'' (قصص القرآن حصہ سوم ص ۱۹۵ تا ص ۱۹۷)

اس کے بعد ص ۲۰۲ پر سد ذوالقرنین کا محل وقوع متعین کرتے ہوئے حضرت سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں۔

''سد ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے دو باتیں صاف بیان کی ہیں، ایک یہ کہ وہ سد دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کی گئی ہے اور اس نے پہاڑوں کے درمیان اس ''درہ'' کو بند کر دیا ہے جہاں سے ہو کر یاجوج ماجوج اس جانب کے بسنے والوں کو تنگ کرتے تھے۔

''حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ''

''یہاں تک کہ جب ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو ان دونوں کے اس طرف ایک ایسی قوم کو پایا جن کی بات وہ پوری طرح نہیں سمجھتا تھا وہ کہنے لگے اے ذوالقرنین! بلاشبہ یاجوج ماجوج اس سرزمین میں فساد مچاتے ہیں''

دوسرے یہ کہ وہ سد چونے یا اینٹ گارے سے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ لوہے کے ٹکڑوں سے تیار کی گئی ہے جس میں تانبا پگھلا ہوا شامل کیا گیا تھا۔

Marfat.com

''اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِيْ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا''

''میں تمہارے اور ان کے (یاجوج وماجوج کے) درمیان ایک موٹی دیوار قائم کردوں گا تم میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لیکر آؤ یہاں تک کہ پہاڑ کی دونوں پھانکوں (چوٹیوں) کے درمیان جب دیوار کو برابر کر دیا تو اس نے کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب دھونک کر اس کو آگ کر دیا کہا لاؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ کہ اس پر ڈالوں''

قرآن عزیز کی بتائی ہوئی ان دونوں صفات کو سامنے رکھ کر اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ بغیر کسی تاویل کے ان کا مصداق کون سی ''سد'' ہوسکتی ہے اور کس سد پر یہ صفات ٹھیک صادق آتی ہیں۔

سب سے پہلے ہم سد پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو دربند (حصار) میں واقع ہے اس سد کے حالات ساتویں صدی کے ایک چینی سیاح نے ہی نہیں بیان کئے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں شاہ روم کے جرمنی مصاحب سیلا برجر اور ہسپانوی سفیر کلا مجو نے بھی پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں آہنی پھاٹک لگے ہوئے ہیں مگر مورخین یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ سد (دیوار) پتھر اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے اور آہنی دروازوں کے علاوہ دیوار کسی بھی جگہ لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی نہیں ہے اور لوہے کے پھاٹکوں کی وجہ سے اس کو بھی اسی طرح ''وہ آہنی'' کہتے ہیں جس طرح دربند (بحر قزوین) کو درہ آہنی کہا جاتا ہے۔

نیز یہ دیوار جس طرح پہاڑوں کے درمیان میں چلی گئی ہے اسی طرح اس کا ایک حصہ سطح زمین پر بھی بنایا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف دو پہاڑوں کی پھانکوں (چوٹیوں) کے درمیان ہی میں قائم کی گئی ہو، پس اس دیوار کو ''سد ذوالقرنین'' کہنا قرآنی تصریحات کے قطعاً خلاف ہے اور غالباً اسی وجہ سے کسی ایک مورخ نے بھی (جو کہ) دربند حصار اور دربند بحر قزوین کے درمیان امتیاز کرسکے ہیں اس دیوار (سد) کو سد ذوالقرنین یا سد سکندری نہیں کہا''

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

''اس کے بعد دوسرا نمبر دربند (بحر قزوین) کی دیوار (سد) کو زیر بحث لانے کا ہے اس کے متعلق یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کو عرب باب الابواب اور الباب کہتے ہیں اور اہل فارس دربند اور درہ آہنی نام رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بڑی کثرت سے مورخین اس دربند کی دیوار (سد) کو ''سد سکندری'' کہتے چلے آئے ہیں مگر محققین یہ بھی کہتے چلے آئے ہیں کہ بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہے

Marfat.com

البتہ اس کو سد سکندری بھی کہہ دیتے ہیں اور ''کاکیشین دال'' (کاکیشیا کی دیوار) اعر ''دیوار نوشیرواں'' بھی۔

لیکن ہم اس بحث کو موخر کرتے ہوئے کہ اس کے متعلق یہ اضطراب بیانی کیوں ہے؟ اس سد کو سد ذوالقرنین جب ہی مان سکتے ہیں کہ یہ قرآن عزیز کے بیان کردہ ہر دو صفات کے مطابق پوری اترے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اس دیوار کے عرض وطول اور اس کے حجم کی تفصیلات دیتے ہوئے تمام مورخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس دیوار کا بھی بہت بڑا حصہ سطح زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اور آگے بڑھ کر پہاڑ پر بھی بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں کہ اگر چہ یہ دیوار بعض جگہ دہری بھی ہے اور اس میں متعدد لوہے کے پھاٹک بھی ہیں جن میں سے بعض بعض پہاڑوں کے درمیان قائم ہیں اور پہاڑوں پر اس کے استحکامات بھی بہت ہیں تاہم یہ دیوار لوہے کے ٹکڑوں اور تانبے سے نہیں بنائی گئی بلکہ عام دیواروں کی طرح پتھر اور چونہ ہی سے بنائی گئی ہے پس اس کا بانی کوئی شخص بھی ہو اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہنا کسی طرح صحیح نہیں''

اس سے آگے کی کہانی امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی زبانی سینے لیکن یہ یاد رہے کہ مولانا مرحوم ''سائرس'' کو ہی ذوالقرنین قرار دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے انہوں نے اپنی عنان تحقیق کو موڑا ہے، فرماتے ہیں۔

''اب ہمیں معلوم بنا چاہئے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہئے؟ بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر ''دربند'' آباد ہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض وطویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی جاتی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بلند کر دیا ہے اور دوسری طرف پہاڑ کا وہ تمام حصہ بھی روک دیا ہے جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔

ساحل کی طرف یہ دیوار دہری ہے یعنی اگر آذر بائیجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے اس میں پہلے ایک دروازہ تھا، دروازے سے جب گذرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔

دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے لیکن یہ دوہری دیوار صرف دو میل تک گئی

Marfat.com

ہے اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے دونوں دیواریں جہاں جا کر ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں دربند آباد ہے اس دوہری دیوار کو ایرانی قدیم سے ''دوبارہ'' کہتے آئے ہیں یعنی دوہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا اور اسے ''دربند'' کہا جاتا تھا یعنی بند دروازہ کیونکہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخروی، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے، یہ ایرانی ممالک کی کنجی تھی، جس کے ہاتھ یہ کنجی آجاتی وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا اسی لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے۔

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی، وہ اسے باب الابواب اور الباب کے نام سے پکارنے لگے کیونکہ مملکت کے لئے یہی مقام شمالی دروازہ تھا اور یہ ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ تھا جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے، بعضوں نے اسے ''باب الترک'' اور ''باب الخزز'' کے نام سے بھی پکارا ہے کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری نسل کا کیشین قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے، جو درہ داریال DARIAL PASS نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اس کا محل ولاڈی کیوکز VLADI KAUKHZ اور ٹفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں ہو کر گذرا ہے اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے آہنی دروازہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔'' (اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج ص ۱۰۸ تا ص ۱۱۰)

اس کے بعد اپنا فیصلہ سناتے ہوئے امام الہند تحریر فرماتے ہیں۔

''اب ایک سوال اور غور طلب ہے کہ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درہ داریال کی سد ہے یا دربند کی دیوار یا دونوں؟ قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا، اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا، اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کر برابر کر دیا اس نے پگھلا ہوا تانبہ استعمال کیا

Marfat.com

تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔

یہ پتھر کی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔

البتہ درہ داریال کا مقام ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے، یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے، اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کردی ہے چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں ''آہنی دروازہ'' کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے اس کی ترجمہ ترکی میں ''دامر کپو'' مشہور ہوگیا بہر حال! ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔'' (اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج ص ۱۱۴، ۱۱۵)

معلوم ہوا کہ مولانا آزاد مرحوم کے مطابق کاکیشیا کے پہاڑی سلسلوں میں جو درہ ''درۂ داریال'' کے نام سے مشہور ہے یہی وہ آہنی دیوار ہے جو ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے حملوں اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کے پیش نظر تعمیر کی تھی اور قرآن کریم میں اسی کا ذکر ہے۔

اس نظریئے کی تائید میں حضرت سیوہارویؒ نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے جو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں بھی درج کیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

''خلیفہ واثق باللہ نے ایک مرتبہ اپنے دور خلافت میں اپنے ایک امیر کو ایک لشکر (اور ساز وسامان) کے ساتھ سد سکندری کی تحقیق کے لئے روانہ کیا تاکہ اسے دیکھ کر اس کے صحیح حالات بتائیں یہ لوگ منزلیں مارتے ایک شہر سے دوسرے شہر ہوتے ہوئے ملک ملک کی ٹھوکریں کھاتے اس دیوار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے انہوں نے جب اس دیوار کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوہے اور تانبے سے بنائی گئی ہے اس میں ایک بہت بڑا دروازہ ہے جس پر بڑے بھاری قفل چڑھے ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔ ان کا یہ سفر دو سال سے زیادہ مدت میں مکمل ہوا''۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۱)

ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر کسی صاحب کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ بھلا خلیفہ واثق باللہ کو اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے اور اس پر پیسہ خرچ کرنے کا شوق کیوں چرایا؟ اس کا جواب ابن خرداد کی کتاب ''المسالک والممالک'' سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل واثق باللہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ یاجوج ماجوج اس آہنی دیوار میں سوراخ کرکے اسے کھولنے پر قادر ہوگئے ہیں، یہ دیکھ کر اسے بڑی فکر لاحق ہوئی کیونکہ یاجوج ماجوج کا خروج تو علامات قیامت میں سے ہے اگر

Marfat.com

یہ نکل آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے اس لئے اس نے تحقیقاتی کمیشن کو متعین کیا۔

بہر حال! مولانا آزاد مرحوم کی تحقیق سے منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یاجوج ماجوج کا کیشیا کے پہاڑی سلسلوں کے پیچھے درہ داریال کہ وجہ سے قید ہیں اور ان کی بودوباش وہیں ہے، قریب قیامت میں وہ یہیں سے خروج کریں گے اور پوری زمین پر چھا جائیں گے۔

اعاذنا اللہ من فتنۃ یاجوج و ماجوج

نوٹ مرتب: غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ حدیث ویل اللعرب کا دوسرا حصہ خلیفہ کا یہ خواب ہی تو حدیث نہیں بنادیا گیا ہے۔

کیا سد ذوالقرنین اب بھی موجود ہے؟

پوری دنیا میں اس وقت آلات جدیدہ کی ایجاد اور خوب سے خوب تر کی جو دوڑ لگی ہوئی ہے اس دوڑ میں شریک ہونے والے کسی فرد کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں کہ آخر اس ترقی کی بھی کوئی انتہاء ہوگی یا نہیں؟ کیا یہ ترقی یونہی تدریجا بڑھتی چلی جائے گی یا اس نے بھی کہیں جا کر دم توڑنا ہے؟ حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ اس ترقی کی آخری معراج وہ تنزل ہے جو انسان کو پھر اسی تیر و تفنگ اور خیل وابل کے دور میں پہنچا کر چھوڑے گا جہاں سے انسان بھاگا تھا۔ (دوسری بات کسی طرح درست قرار نہیں دیجا سکتی۔ ترقی معکوس کوئی چیز نہیں ہوا کرتی)

اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان اپنی تمام تر مادی طاقتوں کے ذریعے اس ربع مسکون کے متعلق جو معلومات حاصل کر سکا ہے، نامعلوم امور ان کی نسبت بہت زیادہ ہیں اور اس کا اعتراف ہم سمیت ان تمام افراد کو بھی ہے جو دین و مذہب سے بیگانہ آشنا ہیں۔

اسی طرح اصول کی دنیا میں یہ ایک بہت مشہور ضابطہ ہے کہ عدم علم، علم عدم کو مستلزم نہیں یعنی کسی چیز کا علم نہ ہونے سے اس کی حقیقت ہی کا انکار کر دینا اور اس کے وجود ہی سے آنکھیں بند کر لینا یقیناً ناانصافی ہے اور کوئی بھی عقلمند آدمی اس بات پر اصرار نہیں کر سکتا کہ اسے جو چیز معلوم نہ ہو اس کا وجود بھی نہ ہو اور وہ حقائق کی دنیا سے بالکل دور ایک تصوراتی چیز ہو۔

اس تمہید کو قوت حافظہ میں محفوظ رکھ کر اب ذیل کی آیت پر غور فرمایئے گا۔

"قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا" (الکہف: ۹۸)

Marfat.com

''ذوالقرنین کہنے لگا کہ یہ تو میرے پروردگار کی خاص الخاص مہربانی ہے (کہ اس نے تکمیل وتعمیر سد کی توفیق عطا فرمائی) اب جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کردیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ مبنی برحق ہے''

ذوالقرنین کا یہ جملہ ''جو اللہ کے شکر سے بھرپور اور اپنی عاجزی کا مکمل اعتراف ہے'' اس وقت کا ہے جبکہ ذوالقرنین سد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے اور گو کہ وہ ایک ایسی مضبوط دیوار تھی جس پر بھروسہ کر کے کہا جا سکتا تھا کہ اب تم لوگ بے فکر اور مطمئن ہو کر زندگی گذارو، اب یاجوج ماجوج سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں رہا لیکن ذوالقرنین نے اپنے اوپر فخر اور دیوار کی مضبوطی پر اعتماد کرنے کی بجائے ان کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ جب تک اللہ کو منظور ہے اس دیوار کی مضبوطی برقرار رہے گی اور یہ دیوار تمہارے لئے ایک رکاوٹ کا کام دیتی رہے گی لیکن جب اللہ کو منظور ہوا کہ اب اس دیوار کو باقی نہیں رہنا چاہیے تو اس کا صلابت اور مضبوطی امر ربی کے سامنے کچھ کام نہ آئے گی اور یہ مضبوط ترین دیوار بھی پاش پاش ہو کر رہ جائے گی نیز یہ بھی ذہن میں رکھو کہ یہ دیوار جو میں نے توفیق الٰہی سے تمہارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان قائم کردی ہے ہمیشہ نہیں رہے گی بلکہ ایک وقت ایسا ضرور آسکتا ہے جب اس پر بھی فنا آجائے گی اس لئے اس پر مکمل انحصار کر کے یا دخدا سے غافل نہ ہو جانا۔

نوٹ مرتب: اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ سد گر ہی جائیگی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ گرنے کا حکم ربی صادر ہی نہ ہو۔

آیت مذکورہ کے اس پس منظر کو پیش نظر رکھنے سے دو چیزیں قابل وضاحت محسوس ہوتی ہیں۔

ا۔ سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود رہے گی جب تک اللہ کو منظور ہوگا۔

اب اس بات میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ سد کا قیام و بقاء ''وعدہ رب'' پر موقوف ہے، لیکن اس ''وعدہ رب'' کی تعیین میں دو مختلف رائیں سامنے آتی ہیں چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، اپنی شہرہ آفاق کتاب تکملہ فتح الملہم میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اس پوری بحث کی بنیاد یہ ہے کہ ذوالقرنین نے جو ''وعد ربی'' کے الفاظ کہے ہیں ان کی تفسیر یہ کی جائے کہ اس کی تعمیر کردہ سد قرب قیامت تک ٹوٹنے والی نہیں اور ''وعد ربی'' کو یوم قیامت پر محمول کیا جائے جبکہ علماء کرام کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ آیت مذکورہ کی یہ مراد نہیں بلکہ اس میں ''وعد ربی'' سے اس کا مقررہ وقت مراد ہے، یوم قیامت نہیں'' (تکملہ فتح الملہم ج ٦ ص ٢٥٦)

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ ''وعد رب'' کی مراد متعین کرنے میں دو قول ہیں۔

۱۔ اس سے مراد قیامت ہے۔

۲۔ اس سے مراد علم الٰہی میں مقررہ وقت ہے۔

اب اگر اس سے ''قیامت کا دن'' مراد لیا جائے کہ سد ذوالقرنین قیامت تک قائم رہے گی اور کا ٹوٹنا خروج یاجوج ماجوج کے وقت ہوگا تو مشاہدہ اور معاینہ اس کے خلاف ہے چنانچہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے ہیں

''ثم ان سد ذی القرنین قد اندک الیوم'' (فیض الباری ج ۴ ص ۲۳)

''ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد، اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہے''

پھر اس میں اس وقت اور بھی الجھن پیدا ہو جاتی ہے جب ترمذی شریف کی اس روایت پر نظر ڈالتے ہیں جو اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ آ کر اس دیوار کو توڑتے ہیں جب تھوڑی سی رہ جاتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں کہ اب اتنی سی تو رہ گئی ہے کل آ کر اس کو توڑ دیں گے لیکن اگلے دن جب واپس آتے ہیں تو پھر وہ صحیح سالم ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین اب تک اپنی اصلی حالت پر برقرار ہے۔

لیکن یہاں پھر ایک مشکل آ پڑتی ہے کہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا ایک خواب حضرت زینب بنت جحشؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ خواب سے بیدار ہوئے تو فرمانے لگے۔

''ویل للعرب ، من شر قد اقترب، فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه''

(بخاری: ۷۰۵۹، مسلم: ۷۲۳۵، ترمذی: ۲۱۸۷، ابن ماجہ: ۳۹۵۳)

''اہل عرب کے لئے اس آنے والے شر میں ہلاکت ہے جو قریب آ گیا ہے آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا ہے''

گویا حدیث سے اسی بات کی تائید ہو رہی ہے جس کے قائل علامہ انور شاہ کاشمیریؒ ہیں اور اس سے اتنی بات تو طے ہو جاتی ہے کہ ''وعدہ رب'' سے مراد قیامت یا قرب قیامت نہیں لیکن ترمذی کی روایت سے پیدا ہونے والی الجھن برقرار رہتی ہے جس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

۱۔ ترمذی شریف کی محولہ بالا روایت (جس کا مکمل مضمون عنقریب آئے گا انشاء اللہ) سند کے اعتبار سے بعض حضرات کے نزدیک یہ منکر اور اجنبی ہے اس لئے اس پر کسی ضابطے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

Marfat.com

۲۔ مضمون کے اعتبار سے بھی اس روایت کو حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن کریم تو ''سد ذوالقرنین'' کے بارے یہ کہہ رہا ہے۔

''فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا'' (الکہف: ۹۷)

''اب یاجوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ سکیں گے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں گے''

۳۔ اس حدیث کے مرکزی راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ کا ایک نومسلم یہودی عالم کعب احبار کے پاس اٹھنا بیٹھنا بہت زیادہ تھا، ظاہر ہے کہ کعب احبار تورات و انجیل کی ان محرف اور ناقابل اعتبار باتوں کو بھول تو نہیں سکتے تھے جو قبل ازیں ان کے حافظے میں محفوظ تھیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے وہ باتیں ان لوگوں کے سامنے تو کم از کم بیان کی ہی ہوں گی جن کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہو یا جن لوگوں کا ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہو، اب چونکہ حضرت ابوہریرہؓ اور کعب احبار کی باہم مجالس خوب جمتی تھیں اس لئے عین ممکن ہے کہ کسی موقع پر کعب احبار نے یہ بات حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے کہی ہو اور حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے شاگردوں کے سامنے یونہی اس بات کو ذکر کر دیا ہو بعد میں کسی صاحب نے یہ سمجھ کر ''کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے'' اپنے اجتہاد سے اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہو جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہیکہ اسی طرح کی ایک روایت کعب احبار سے بذات خود بھی منقول ہے جس سے یہ خیال مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ اسے حدیث قرار دے کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

یہ تیسری رائے مشہور مفسر و محدث حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی ہے جو انہوں نے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۱ پر تحریر فرمائی ہے جبکہ پہلی رائے امام ترمذی، امام احمد اور علامہ ابن کثیرؒ کی ہے اور دوسرا جواب بھی حافظ ابن کثیرؒ ہی کی تحریر سے ماخوذ ہے۔

یہاں تک کی گفتگو سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ آیت قرآنی میں ''وعد ربی'' سے مراد قیامت یا قرب قیامت نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ اگر ''وعد ربی'' سے مراد قیامت یا قرب قیامت نہیں بلکہ ذوالقرنین کی سد کے ٹوٹنے کا وہ مقررہ وقت مراد ہے جو علم الٰہی میں ازل سے طے شدہ ہے تو اس کا قرینہ کیا ہے؟ پھر اس ''مقررہ وقت'' سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ مقررہ وقت ابھی آئے گا یا آچکا؟ پھر اگر وہ مقررہ وقت آچکا تو کیا یاجوج ماجوج کا خروج ہو گیا یا نہیں؟

لیکن ان سوالات کے جوابات سے پہلے ذہن میں پیدا ہونے والی چند اور الجھنوں کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ایک نکتہ کی صورت میں وہ بھی ذہن میں راسخ ہو سکیں۔

Marfat.com

۱۔ اس موقع پر سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی صراحت کے بعد اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ سد ذوالقرنین کے ذریعہ دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو بند کیا گیا اور وہ ایک مضبوط ترین رکاوٹ بن گئی تاہم یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ذوالقرنین کو گزرے ہوئے اتنا طویل عرصہ گزر گیا تو کیا یاجوج ماجوج اتنے بیوقوف ہیں کہ صرف اسی ایک راستے کو کھولنے کے درپے ہیں کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے کا انہیں خیال تک نہیں آتا؟

۲۔ پھر کیا یہ ضروری ہے کہ ان کے خروج کا راستہ وہی درہ ہو جو ذوالقرنین نے بند کیا ہے؟ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس سے وہ باہر آسکیں؟

۳۔ پھر سب سے بڑھ کر کہ کیا وہ لوگ ضروریات زندگی سے بالکل نا آشنا ہیں؟ سد ذوالقرنین کو توڑنے کے علاوہ ان کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے؟ وہ اپنے مقدر پر صبر شکر کر کے بیٹھ کیوں نہیں جاتے؟ دنیا کے جھنجھٹوں میں الجھ کر اس چیز کو بھول کیوں نہیں جاتے؟

تاریخ کے اوراق کھنگالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج اور وحشیانہ حملوں کے بے شمار راستے تھے جن میں سے ''درہ داریال'' ایک آسان راستہ تھا لیکن وہ ان دوسرے راستوں کو بھی استعمال کرتے تھے اور جب یہ راستہ بند ہو گیا تو وہ دوسرے راستے استعمال کرنے لگے جیسا کہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''جب کہ یاجوج ماجوج صرف ایک اس درہ سے ہی نکل کر غارت گری نہیں کرتے تھے بلکہ کاکیشیا کے اس کونہ سے چین کے علاقہ منچوریا تک ان کے خروج کے بہت سے مقامات تھے پس اگر ان کے لئے سد ذوالقرنین نے درہ داریال کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود کر دی تھی تو دوسرے مقامات سے ان کا خروج کیوں نہیں ہو سکتا تھا'' (قصص القرآن سوم ص ۲۱۸)

رہی یہ بات کہ کیا یاجوج ماجوج کا کوئی اور مقصد زندگی نہیں ہے؟ تو اس سلسلے میں کوئی یقینی بات ان کے طرز زندگی، اصول معیشت و معاشرت اور گزر اوقات سے متعلق نہیں کہی جا سکتی تاہم قرآن کریم کی یہ آیت ہمیں کچھ اشارہ ضرور دے رہی ہے۔

'' وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ '' (الکہف:۹۹)

''اور ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ اب وہ باہم ایک دوسرے سے موج در موج الجھتے رہیں گے''

اس سے معلوم ہوا کہ سد ذوالقرنین کی تعمیر سے قبل یاجوج ماجوج کا بیشتر وقت دوسروں پر

Marfat.com

غارت گری اور حملوں میں خرچ ہوتا تھا اور اپنی اسی طبعی افتاد کی وجہ سے وہ دوسرے راستے بھی استعمال کرتے رہے لیکن سد ذوالقرنین کی تعمیر کے بعد ان کا زیادہ تر وقت باہم دست و گریبان رہنے میں گزرنے لگا اور یوں نہ ختم ہونے والی ایک طویل خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا ذرا دم لینے کا موقع ملا یا ذائقہ تبدیل کرنے کو جی چاہا تو کسی اور طرف نکل پڑے ورنہ اپنے قبائل کی تعداد کچھ کم نہیں۔

وقت موعود مراد لینے کا قرینہ:

یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ ذکر کی جا چکی ہے کہ ''وعد ربّ'' سے مراد سد ذوالقرنین ٹوٹنے کا مقررہ وقت ہے، اس کا سب سے زیادہ واضح اور اہم ترین قرینہ وہ روایت ہے جو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں آپ کی بصارت سے گزر چکی جس میں حضور ﷺ کا یہ خواب ذکر کیا گیا ہے کہ سد ذوالقرنین میں دو انگلیوں کی گولائی کے برابر سوراخ ہو گیا ہے یہ الگ بحث ہے کہ ''سوراخ'' سے کیا مراد ہے؟ اور حدیث کا کیا مقصد ہے اور یہ حدیث ہے بھی یا نہیں؟ عنقریب اس پر بھی بحث آیا چاہتی ہے لیکن یہاں ہمیں یہ ذکر کرنا ہے کہ اگر ''وعد ربّ'' سے مراد قیامت ہو تو پھر اس میں سوراخ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ بات واضح ہے کہ اگر کسی دیوار میں چھوٹا سا بھی سوراخ ہو جائے تو اسے توڑنا بہت آسان ہوتا ہے اس لئے لامحالہ یہاں ''وقت موعود'' ہی مراد لیا جائے گا۔

نیز اس کائناتی حقیقت کی بھی تردید نہیں کی جا سکتی کہ وقت گزرنے کا ساتھ ساتھ مضبوط چیز میں بھی شکستگی آجاتی ہے اور پھر یہ کہ جب لوہے پر مسلسل عام پانی پڑتا رہے تو لوہا گل جاتا ہے اس لئے اگر سد ذوالقرنین اپنی پرانی کیفیت پر باقی نہ رہی ہو یا بالکل ہی باقی نہ رہی ہو تو کوئی اشکال نہیں بلکہ عقل کے لئے اسے تسلیم کرنا زیادہ آسان ہے، باقی آیت قرآنی سے استدلال کا جواب دیا جا چکا۔

مرتب: لیکن تانبا نہیں گلتا ہے۔

حتی اذا فتحت یاجوج ماجوج کا مطلب؟

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے یاجوج ماجوج کا تذکرہ دو مختلف سورتوں میں کیا ہے، سب سے پہلے سورہ کہف میں، پھر سورہ مبارکہ انبیاء میں، اور ان دونوں کے مضامین جمع کرنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ''وعد ربّ'' سے مراد قیامت ہے کیونکہ سورہ انبیاء میں ارشاد ربانی ہے۔

''حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ'' (الانبیاء:۹۶)

Marfat.com

''یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھل جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے محسوس ہوں گے''

اس آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یاجوج ماجوج ابھی کہیں بند پڑے ہوئے ہیں اور قیامت کے قریب انہیں کھول دیا جائے گا اور ایک عالمی فتنہ بپا ہو جائے گا، اب اگر سد ذوالقرنین ٹوٹ چکی ہے تو یاجوج ماجوج کا خروج اب تک کیوں نہیں ہوا؟

اس سوال سے بچنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور دوسرے بعض علماء نے یہ نظریہ اختیار کیا کہ ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر جو تاتاری حملہ ہوا تھا اور اس نے پورے عالم اسلام میں تہلکہ مچادیا تھا، بغداد ''جو کہ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ کا دارالخلافہ تھا'' کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور تاتاری ایک بلائے بے درماں کی طرح مسلمانوں کو روندتے چلے گئے یہی وہ فتنہ تھا جسے قرآن کریم نے فتنہ یاجوج ماجوج قرار دیا ہے اس اعتبار سے سد ذوالقرنین بھی ٹوٹ چکی اور یاجوج ماجوج کا خروج بھی ہو چکا لیکن ظاہر ہے کہ اس پر وہ کوئی مضبوط دلیل پیش نہیں کر سکتے چنانچہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاری تحریر فرماتے ہیں۔

''اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اور بعض دوسرے علماء نے کتب سیرت میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ سورہ انبیاء کی ان آیات کا مصداق جن میں یاجوج ماجوج کے موعود خروج کا ذکر کیا گیا ہے، ''حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ'' فتنہ تاتار کو بنا کر یہیں قصہ ختم کر دیں اور اس کا امارت ساعت وعلامت قیامت سے کوئی تعلق باقی نہ رہنے دیں۔

مگر ہمارے نزدیک قرآن عزیز کا سیاق وسباق ان کی اس تفسیر یا توجیہہ کا قطعاً اباء اور انکار کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ ''سورۂ انبیاء'' میں اس واقعہ کو جس ترتیب سے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

''وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ'' (الانبیاء:)

''اور مقرر ہو چکا ہے ہر ایک ایسی بستی پر کہ جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ اس کے بسنے والے واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ کھول دیے جائیں یاجوج ماجوج اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے امنڈ پڑیں اور قریب آجائے سچا وعدہ پھر اس وقت حیرانی سے کھلی کی کھلی رہ جائیں آنکھیں

Marfat.com

منکروں کی اور کہیں ہائے ہماری بدبختی کہ ہم بے خبر رہے اس (قیامت) سے بلکہ ہم ظلم وشرارت میں سرشار رہے''۔

ان آیات میں آیت زیر بحث ''حتی اذا فتحت'' سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ مرنے والوں کی موت کے بعد دوبارہ زندگی کا وقت جن علامات وآیات ساتھ جوڑ دیا گیا ہے یا جن پر معلق کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کے تمام قبائل اپنی پوری طاقت کے ساتھ بیک وقت اپنے مراکز سے نکل کر تیزی سے تمام دنیا پر چھا جائیں اور اس سے متصل آیت میں مزید یہ کہا گیا کہ پھر اس کے بعد قیامت بپا ہو جائے گی اور تمام شخص اپنی زندگی کے نیک وبد انجام دیکھنے کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور ناکام اپنی ناکامی پر حسرت و یاس کرتے رہ جائیں گے۔

پس آیت زیر بحث کے سیاق وسباق نے یہ بات بخوبی واضح کر دی کہ اس مقام پر یاجوج ماجوج کے ایک ایسے خروج کی اطلاع دی گئی ہے جس کے بعد شر وفتنہ کا کوئی سلسلہ بلکہ دنیا کی ہستی کا کوئی سلسلہ باقی نہیں رہ جائے گا اور صرف قیامت بپا ہو جانے یعنی نفخ صور کی دیر باقی رہ جائے گی جو اس واقعہ کی تکمیل کے بعد عمل میں آجائے گی۔ (قصص القرآن سوم ۲۲۵،۲۲۶)

نوٹ مرتب: ہلاک ہونے والے لوگ صور پھونکجانے کے بعد واپس میدان محشر میں واپس ہونگے اور ان میں یاجوج ماجوج بھی ہونگے اس اعتبار سے یہ بات درست نہیں ہے کہ فتحت کا کوئی تعلق قرب قیامت سے نہیں ہے۔

اس لئے تاتاری فتنہ کو یاجوج ماجوج کا وہ خروج موعود نہیں قرار دیا جا سکتا جو قیامت کی بالکل آخری علامت میں سے ہے گو کہ بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ تاتاری حملہ بھی یاجوج ماجوج ہی کا پہلا خروج تھا اور اس طرح ان کا خروج متعدد مرتبہ ہوگا تاآنکہ وہ وقت آجائے کہ دجال قتل ہو جائے اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو جائے کہ اس وقت ان کا ایک بھرپور حملہ پوری دنیا پر ہوگا لیکن یاد رہے کہ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں تاتاریوں ہی کو یاجوج ماجوج قرار دینے والوں کی سختی سے تردید کی ہے اور اس سلسلہ میں ان کی رائے بڑی واضح اور قابل قبول ہے، وہ فرماتے ہیں۔

" ویعلم مما تقدم و مما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ بطلان ما یزعمه بعض الناس من انهم التاتار الذین اکثر والفساد فی البلاد و قتلوا الاخیار والاشرار، ولعمری ان ذلک الزعم من الضلالة بمکان وان کان بین یاجوج و ماجوج و اولئک الکفرۃ مشابهة تامة لا تخفی علی الواقفین علی اخبار ما یکون وما کان

Marfat.com

ابطال ما یزعمه بعض الناس من انهم التاتار" (روح المعانی ج ۹ ص ۵۲، ۵۳)

"گزشتہ اور آئندہ آنے والی گفتگو سے بعض لوگوں کے اس گمان فاسد کا بطلان بھی واضح ہو گیا کہ یاجوج ماجوج کا مصداق تاتاری ہیں جنہوں نے ملکوں میں خوب فساد پھیلایا اور ہر نیک و بد کو قتل کر ڈالا یقین کیجئے کہ یہ گمان بہت گمراہ کن ہے تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ یاجوج ماجوج اور ان کافر تاتاریوں کے درمیان مشابہت تامہ پائی جاتی ہے جو علامت قیامت اور پیشین گوئیوں سے واقفیت رکھنے والوں پر مخفی نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ جو لوگ تاتاریوں کو ہی یاجوج ماجوج سمجھتے ہیں ان کا یہ خیال باطل ہے"

بات شروع ہوئی ہے تو اب سورۂ انبیاء کی محولہ بالا آیت کا وہ مطلب "جو واضح، اہل عرب کے محاورہ کے مطابق اور ذہن کو قبول ہو سکے" حضرت سیوہاریؒ کی عبارت میں ملاحظہ فرماتے جائیں۔

"اور سورۂ انبیاء میں خدائے تعالیٰ کے ارشاد "فتحت یاجوج وماجوج" میں فتح سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ سد توڑ کر نکل آئیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کثرت سے فوج در فوج نکل پڑیں گے گویا کہیں بند تھے اور آج کھول دئے گئے ہیں۔

چنانچہ اہل عرب جب لفظ "فتح" کو جاندار اشیاء کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑی ہوئی تھی اور اب اچانک نکل پڑی ہے اس لئے جب کوئی شخص کہتا ہے "فتح الجراد" تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ٹڈیاں کسی جگہ بند تھیں اور اب ان کو کھول دیا گیا ہے بلکہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں کہ ٹڈی دل کسی پہاڑی گوشے میں الگ پڑا تھا کہ اب اچانک فوج در فوج باہر نکل پڑا۔

پس یہاں بھی بتایا گیا ہے کہ یاجوج وماجوج جیسے عظیم الشان قبائل جو عرصہ سے بایں کثرت واژدہام دنیا کے ایک الگ گوشہ میں پڑے ہوئے تھے اس دن اس طرح اُمڈ آئیں گے گویا بند تھے اور اب اچانک کھول دئے گئے" (قصص القرآن سوم ص ۲۱۲)

اس عبارت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سیوہاریؒ اپنے قابل فخر استاذ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی اتباع میں یہ سمجھتے تھے کہ سد ذوالقرنین کا انداکاک، اس کی بقا کی نسبت اغلب ہے بالخصوص جبکہ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تاتاری فتنہ یاجوج ماجوج کا پہلا خروج تھا نیز یہ کہ یورپی اور روسی اقوام ان ہی کی جدید اور تہذیب یافتہ شکل ہے۔

Marfat.com

کیا یاجوج ماجوج کا خروج ایک ہی مرتبہ ہوگا؟

گو کہ مولف کو اس بات کا احساس ہے کہ موضوع حد سے باہر نکلتا اور پھیلتا جار ہا ہے لیکن اس سوال کا جواب ضروری محسوس ہوتا ہے کیونکہ اس سلسلے میں ماضی قریب کی ایک مشہور علمی شخصیت، محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ جو دار العلوم دیو بند کی آبرو، ہمارے استاذ الاساتذہ، میدان تحقیق کے صدر نشین اور ہمارے لئے انتہائی قابل صد احترام شخصیت ہیں'' کی ایک عبارت خاصی شبہ میں ڈالنے والی ہے، حضرت فرماتے ہیں۔

" فلهم خروج مرة بعد مرة ، وقد خرجو اقبل ذلك ايضاً و افسدو افى الارض بما يستعاذمنه ، نعم يكون لهم الخروج الموعود فى آخر الزمان و ذلك اشدها "(فیض الباری ج ۴ ص ۲۳)

''یاجوج ماجوج کا خروج (صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ) کئی مرتبہ ہوگا چنانچہ اس سے پہلے بھی وہ خروج کر کے زمین میں اتنا فساد پھیلا چکے ہیں جس سے توبہ ہی بھلی البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قرآن و حدیث میں ان کے جس خروج کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آخر زمانے مین ہوگا اور اس کی شدت سب سے زیادہ ہوگی''

اس عبارت کا واضح ترین مفہوم مندرجہ ذیل تین نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے،

۱۔ یاجوج ماجوج کا خروج متعدد مرتبہ ہوگا۔

۲۔ اب سے پہلے بھی یاجوج ماجوج کا خروج ہو چکا ہے۔

۳۔ قیامت کے قریب ان کا سب سے خطرناک حملہ ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی، عملی، تحقیقی اور تاریخی شخصیت کی قد آوری اپنی جگہ مسلم اور مولف کے ان الفاظ سے بھی مترشح ہے جو وہ پیچھے لکھ آیا ہے لیکن دلیل کا مطالبہ کرنے والے شخصیت کو نہیں دیکھا کرتے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید حضرت سیوہاریؒ نے مذکورہ تین نکات میں سے پہلے نکتے پر کوئی مضبوط دلیل قرآن و حدیث سے پیش نہیں فرمائی اگر صرف پہلے ہی نکتہ پر ''یاجوج ماجوج کا خروج متعدد مرتبہ ہوگا'' کوئی مضبوط اور ٹھوس دلیل مل جائے تو دوسرا نکتہ از خود ثابت ہو جائے گا، البتہ تیسرا نکتہ احادیث صحیحہ سے بڑی وضاحت کے ساتھ اور قرآنِ کریم کے اشارات سے سمجھ میں آجاتا ہے اس لئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا جائے گا۔

اس وضاحت سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی مل گیا جن کا جواب مولف کے ذمے قرض

Marfat.com

تھا کہ خروج یاجوج ماجوج کا مقررہ وقت آچکا یا ابھی آئے گا؟ پھر اگر وہ وقت آچکا تو کیا یاجوج ماجوج کا خروج ہو گیا یا نہیں؟

احادیث کی روشنی میں

تاریخی اعتبار سے یاجوج ماجوج، ذوالقرنین اور سد سکندری پر کسی قدر گفتگو قارئین نے ملاحظہ فرمائی اب ضروری ہے کہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی اس تاریخ ساز فتنہ سے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے تا کہ وہ وعدہ بھی وفا ہو جائے جو اس سے قبل کیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ بات مدنظر ہے کہ کعب احبار "جو پہلے یہودی تھے اور اہل کتاب میں ایک بہت بڑے عالم کے طور پر ان کی شناخت تھی، سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اسلام قبول کیا" سے اس مضمون کی بہت سی اسرائیلیات منقول ہیں لیکن ان پر اعتماد کر کے انہیں نقل نہیں کیا جا رہا ہے کیونکہ اس میں افسانوی داستان طرازی بہت غالب ہے، حقائق کی دنیا سے وہ بہت بعید چیزیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ یاجوج ماجوج کے کان اتنے بڑے ہیں کہ وہ ایک کو بچھاتے ہیں اور دوسرے کو اوڑھ کر سو جاتے ہیں، کھانے پر آتے ہیں تو ہاتھی اور خنزیر تک بلکہ اپنے مردوں تک کو کھا جاتے ہیں یہ اور اس طرح کی بہت سی داستانوں کو ذکر کرنے سے ہم نے اپنے دامن کو بچایا ہے اور اگر کہیں ایسی چیزوں کا تذکرہ آیا بھی ہے تو اس کے ضعف کو ظاہر کرنے کے لئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح اور قابل اعتبار ذخیرہ روایات سے جن صحابہ کرامؓ کی روایت ہمیں مل سکی ہیں ذیل میں اس کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے اس کے بعد اسی ترتیب سے ان احادیث مبارکہ کا متن، ترجمہ اور بقدر ضرورت تشریح نقل کی جائیگی۔

نمبر شمار	اسم گرامی	حوالہ
۱	حضرت زینب بنت جحشؓ	بخاری (۷۰۵۹) مسلم (۷۲۳۵) ترمذی (۲۱۸۷) ابن ماجہ (۳۹۵۳)
۲	حضرت ابو ہریرہؓ	بخاری (۷۱۳۶) ترمذی (۳۱۵۳) مسند احمد (۱۰۶۴۰) ابن ماجہ (۶۰۸۰)
۳	حضرت ابو سعید خدریؓ	بخاری (۱۵۹۳) مسلم (۵۳۲)، مسند احمد (۱۱۳۰۴) ابن ماجہ (۶۰۷۹)
۴	حضرت حزیفہ بن اسیدؓ	مسلم (۷۲۸۵) ابن ماجہ (۴۰۵۵)، ابوداؤد (۴۳۱۱) ترمذی (۲۱۸۳) مسند
۵	حضرت نواس بن سمعانؓ	مسلم (۷۳۷۳) ترمذی (۲۲۴۰) ابن ماجہ (۶۰۷۵) مسند احمد (۷۷۷۹)
۶	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	ابن ماجہ (۷۰۸۱) مسند احمد (۳۵۵۶) الفتن (ص ۳۵۲)

Marfat.com

۷	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	الفتن ص ۳۵۳
۸	حضرت عبداللہ بن عمروؓ	الفتن ص ۳۵۲
۹	حضرت اسلمؓ	الفتن ص ۳۶۷
۱۰	رجل من الصحابۃؓ	روح المعانی ج ۹ ص ۱۱۰
۱۱	حضرت قتادہؒ	الفتن ص ۳۶۸

حضرت زینب بنت جحشؓ کی روایت:

''حضرت زینب بن جحشؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضورﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو آپکا چہرہ مبارک سرخ ہورہا تھا اور آپکی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے لا الہ الا اللہ، اہل عرب کے لئے قریب آنے والے شر میں بڑی ہلاکت ہے، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا بڑا سوراخ ہوگیا ہے اور سفیان نے انگلی بند کر کے دکھائی، کسی نے پوچھا کہ نیک لوگوں کی موجودگی میں بھی کیا ہم ہلاک ہوسکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! جب گندگی بڑھ جائے''۔ (البخاری: ۷۰۵۹، مسلم: ۷۲۳۵، ترمذی: ۲۱۸۷، ابن ماجہ: ۳۹۵۳)

مرتب: اس حدیث میں فتح الیوم اور یاجوج ماجوج کا تذکرہ غیر حدیث معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے مزید براں امام بخاری تک اس حدیث کے مزید راوی کون کون ہیں۔ حدیث کی حیثیت کا تعین درمیانی راویوں کو دیکھ کر ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حصہ بخاری کے ابتدائی نسخوں میں موجود نہ ہو اور بعد میں لوگوں نے اضافہ کردیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ویل العرب کی حدیث سے فتنہ تاتار مراد لینا آسان ہے اور اس کا فتنہ یاجوج ماجوج سے کوئی تعلق نہیں رہیگا اور فتحت کی حدیث الگ ایک حدیث شمار ہوجائیگی۔

فائدہ:

سلسلہ یاجوج ماجوج کی تمام روایات میں سب سے زیادہ اسی حدیث پر بحث ہوئی ہے اور علماء کرام نے اس کی مراد متعین کرنے میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق کلام کیا ہے قارئین کی سہولیت کے لئے مولف اسی حدیث کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے پہلے حصے میں اس کی سند پر کچھ علمی بحث کی جائے گی اور دوسرے حصے میں اس کا متن زیر بحث آئے گا۔

سند حدیث:

حضرت زینب بنت جحشؓ کی یہ روایت ''جو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ جیسی اہم کتابوں

Marfat.com

میں منقول ہے'' کی سند میں سب سے اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کی سند میں بیک وقت چار عورتیں جمع ہوگئی ہیں۔

۱۔ زینب بنت ابی سلمی

۲۔ حبیبہ

۳۔ ام حبیبہ

۴۔ زینب بنت جحش

اور ہر پہلی عورت نے دوسری عورت سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ان میں سے پہلی دونوں عورتیں حضور ﷺ کی ربیباؤں سے تعلق رکھتی ہیں اور دوسری دونوں ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ (ربیبہ سے مراد ازواج مطہرات کی ان کے سابقہ شوہروں کی اولاد ہیں جو رسول ﷺ کی کفالت میں ہیں۔)

اور یہی چیز اس حدیث میں حافظ ابن کثیرؒ کو کھٹکتی ہے کہ ایک ہی سند میں چار عورتیں اکٹھی ہو رہی ہیں، جو آپس میں رشتہ دار بھی ہیں اور ان کی عبارت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند پر انہیں اطمینان نہیں گو کہ صراحتہً وہ اس پر کوئی حکم اس لئے نہیں لگا سکے کہ امام المحدثین اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے اس کی تخریج کی ہے، اس سلسلے میں علامہ ابن کثیرؒ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

''امام زہریؒ کے حوالہ سے اس روایت کی تخریج میں بخاری اور مسلم اگرچہ متفق ہیں اور یہ روایت صحیح ہے لیکن بخاری کی روایت میں حبیبہ کا ذکر نہیں جبکہ امام مسلم نے اسے ذکر کیا ہے اسی طرح اس حدیث کی سند میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو صناعت اسناد میں بہت کم وقوع پذیر ہوتی ہیں مثلاً امام زہری کا عروہ سے روایت کرنا باوجود یہ کہ دونوں تابعی ہیں اسی طرح سند حدیث میں چار عورتوں کا اکٹھا ہو جانا جو ایک دوسرے سے اس حدیث کو نقل کر رہی ہیں پھر یہ کہ سب کی سب صحابیہ ہیں، دو حضور ﷺ کی ربیبہ ہیں اور دو ازواج مطہرات میں سے ہیں''۔ (ابن کثیر ۳ ص ۱۴۲)

اگر علامہ ابن کثیرؒ اس عبارت سے سند حدیث پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں تو پھر تحقیقی بات یہ ہے کہ

۱۔ یہ روایت بخاری اور مسلم کے علاوہ ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔

۲۔ سند حدیث میں چار خواتین کا ذکر صرف مسلم ہی میں نہیں بلکہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں بھی ہے۔

Marfat.com

۳۔ یہ روایت امام بخاریؒ نے چار مختلف مقامات پر نقل کی ہے اور چاروں میں وہی سند ہے جس میں دو تابعی اور چار صحابیہ عورتیں ہیں۔

۴۔ امام مسلمؒ نے یہ روایت حضرت زینب بنت جحشؓ کے حوالے سے چار سندوں سے نقل کی ہے جن میں سے صرف ایک سند میں چار صحابیہ عورتوں کا ذکر ہے باقی تین سندوں میں انہوں نے بھی تین ہی ذکر کیا ہے۔

۵۔ یہ روایت صرف حضرت زینب بنت جحشؓ ہی سے نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے اور اس کی سند بالکل مختلف ہے۔

اس لئے سنداً اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور اگر علامہ ابن کثیرؒ اس سے سند کی اہمیت واضح کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہیں آسان اور سہل عبارت یہ ہے۔

''فاجتمعت فی هاذا الاسناد لطائف: الاول ان فیه اربعة من النساء الصحابیات تروی احد اهن عن الاخری، و الثانی: ان زینب بنت ام سلمة و حبیبة بنت عبید الله کلتا هما ربیتان للنبی ﷺ وام حبیبة و زینب بنت جحش کلتا هما زوجتان له ﷺ والثالث: ان حبیبة تروی هاذا الحدیث عن امها عن عمتها، لان زینب بنت جحش اخت لابیها عبید الله بن جحش، وقد جمع الحافظ عبدالغنی بن سعید الزدی جزءاً فی الاحادیث المسلسلة باربعة من الصحابة و جملة ما فیه اربعة احادیث، و بلغها الحافظ عبدالقادر الرهاوی والحافظ یوسف ابن خلیل الی تسعة احادیث، واصحها حدیث الباب، کذافی فتح الباری.'' (تکملہ فتح الملہم ج ۶ ص ۲۵۹)

اس عبارت سے سند حدیث کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور الفاظ بھی طبیعت پر بوجھ نہیں بنتے، خلاصہ کلام یہ کہ سند کے اعتبار سے اس حدیث پر کوئی انگشت نمائی نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ''اصح الحدیث'' ہے، اب متن حدیث کی وضاحت قابل غور ہے تاکہ مضمون حدیث اچھی طرح واضح ہو جائے۔

نوٹ مرتب: بالعموم واضعین حدیث ثقہ راویوں کو ہی بنیاد بناتے ہیں۔ یہ امر بھی ذہن نشین رہے۔

مضمون احادیث:

حضرت زینب بن جحشؓ کی مذکورہ روایت کا مضمون سمجھنے سے پہلے مندرجہ ذیل نکات پردہ

Marfat.com

ذہن پر محفوظ کرنا ضروری ہیں۔

۱۔ انبیاء کرام علیہ السلام کا خواب حجت ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا ویسے ہی ضروری ہوتا ہے جیسے بیداری میں آنے والی وحی واجب العمل ہوتی ہے نیز وہ خواب ''جس پر کروڑوں انسانوں کی بیداری قربان ہو جائے'' اسی طرح سچا ہوتا ہے جیسے بیداری میں آنے والی وحی سچی ہوتی ہے۔

۲۔ حدیث کے دو جملے اور ان کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اب قابل غور بات یہ ہے کہ ان دونوں جملوں کا آپس میں کوئی ربط ہے یا نہیں؟ یا اس بات کو طے کرنے کے لئے ہم قصص القرآن کی عبارت ''جو اس مسئلے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے'' پیش کر رہے ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

''ان دونوں مسئلوں کے متعلق اہل تحقیق کی رائے مختلف ہے اور چونکہ اس رویاء صادقہ کی تعبیر خود ذات اقدس ﷺ سے یا صحابہؓ کے آثار سے با سند صحیح منقول نہیں ہے اس لئے محدثین اور ارباب سیر نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق کو تقریبی طور پر متعین فرمائیں''۔

شیخ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ ''ویل للعرب'' کے جملہ میں ان شرور وفتن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی امت میں رونما ہونے شروع ہو گئے اور جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں سب سے پہلے عرب (قریشی حکومت) کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور جن کی ہلاکتوں کا شکار اہل عرب ہی ہوئے۔

اور روم (سد) انگلی اور انگوٹھے کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار رخنہ پیدا ہو جانے کا ذکر تقریبی ہے یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی اتنا چھوٹا سا رخنہ پڑ گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سد ذوالقرنین کے استحکامات کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس میں رخنہ پڑنے کی ابتداء ہو چکی ہے گویا اب وہ آہستہ آہستہ شکست وریخت ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رویاء صادقہ کے بعد قتل عثمانؓ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر متواتر فتن اور شرور کا سلسلہ جاری ہو گیا جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب (قریشی حکومت) تمام اقوام کے لئے ایسے ہو گئے جیسا کہ کھانے کے پیالے پر کھانے والے جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس تشبیہ کا ذکر بھی موجود ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا،

''وہ زمانہ قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے بڑے پیالے پر کھانے والے ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں''۔ (فتح الباری ج ۱۳، ص ۹۱)

Marfat.com

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مخاطب عرب ہی ہیں اور رخنہ سد کے متعلق دونوں محدثین کا رجحان اسی جانب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حقیقی رخنہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک تشبیہ ہے۔

مرتب۔حدیث کا یہ حصہ موضوع بھی تو ہوسکتا ہے ویسے بھی یہ خلاف قرآن ہے۔یا یہ دو حدیثیں جدا جدا ہوں اور کسی غلط فہمی کی بنا پر ان کو ایک کر دیا گیا ہو۔

ان ہر دو محدثین کی تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ''ویل للعرب'' والا جملہ شرور فتن سے متعلق ہے اور ''فتح ردم'' کے جملہ میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے۔اور یہ دونوں جملے اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ دونوں کے ایک ہی حادثے سے متعلق سمجھا جائے۔اور حافظ عمادالدین ابن کثیر اس بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے اور متردد ہیں کہ زیر بحث حدیث ''فتح من ردم یاجوج وماجوج'' میں فتح سے حقیقی فتح (کھل جانا) مراد ہے یا استعارہ ہے کسی آئندہ ایسے حادثہ سے جو یاجوج وماجوج کے ہاتھوں پیش آنے والا ہے اور جس کا اثر براہ راست عرب (حکومت قریش) پر پڑے گا لیکن کرمانی شارح بخاری بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اس پوری حدیث کو ایک ہی معاملہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں یاجوج وماجوج کے ایسے حادثہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ظہور قیامت کی علامت سے جدا اور درمیانی وقفہ میں پیش آنے والا ہے اور جو باعث ہوگا عرب کے زوال کا اور ''فتح ردم'' استعارہ ہے اس بات سے کہ جو حادثہ آئندہ رونما ہونے والا ہے اس کی ابتدا ہوگئی ہے اور یہ وہ حادثہ تھا کہ جو مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں ''فتنہ تاتار'' کے نام سے برپا ہوا اور جس نے عرب کا طاقت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔(عمدۃ القاری ج ۱۱)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یاجوج ماجوج قبائل کی اس تاخت وتاراج کے بعد جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ کے ضمن میں آیا ہے تاریخ میں ان قبائل کا پھر کوئی یادگار حملہ مذکور نہیں ہے۔

البتہ ساتویں صدی عیسویں میں ان کے لیے ذوالقرنین کی یہ روک بیکار ہوگئی اور انھوں نے بحر خزر اور بحر اسود کے اس درہ کے علاوہ جو ان پر بند کر دیا گیا تھا بحیرۂ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ پالیا ،نیز ادھر سد ذوالقرنین کے استحکامات میں بھی فرق آنا شروع ہوگیا تھا اور اس طرح ذوالقرنین کے بعد اب یاجوج ماجوج کے ایک نئے فتنے کا آغاز ہو چلا تھا اور صدیوں سے ان خاموش قبائل فتنہ جو میں پھر حرکت شروع ہوگئی تھی۔

لہذا نبی کریم ﷺ کو رویاء صادقہ میں یہ دکھا دیا گیا کہ اگرچہ ابھی وقت دور ہے جبکہ قیامت

Marfat.com

کے قریب تمام قبائل یاجوج ماجوج عالم انسانیت پر چھا جائیں گے لیکن وہ وقت قریب ہے جبکہ ذوالقرنین کے بعد ان کا ایک اہم خروج پھر ہوگا اور وہ عرب کی طاقت اور فرمانروائی کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اسی خروج کو اسی طرح حسّی طور پر دکھایا گیا کہ گویا (سد) دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہوگیا ہے اور آہستہ آہستہ وہ دیوار گر کر منہدم ہوجانے والی ہے۔

مرتب: یہ تاویل بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی ہے۔ رسول ﷺ کی زبان مبارک ابہام سے خالی ہوتی ہے۔

چنانچہ زمانہ نبوی کے بعد یہ وہ وقت تھا کہ ان قبائل میں سے منگولین قبائل نے اپنے مرکز سے نکل کر قرب جوار میں پھیلنا اور چھوٹے چھوٹے حملے کرنا شروع کر دیا تھا اور آخر کار چھٹی صدی ہجری میں چنگیز خاں ان کا قائد بن گیا اور اس نے منتشر قبائل کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا اور پھر اس کے بیٹے اوکتائی خاں نے ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اٹھ کر مغرب وجنوب پر حملہ کر دیا اور ۶۸۶ھ میں آخر کار ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی عرب خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور اس نے ''خلافتِ عربیہ'' کو تہہ وبالا کر ڈالا۔

تو یہ سمجھئے کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس خود علامات قیامت میں سے سب سے بڑی علامت ہے یعنی آپ خاتم النبیین ہیں اور پھر بھی قیامت کے وقت میں اور ذات اقدس میں کافی غیر متعین فاصلہ ہے اسی طرح یہ فتنہ تاتار بھی علامات قیامت ''خروج یاجوج وماجوج'' کا ابتدائی نشان ہوسکتا ہے اور جس طرح خروج دجال وقتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریبی علامات ہیں اسی طرح سورۂ انبیاء میں ذکر کردہ خروج یاجوج ماجوج بھی علامات قیامت میں سے قریبی اور آخری علامت یا شرط ہے پس ''فتح ردم'' میں ان کی ابتدائی حرکت کی جانب اشارہ ہے جو رویائے صادقہ کے وقت شروع ہوچکی تھی اور ''ویل للعرب'' اس نتیجہ کا اظہار ہے جو عرب حکومت کے خاتمہ پر منتج ہوا ہے۔

لیکن شیخ بدرالدین عینیؒ نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں کرمانی کے بیان کردہ اس قول کی تردید کی ہے جس کا حاصل یہ کہ تاتاری فتنے کا بانی چنگیز خاں اور اس کا بیٹا ہلاکو خاں تھا اور ان کو یاجوج ماجوج میں سے سمجھنا صحیح نہیں ہے لہٰذا اس حدیث کا مصداق اس فتنہ کو قرار دینا بھی غلط ہے بہر حال حدیث ''ویل للعرب'' کی ان مختلف توجیہات سے جب کہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس روایت کے مصداق کا تعین خود حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ محدثین نے قرائن اور الفاظ حدیث کی نشست کو پیش نظر رکھ

Marfat.com

کر اپنی جانب سے مصداق متعین کرنے کی سعی فرمائی ہے اور پھر اس میں بھی اختلاف رائے رہا ہے تو اب ان ہی کے بتائے ہوئے اصول کو سامنے رکھ کر ہم بھی کچھ کہنے اور حدیث زیر بحث کے مقصد کو متعین کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگر چہ دوسرے اقوال کی طرح وہ بھی غیر منصوص اور قابلِ ردو قبول ہوگا۔

حدیث زیر بحث میں مستقبل میں پیش آنے والے جس فتنہ اور شر کی خبر دی گئی ہے اس کے دو جملے بہت اہم ہیں ایک ''ویل للعرب من شر قد اقترب'' عرب کے لئے ہلاکت ہے اس شر سے جو بلاشبہ قریب آ گا ہے۔ اور دوسرا ''فتح الیوم من ردم یاجوج و ماجوج وحلق تسعین'' آج کے دن یاجوج ماجوج کی سد سے انگوٹھے اور انگلی کے گول دائرہ کی مقدار میں کھول دیا گیا ہے ''اور ان ہر دو جملوں کے درمیان واؤ عطف بھی نہیں ہے۔

لہذا الفاظ حدیث پر کافی غور وخوض کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مسطورہ بالا ہر دو اقوال کی گنجائش ہے۔ یعنی حدیث کا پہلا جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ایسے اہم شر کی اطلاع دے رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ عرب کے لئے سخت ہلاکت کا سامنا ہوگا اور ''خلافت قریش'' زوال پذیر ہو جائے گی۔

اور دوسرا جملہ یا پہلے جملے کی تائید میں پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امت میں جو اہم فتنے بپا ہونے والے ہیں اور جن کا ابتدائی اثر عرب کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ان فتنوں کے رونما ہونے کے لئے حسی علامت اس طرح سامنے آ گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج پر بنائی ہوئی مستحکم سد ذوالقرنین میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا اور اس کی شکست و ریخت ہونے لگی۔ گویا یہ رخنہ آئندہ اسلامی طاقت یا عرب طاقت میں جلد رخنہ پڑ جانے کے لیے ایک علامت ہے۔ چنانچہ یہ فتنہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے شروع ہو کر مختلف فتنوں کے بعد چند صدیوں میں قریشی حکومت کی ہلاکت و تباہی پر جا کر ٹھہرا اور اس طرح حدیث کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پس اس شکل میں ''فتح ردم'' آئندہ فتنوں اور شروں کے پیش آنے کی ایک علامت ہے جو امت اسلامی میں بپا ہو کر قرب قیامت میں موعود خروج یاجوج و ماجوج پر جا کر ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد دنیا کے درہم و برہم ہو جانے سے قیامت واقع ہو جائے گی۔

یا یوں کہیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی صرف تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے اور پہلا جملہ درحقیقت نتیجہ اور ثمرہ ہے دوسرے جملہ کا، اور مطلب یہ ہے کہ عرب (قریشی حکومت) کی ہلاکت کا وقت آ پہنچا، گویا یاجوج ماجوج کا وہ بند جو ذوالقرنین نے بہت مستحکم باندھا تھا اس میں اب رخنہ پڑ گیا

Marfat.com

اور معنیٰ اس میں شکست وریخت شروع ہوگئی اور یہ تمہید ہے اس فتنہ کی جو اسی جانب سے اٹھے گا اور قریشی حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔

پس اس تعبیر کے لحاظ سے تاتاری فتنہ کی وہ تاریخ سامنے لائی جائیگی جو گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حدیث کی بیان کردہ پیش گوئی کے مطابق اس فتنہ کی ابتداء دورِ رسالت کے بعد ہی سے شروع ہوگئی تھی اور پھر کس طرح وہ خلیفہ عباسی معتصم باللہ کے دور حکومت میں قریشی حکومت کے استیصال باعث ہوئی۔

پس ان دونوں جملوں کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس میں اس قدر وسعت تسلیم کر لی جائے کہ وہ محدثین کی بتائی ہوئی توجیہہ یعنی شرور وفتن کا شیوع کرمانی کا بیان کردہ ایک قول کے مطابق توجیہ "یعنی فتنہ تاتار کا وجود" ان دونوں توجیہات کو حاوی ہو سکے تو ایسا تسلیم کرنے میں نہ کوئی شرعی قباحت لازم آتی ہے اور نہ تاریخی، اور زیر بحث حدیث کا مصداق بہت زیادہ فہم کے قریب آجاتا ہے۔ (قصص القرآن سوم ص ۲۲۰ تا ۲۲۴)

مرتب: یہ توجیح حضرت قتادہ کی حدیث کہ انہوں نے اس دیوار کو دیکھا ہے اور حضور ﷺ کی اس کی تصدیق سے متضاد ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت:

(۱) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ فی السد قال :يحفرونه كل يوم حتى اذا كادوا يخرقونه قال الذی عليهم :ارجعوا فستخرقونه غدا، قال: فيعيده الله كامثل ما كان حتى اذا بلغ مدتهم واراد الله ان يبعثهم على الناس قال الذی عليهم :ارجعوا فستخرقونه غدا ان شاء الله واستثنى ، قال : فيرجعون فيجدونه كهيئته حين تركوه فيخرقونه و يخرجون على الناس فيستقون المياه و يفر الناس منهم فيرمون بسهامهم الى السماء فترجع مخضبة بالدماء فيقولون قهرنا من فی الارض وعلونا من فی السماء . قسوة و علوا . فيبعث الله عليهم نغفا فی اقفائهم فيهلكون . قال : فوالذی نفس محمد بيده ان دواب الارض تسمن و تبطر و تشكر شكرا من لحومهم " (ترمذی، ۳۱۵۳، ابن ماجہ: ۴۰۸۰، مسند احمد: ۱۰۶۹۰)

"سد ذوالقرنین کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج اس سد کو روزانہ کھودتے ہیں اور کھودتے کھودتے جب وہ دیوار ٹوٹنے کے قریب ہو جاتی

Marfat.com

ہے (اور سورج غروب ہونے لگتا ہے تو رات اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے) ان کا سردار کہتا ہے بس اب واپس چلو، کل تم اسے مکمل توڑ دو گے لیکن اللہ تعالیٰ اسے پھر ویسا ہی کر دیتا ہے۔

حتی کہ جب ان کا وقت موعود آپہنچے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوگا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے تو ان کے سردار کی زبان سے یہ جملہ نکلے گا بس اب واپس چلو کل تم اسے "انشاء اللہ" مکمل توڑ دو گے اس استثناء کے وجہ سے جب وہ لوگ اگلے دن لوٹ کر آئیں گے تو اسے اسی حال پر پائیں گے جس پر اسے چھوڑ کر گئے تھے۔

چنانچہ وہ اسے توڑ کر باہر نکل آئیں گے اور زمین کا سارا پانی پی جائیں گے اور لوگ ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے جو خون سے رنگین کر کے ان پر واپس لوٹا دئے جائیں گے یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم زمین و آسمان کی ساری مخلوقات پر غالب آگئے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گدی کے پاس ایک کیڑا مسلط کر دیں گے جس سے یہ ہلاک ہو جائیں گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ یاجوج ماجوج کا گوشت کھا کھا کر زمین کے کیڑے بھی موٹے اور بھاری بھرکم ہو جائیں گے"۔

نوٹ: یہ پوری حدیث خلاف درایت ہے۔ اول تو سمندر کا پانی پینے کا قابل نہیں ہوتا اور نہ ہی انسانوں کی اسقدر بڑی تعداد یاجوج ماجوج قرار دی جا سکتی ہے۔ بظاہر یہ ایک اسرائیلی روایت محسوس ہوتی ہے۔

فائدہ:

ضمنی طور پر تو اس حدیث کے سلسلے میں پہلے بھی کچھ معروض ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سنداً و متناً بھی اس روایت پر اعتراض ہے اور یہ بھی کہ راوی کی غلط فہمی کی وجہ سے اس روایت کو حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے لیکن یہاں اس پر کچھ تفصیلی بات کر لینا موقع کے مطابق ہی ہے۔

سند کے اعتبار سے جن حضرات نے اس روایت پر کچھ لے دے کی ہے، اس کی بنیاد امام ترمذیؒ کا یہ جملہ ہے۔

" هذا حديث حسن غريب انما نعرفه من هذاالوجه مثل هذا "

لیکن مولف سمجھتا ہے کہ صرف امام ترمذیؒ کا یہ جملہ اس حدیث کو قبول کرنے کے لئے وجہ اعتراض نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی نہیں جو امام ترمذیؒ کی سند بلکہ سنن

Marfat.com

ابن ماجہ میں اس کی سند کچھ اور ہے اور مسند احمد میں اس کی سند کچھ اور ہے اس لئے اگر ترمذی کی سند پر اعتراض وارد ہوتا بھی ہو تب بھی سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی سند بے غبار ہے پھر جب اس کے ساتھ امام حاکم اور علامہ البانی کی تصحیح کا حکم بھی مل جائے تو بات مزید پختہ ہو جاتی ہے۔

مرتب: لیکن یہی بات اس کے موضوع ہونے کا ثبوت سے بھی کہی جا سکتی ہے کہ واضعین نے یہ سب کچھ پلاننگ کے تحت کیا ہو۔

اب حضرت سیوہاریؒ کی اس عبارت کو ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے اس روایت کے متعلق فیصلہ کن حیثیت سے تحریر فرمائی ہے۔

''ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کی ان تصریحات کے بعد اس روایت کی حیثیت ایک اسرائیلی قصہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی لہٰذا مفسرین کا محض اس روایت کی بناء پر سورہ کہف کی زیر بحث آیات کی تفسیر کرنا کہ سد ذوالقرنین ٹھیک اس وقت ریزہ ریزہ ہو گی جبکہ اشراط ساعت میں سے موعود خروج یاجوج و ماجوج پیش آئے گا صحیح نہیں ہے''۔ (قصص القرآن سوم ص ۲۱۵)

حضرت سیوہاریؒ ہمارے سر کے تاج اور انتہائی قابل احترام شخصیت ہیں تاہم یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی محولہ بالا روایت پر حضرت نے ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کے حوالے سے جو اسرائیلی قصہ کا حکم لگایا ہے، یہ محل نظر ہے کیونکہ اتنی بات تو ابھی آپکی بصارت سے گزر چکی کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر اگر کوئی اعتراض کیا ہے تو وہ اس مخصوص سند پر کیا ہے جس سے انہوں نے روایت کی ہے، باقی دوسری اسناد پر وہ کوئی حکم نہیں لگا سکے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے ''حسن غریب'' کہا ہے۔

مرتب: مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس حدیث کی نوعیت کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ کعب احبار سے تو یہ روایات قصوں کے طور پر بتاتی ہیں۔ حدیث (تو اس کو واضعین نے بنایا ہے اور واضعین ہمیشہ ثقہ راویوں کو ہی بنیاد بناتے ہیں اس لیے اس کو حدیث ہی تسلیم نہیں کرنا چاہے المہ کرام علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے احادیث کو صرف راویوں کی بنیاد پر تولتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ ان کو درایت پر بھی پرکھتے ہیں۔ رہا مفسرین تو وہ تو کسی پیمانے پر بھی نہیں پرکھتے۔ امام ترمذی کے نزدیک حسن غریب کے بعد یہ مسئلہ مسلمہ ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں)

اسی طرح امام احمد کی اس سلسلے میں کوئی تصریح منقول نہیں ہے باقی حضرات نے امام احمد کی جس تصریح کا ذکر فرمایا ہے وہ ابن کثیرؒ کی عبارت سے ماخوذ ہے اور ابن کثیرؒ کی عبارت اس سلسلے میں یہ

Marfat.com

ہے۔

" ویئوید ماقلناہ من انھم لم یتمکنو امن نقبه ولا نقب شئی منه ومن نکارۃ هذا المرفوع قول الامام احمد " (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۱)

" اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ یاجوج ماجوج سد ذوالقرنین میں مکمل یا جزوی طور پر نقب نہیں لگا سکے نیز یہ کے اس مرفوع روایت میں نکارت پائی جاتی ہے اس کی تائید امام احمد کے قول سے بھی ہوتی ہے "۔

لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے امام احمد کا وہ قول نقل نہیں فرمایا جس سے ان کے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہو بلکہ اس کے بعد حضرت زینب بنت جحشؓ کی وہ روایت نقل فرمائی ہے جو قبل ازیں آپ پڑھ آئے ہیں اور اس کی سند پر وہ اعتراض کیے ہیں جن کا تذکرہ اور جواب ہم ذکر کر چکے ہیں، پھر امام احمدؒ اس حدیث کو اسرائیل قصہ قرار بھی کیسے دے سکتے ہیں جبکہ خود انہوں نے اپنی مسند صحیح کے ساتھ اس تخریج کی ہے اور امام حاکم اور علامہ البانیؒ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے؟

باقی رہے علامہ ابن کثیرؒ تو ان کے قول سے اس لئے استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ اس حدیث پر ان کے اعتراض کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور کعب احبار کی باہمی مجالس خوب رہا کرتی تھیں اس لئے ممکن ہے کہ کعب احبار نے یہ اسرائیلی قصہ بیان کیا ہو اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے آگے یوں ہی بیان کر دیا ہو، بعد کے لوگ اسے حدیث سمجھ بیٹھے ہوں۔

اولاً تو علامہ ابن کثیرؒ کا "امکان" پر بنیاد رکھنا ہی ناقابل فہم ہے کیونکہ اگر "امکان" کو لیکر بحث کی جائے تو حضرت ابو ہریرہؓ ہی نہیں بلکہ ان تمام صحابہؓ کی وہ روایات "جو کعب احبار سے بھی منقول ہوں" مشکوک ہو جائیں گی۔

ثانیاً اگر اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ روایت کعب سے سن کر بیان کی ہے کیونکہ خود کعب سے بھی اس مضمون کی روایت مروی ہے تو پھر ہمیں کعب کی روایت پر محدثین کا فیصلہ معلوم کرنا چاہئے اور اگر اس سلسلے میں ہمیں علامہ ابن کثیرؒ ہی کا کوئی فیصلہ مل جاتا ہے تو "نور علی نور" کا مصداق ہو گا اور معمولی جستجو سے ہمیں امام ابن کثیرؒ کا اپنا فیصلہ مل گیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

" وھذا من احسن سیاقت کعب الاحبار لما شھد له من صحیح الاخبار "
(ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۳)

Marfat.com

''کعب احبار کے بہترین سیاقت میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے کیونکہ صحیح روایات سے بھی اس کے شواہد ملتے ہیں''۔

علامہ ابن کثیرؒ نے یہ فیصلہ سترہویں پارے میں اسی مضمون کی ''ابن ابی حاتم کے حوالے سے'' کعب احبار کی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے اس لئے اس مسئلہ میں حافظ ابن کثیرؒ کے فیصلے پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس تصفیہ کے بعد اب مؤلف کے ذمے دو چیزیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ حضرت سیوہاریؒ نے علی سبیل التنزیل مذکورہ روایت پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''اور اگر ان کی تفسیر کا یہ حصہ صحیح مان لیا جائے تو پھر بھی وہ مذکورہ بالا روایت کے تسلیم کر لینے کے بعد قرآن عزیز کی آیت کے تعارض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے اس لئے کہ قرآن عزیز (کہف) میں سد کے متعلق ذوالقرنین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے ''فما استطاعوا ان یظھروہ وما استطاعوا له نقبا'' اور اس کا مطلب تمام مفسرین نے بالاتفاق یہ بیان کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس سد میں کسی قسم کے ردوبدل پر قادر نہیں ہیں'' (قصص القرآن سوم ص ۲۱۶)

حضرت کا منشا غالباً یہ ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے ''جس کے مطابق یاجوج ماجوج سد سکندری کو کھود کھود کر گرنے کے قریب کر دیتے ہیں'' تو پھر قرآن کریم کی اس آیت سے تعارض پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مطابق و یاجوج ماجوج اس میں سوراخ بھی نہیں کر سکتے؟ سو اس سلسلے میں سب سے واضح ترین بات یہ ہے کہ اس مبحث میں خود حضرت سیوہاریؒ نے بار بار اس بات کو تسلیم فرمایا ہے کہ ان آیات مبارکہ میں ذوالقرنین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے درمیان میں صرف ''وترکنا بعضھم'' والی آیت اللہ تعالیٰ کا اپنا مقولہ ہے اور ذوالقرنین نے بھی اپنی تعمیر کردہ دیوار کی مضبوطی پر اظہار اعتماد اور ان لوگوں کو تسلی دینے کے لئے جملہ کہا تھا اس لئے ذوالقرنین کا کہا ہوا یہ جملہ حدیث کے متعارض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مضامین کی ترتیب سے اپنے بیانات نہیں کرتا وترکنا کا جملہ یوم قیامت سے متعلق ہے اور مردوں کے قبروں سے نکلنے کا تذکرہ ہے نہ کہ یاجوج ماجوج کا جس کا ثبوت یہ پوری آیت اور آیت نمبر ۱۰۰ ہے اس لئے یہ دلیل نامناسب ہے۔

بالخصوص جبکہ آیت مبارکہ کا واضح ترین مطلب یہ بن سکتا ہو کہ اب یاجوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ کر اسے پھاند سکیں گے اور نہ ہی کوئی سوراخ کر کے اس دیوار کو توڑ سکیں گے کہ تم تک پہنچ سکیں اس اعتبار سے پہاڑ کے اس طرف رہنے والوں کے لئے تسلی کے یہ کلمات حدیث کا متعارض

Marfat.com

کیونکر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حدیث بھی اس مضمون کو ثابت نہیں کرتی کہ یاجوج ماجوج کے اس دیوار کو کھودنے سے پہاڑ کے دوسری طرف رہنے والوں کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں رہتا اور سب چیزیں اپنی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں۔

۲۔ اس روایت کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد منطقی طور پر یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ جدید سائنسی آلات اور کمپیوٹر وانٹرنیٹ کی یہ دنیا سیٹلائیٹ کے ذریعے زمین کے ایک ایک کونے کو چھان چکی ہے انسے تو یہ دیوار کہیں نہیں ملی؟ سو اس کا جواب ہم حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی عبارت سے پیش کرتے ہیں، حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

"وبعد، فان العلم بيد الله المتعال، واما من زعم انه قد احاطه بوجه الارض كلها علما ولم يترك موضعا الا وقد شاهد حاله فذلك جاهل، فانهم قد اقروا بان كثيرا من حصص الارض باقية لم تقطعه بعد اعناق المطايا" (فیض الباری ج۶ص۲۶)

"حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے، باقی جس شخص کا یہ گمان ہو کہ اس نے اسے مکمل روئے زمین کا علم اپنے ذہن میں محیط کر لیا ہے اور اس نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جس کا مشاہدہ اس نے نہ کیا ہو تو وہ جاہل ہے کیونکہ خود اہل یورپ کو اس بات کا اقرار ہے کہ اب بھی زمین کے بہت سے حصے ایسے باقی ہیں جن تک ہم تاحال کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکے"۔

مرتب: یہ بات مولانا کے زمانے میں تو درست تھی اب تو زمین کا ہر حصہ زیر نظر ہے خصوصاً سد ذوالقرنین جس کی حضرت قتادہ کے ایک مشاہدے کی روایت بھی باب الفتن میں موجود ہے۔ اور مولانا آزاد اور حضرت سیوہاروی کی تحقیقات کے بعد تو اس کی تلاش دشوار نہیں رہی ہے۔ قرآن کے قول پر اپنی رائے کے حق میں کوئی دلیل جو خود موضوع محسوس ہوتی ہے لانا تو خود ایک گناہ ہے۔ یہ امر زیادہ بہتر تشریح ہے کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اسرائیلی روایت ہے جس کے بعد یہ تمام بحث بیکار ہو جاتی ہے کسی حدیث کو صرف روایات پر ہی نہیں دیکھنا چاہئیے اس کی امکانی صورت پر بھی غور کرنا چاہئیے۔

فائدہ:

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت زینب بنت جحشؓ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت:

(۱) "عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال: يقول الله تعالى: يا آدم

Marfat.com

فيقول لبيک و سعديک ، والخير في يديک ، فيقول : اخرج بعث النار قال : وما بعث النار ؟ قال من كل الف تسعمائة و تسعة و تسعين ، فعنده يشيب الصغير ، وتضع كل ذات حمل حملها و ترى الناس سكرى وما هم بسكرى ولكن عذاب الله شديد قالوا : يا رسول الله ! واينا ذلک الواحد ؟ قال : ابشر وا فان منكم رجل ومن ياجوج و ماجوج الف ثم قال : والذى نفسي بيده انى ارجوان تكونو اربع اهل الجنة فكبرنا ، فقال : ارجوان تكونوا ثلث اهل الجنة فكبرنا ، فقال : ارجوان تكونوا نصف اهل الجنة فكبرنا ، فقال : ماانتم في الناس الا كالشعرة السوداء في جلد ثور ابيض ، او كشعرة بيضاء في جلد ثور اسود " (بخاری:۳۳۴۸،مسلم۵۳۲، مسند احمد ۱۱۳۰۶)

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الاسلام سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے لبیک و سعدیک والخير في يديک، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''بعث النار'' کو نکال لو آدم علیہ السلام عرض کرینگے بعث النار سے کیا مراد ہے؟ اللہ فرمائیں گے ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنّم کے لئے نکال لو یہ سنتے ہی بچّے بوڑھے ہو جائیں گے، حاملہ عورتوں کو وضع حمل ہو جائیگا اور لوگ مدہوش دکھائی دینگے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن حقیقت یہ کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ایک نجات پانے والا ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا کہ خوش ہو جاؤ کہ وہ ایک تم میں سے ہی ہوگا باقی ہزار یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے، پھر فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم لوگ تعداد میں اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہوگے یہ سن کر ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر حضور اکرم صلعم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہوگے ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا حضور صلعم نے فرمایا کہ تم آدھے اہل جنت ہوگے ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا اس کے بعد ارشاد ہوا تم تو لوگوں میں ایسے پہچانے جاؤ گے جیسے سفید بیل کے جسم پر سیاہ بال یا سیاہ بیل کی کھال پر سفید بال پہچانے جاتے ہیں۔

مرتب: اس حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے قیامت تک کی آبادی میں اہلِ جنّت صرف ۱۰۰۰/۱ حصہ ہوں گے اور ۹۹۹ حصہ جہنمی۔ تو پھر جنت میں یہ تعداد چوتھائی رتہائی یا نصف کس طرح ہو جائیگی خود متضاد ہے۔ غور فرمائیں کہ کیا یہ بات دینی تاریخ میں درست قرار پائیگی اور کیا ان اعتبار سے

Marfat.com

ساری دنیا یاجوج ماجوج شمار ہو جائیگی۔ لہذا اسکے مضمون کا اسرائیلی روایت ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہونا چاہیئے۔

(۲) "عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال :لیحجن البیت ولیعتمرن بعد خروج یاجوج ماجوج" (بخاری:۱۵۹۳،مسند احمد:۱۱۲۳۵)

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا خروج یاجوج ماجوج کے بعد بھی بیت اللہ کا حج وعمرہ کیا جاتا رہے گا"

مرتب: اب اس کے ساتھ غور فرمائیں حدیث انہدام بیت اللہ، اور پھر اس حدیث کی حقیقت پر بھی غور فرمائیں۔

(۳) "عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال :یفتح یاجوج و ماجوج فیخرجون کما قال الله تعالیٰ وهم من کل حدب ینسلون ،فیعمون الارض ،وینحازمنهم المسلمون ،حتی تصیر بقیة المسلمین فی مدائنهم و حصونهم ،ویضمون الیهم مواشیهم ،حتی انهم لیمرون بالنهر فیشربو نه حتی مایذرون فیه شیأً فیمر آخرهم علی اثر هم فیقول قائلهم :لقد کان بهذا المکان مرة ماء ویظهرون علی الارض فیقول قائلهم :هولاء اهل الارض قدفر غنا منهم ،ولننا زلن اهل السماء حتی ان احدهم لیهذ حربته الی السماء فترجع مخضبةبالدم ، فیقولون : قد قتلنا اهل السماء فبیناهم کذلک اذبعث الله دواب کنغف الجراد ،فتاخذا اعناقهم فیموتون موت الجراد ،یرکب بعضهم بعضا فیصبح المسلمعون لا یسمعون لهم حسا ، فیقولونا : من رجل یشری نفسه وینظر ما فعلوا ؟ فینزل منهم رجل قد وطن نفسه علی ان یقتلوه ، فیجدهم موتی ، فینا دیهم : الاابشروا ، فقد هلک عدو کم ، فیخرج الناس و یخلون سبیل مواشیهم فما یکون لهم رعی الالحومهم ، فتشکر علیها کا حسن ماشکرت من نبات اصابته قط" (ابن ماجہ: ۴۰۷۹)

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب یاجوج و ماجوج کو کھولا جائے گا اور وہ حسب ارشاد خداوندی ہر بلند مقام سے پھسلتے ہوئے نکلیں گے تو دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر پھیل جائیں گے اور مسلمان ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی

Marfat.com

اپنے ساتھ ہی قلعوں میں داخل کرلیں گے۔

ایک نہر پران کا گزر ہوگا تو وہ سارا پانی پی جائیں گے اوراس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑیں گے، ان کا آخری حصہ جب وہاں سے گزرے گا تو ان میں سے ایک آدمی کہے گا کہ کبھی یہاں بھی پانی ہوتا ہوگا۔

بہرحال! وہ زمین والوں پر غالب آجائیں گے، پھران میں سے ایک آدمی کہے گا کہ ان اہل زمین سے تو ہم فارغ ہو گئے اب آسمان والوں کو نیچے اتارتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک اپنا نیزہ آسمان کی طرف گھما کر پھینکے گا جسے خون سے رنگ کرلوٹا دیا جائے گا، وہ لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کو بھی قتل کردیا، ابھی وہ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے کیڑے ان پر مسلط فرمادیں گے جو ٹڈی دل کو لگ جاتے ہیں، وہ کیڑے ان کی گردن قابو میں کرلیں گے اور وہاں گلٹیاں نکل آئیں گی اور وہ ٹڈی دل کی طرح اس سے موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اور کثرت صورت حال یہ ہوگی کہ ایک، دوسرے کے اوپر سوار ہوگا۔

جب اگلے دن صبح ہوگی اور مسلمان ان کی کوئی آہٹ نہ سنیں گے تو آپس میں کہیں گے کہ کون اپنی جان کی بازی لگا کر یہ دیکھ کر آئے گا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ یہ سن کر ان میں سے ایک آدمی ”جو اس بات کا یقین کر چکا ہوگا کہ یاجوج و ماجوج اسے پکڑ کر قتل کردیں گے“ نیچے اترے گا تو وہ ان سب کو مردہ حالت میں پائے گا۔

وہ خوشی سے آواز لگائے گا کہ تمہیں خوش خبری ہو کہ تمہارا دشمن اپنے انجام کو پہنچ چکا، یہ سن کر لوگ نیچے اتر آئیں گے اور اپنے جانور چرنے کے لئے چھوڑ دیں گے جن کے چرنے کے لئے یاجوج و ماجوج کا گوشت ہی ہوگا جسے کھا کر وہ خوب صحت مند ہوجائیں گے۔“

فائدہ:

اس حدیث کا مفہوم تو واضح ہے البتہ چند نکات قابل فکر ہیں۔

(۱) اس حدیث میں یاجوج و ماجوج کا جس نہر پر گزرنا اور اس کا پانی پی جانا مذکور ہے بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بحیرہ طبریہ ہوگا جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

(۲) حدیث کے اس جملہ ”حتی کہ باقی ماندہ مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں میں بند ہوجائیں گے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے مکین بھی اپنے آپ کو شہروں اور قلعوں میں محفوظ کرلیں گے ظاہر ہے کہ انسان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ عبادت رب کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اس لئے

Marfat.com

اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت بھی کم از مقامی لوگ ہی حج و عمرہ کی ادائیگی کریں گے۔

(۴) یاجوج و ماجوج کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔

یہ پوری حدیث غیر حقیقی ہے اور کوہ طور کا ذکر ہی اسے اسرائیلی روایت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے نیز یہ درائیت پر پوری نہیں اترتی۔ کیا مسلمان اتنے کم ہونگے کہ وہ شہروں میں بند ہو جائیں گے اور کیا یاجوج و ماجوج سے شہر بچ جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ واضعین حدیث نے ابوسعید کی طرف سے یہ حدیثیں گڑھ دی ہیں۔

حضرت حزیفہ بن اسیدؓ کی روایت:

"عن حذیفة بن اسید الغفاری قال : اطلع النبی ﷺ علینا و نحن نتذاکر ، فقال : ما تذکرون ؟ قالوا: نذکر الساعة ، قال : انها لن تقوم حتی ترون قبلها عشر آیات ، فذکر الدخان ، والد جال ، والدابة ، وطلوع الشمس من مغربها و نذول عیسی ابن مریم ، ویاجوج وماجوج ، وثلاثة خسوف : خسف بالمشرق ، وخسف بالمغرب ، و خسف بجزیرة العرب و آخر ذلک نار تخرج من الیمن تطر دالناس الی محشرھم " (مسلم:۷۲۸۵:ابوداؤد:۴۳۱۱،ترمذی:۲۱۸۳،ابن ماجہ،۴۰۵۵،مسند احمد: ۱۶۲۴۰)

"حضرت حذیفہ بن اسید الغفاریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے، ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے، حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک اس سے پہلے دس بڑی بڑی نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی۔

۱۔ دھواں ۔۲۔ دجال ۔۳۔ دابتہ الارض ۔۴۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔۵۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام ۔۶۔ یاجوج و ماجوج اور تین مرتبہ زمین میں دھنسنے کا واقعہ۔۷۔ مشرق میں خسف کا واقعہ۔۸۔ مغرب میں دھنسنے کا واقعہ۔۹۔ جزیرہ عرب میں دھنسنے کا واقعہ۔۱۰۔ اور سب سے آخری علامت وہ آگ ہے جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر میں جمع کر دیں گی"۔

فائدہ:

یہ روایت مسلم شریف سے نقل کی گئی ہے دوسری کتب حدیث "جن کا حوالہ دیا گیا ہے" میں مضمون تو یہی ہے لیکن الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی ہے۔

Marfat.com

اس حدیث میں قیامت کی دس بڑی اور اہم علامات بیان فرمائی گئی ہیں جن میں خروج یاجوج وماجوج بھی شامل ہے۔

مرتب: خروج یاجوج و ماجوج کونمبر دو اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کونمبر ایک دید یجئے حدیث درست ہو جائے گی۔

حضرت نواس بن سمعان کی روایت:

''حضرت نواس بن سمعانؓ سے (ایک طویل حدیث میں جو خروج وقتل دجال سے متعلق ہے ، نبی کریم ﷺ کے حوالے سے) مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الاسلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا، میں اپنے ایسے بندوں کو نکالنے والا ہوں جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہین ہے اس لئے آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر لے جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو بھیج دے گا جو ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے محسوس ہوں گے۔

مرتب: (کیا یاجوج و ماجوج کے لئے کوہ طور پر پہنچنا ناممکن ہوگا اور کیا مسلمان اس قدر کم ہوں گے کہ کوہ طور پر سما جائیں گے۔ یہ دونوں باتیں غیر حقیقی محسوس ہوتی ہیں۔

یاجوج وماجوج کا پہلا گروہ جب بحیرہ طبریہ کے پاس سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے گا اور آخری گروہ وہاں سے گزرتے ہوئے کہے گا کبھی یہاں بھی پانی ہوتا ہوگا، الغرض! یاجوج و ماجوج کی اس کثرت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے رفقاء کوہ طور پر محصور ہو کر رہ جائیں گے، کھانے پینے کا سامان اتنا کم ہو جائے گا کہ آج کے سو دینار کے مقابلے میں اس دن بیل کی سری بہتر سمجھی جائے گی۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گلٹیاں پیدا کر دے گا اور سب کے سب اس سے ایسے ہو جائیں گے کہ گویا ان کی اتنی تعداد ہی نہ تھی بلکہ یہ کوئی ایک آدمی تھا جو اتنی آسانی سے مر گیا، اس کے بعد اللہ کے نبی عیسیٰ السلام اپنے رفقاء کے ساتھ زمین پر اتر آئیں گے لیکن زمین میں ایک بالشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں کے تعفن اور بدبو سے خالی ہو۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رفقاء کے ساتھ دوبارہ دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرندوں کو بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر وہاں پھینک آئیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جس سے کوئی کچا پکا گھر محروم نہ رہے گا اور ساری زمین

Marfat.com

ڈھل کر شیشے کی طرح صاف ہو جائے گی۔

مرتب: حضرت ابو سعید خدری اور اس روایت میں تضاد ہے وہاں جانوروں کا گوشت کھانے کا ذکر ہے۔

پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ تو اپنے ثمرات اگا اور اپنی برکات کو واپس لوٹا، چنانچہ اس زمانہ میں ایک انار ایک پوری جماعت کھا سکے گی اور اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے اسی طرح دودھ میں بڑی برکت ہوگی حتی کہ ایک اونٹنی کا دودھ بہت بڑی جماعت کے لئے، ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لئے اور ایک بکری کا دودھ پورے خاندان کے لئے کافی ہوا کرے گا۔

ابھی حالات ایسے ہی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا چلائے گا جس سے تحت الابط (بغل کے نیچے) کوئی بیماری ظاہر ہوگی اور ہر مسلمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور صرف اشرار رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح برسر عام بدکاری کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی"۔ (مسلم: ۸۳۸۳، ترمذی: ۲۲۴۰، ابن ماجہ: ۴۰۷۵، مسند احمد: ۱۸۸۸۹)

<u>فائدہ:</u>

اس حدیث سے متعلق چند باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ اس حدیث کے راوی حضرت نواس بن سمعانؓ پر بہت سے لوگوں نے مختلف نوعیتوں کے اعتراضات وارد کئے ہیں ان کی تفصیل و جواب کے لئے مولف کی کتاب "فتنہ دجال قرآن و حدیث کی روشنی میں" ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد کی یہ طویل ترین روایت کا ایک حصہ ہے اس سے قبل حضور اقدس ﷺ نے خروج دجال، فتنہ دجال، قتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ الاسلام کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۳۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی متعلقہ روایتوں میں اضافہ بھی ہے "جو مسلم میں نہیں" کہ یاجوج و ماجوج اپنے خروج کے بعد روئے زمین پر غالب آجائیں گے اور حماقت سے آسمان پر تیر برسائیں گے۔

۴۔ اس حدیث میں یہ بھی معلوم ہوا کہ یاجوج و ماجوج سے مقابلہ انسان کے بس سے باہر ہے، حدیث کی اس وضاحت کو جب قرآن کریم سے ملا کر دیکھا جاتا ہے تو سمجھ میں آتا ہے کہ آخر سد ذوالقرنین تعمیر سے قبل یاجوج و ماجوج کی قتل و غارت گری سے ان کے ہمسائے اتنے تنگ کیوں تھے؟

Marfat.com

ظاہر ہے جب ان سے مقابلہ کرنا ان کی طاقت سے خارج تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت بھی فرماتے ہیں اس لئے بادی النظر میں ذوالقرنین کے ذریعہ یہ خدمت لے لی۔

(۲) "عن النواس بن سمعان يقول : قال رسول الله ﷺ سيو قد المسلمون من قسي ياجوج و ماجوج و نشابهم واترستهم سبع سنين "(ابن ماجہ:۴۰۷۶)

"حضرت نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے کہ نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا عنقریب مسلمان یاجوج و ماجوج کے تیر کمان اور ڈھال سات سال تک جلائیں گے"۔

مرتب: یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اب تیر کمان کا دور کہاں ہیں اور اب لکڑی کب جلائی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت:

(۱) "عن عبد الله بن مسعود قال : لما كان ليلة اسرى برسول الله ﷺ لقى ابراهيم و موسى و عيسى ، فتذاكروا الساعة فبدأ و ا بابراهيم فسالوه عنها فلم يكن عنده منها علم ، فردالحديث الى عيسى ابن مريم فقال : قد عهدالى فيما دون وجبتها ، فاما وجبتها فلا يعلمها الا الله ، فذكر خروج الدجال قال : فانزل فاقتله فيرجع الناس الى بلادهم ، فيستقبلهم ياجوج و ماجوج وهم من كل حدب ينسلون ، فلا يمرون بماء الا شربوه و لا بشى الا افسدوه فيجارون الى الله فادعو الله ان يميتهم ، فتنتن الارض من ريحهم فيجا رون الى الله فادعو الله فيرسل اسماء بالماء ، فيحملهم فيلقيهم فى البحر ثم تنسف الجبال و تمدا الارض مدالا ديم فعهد الى متى كان ذلک كانت الساعة من الناس كالحامل التى لا يدرى اهلها متى تفجؤها بولادها "(ابن ماجہ:۴۰۸۱،مسند احمد:۳۵۵۶)

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ شب معراج حضور اقدس ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، باتوں باتوں میں قیامت کا تذکرہ چھڑ گیا، چنانچہ سب نے مل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ان سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا لیکن ان سے اس کا جواب نہ مل سکا پھر حضرت موسیٰ علیہ الاسلام سے پوچھا تو انہوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الاسلام سے رجوع کیا تو وہ فرمانے لگے۔

اللہ نے مجھ سے ایک عہد فرما رکھا ہے لیکن وہ اس کے حتمی وقت سے متعلق نہیں کیونکہ قیامت کا حتمی علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ الاسلام نے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ میں

Marfat.com

اتر کر اسے قتل کروں گا اور لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس جارہے ہونگے کہ سامنے سے یاجوج و ماجوج آتے ہوئے دکھائی دیں گے جو ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے محسوس ہونگے۔

مرتب: یہ حصہ سابقہ حدیث سے متضاد ہے۔

پانی کی جس جگہ سے ان کا گزر ہوگا اسے پی کر ختم کردیں گے اور جس چیز پر بھی گزریں گے اسے برباد کردیں گے، لوگ اللہ سے التجائیں کریں گے اور میں بھی اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ ان سے ہمارا پیچھا چھڑا دے (چنانچہ وہ سب مرجائیں گے) اور ان کے گوشت کی بدبو سے زمین متعفن ہو جائے گی، لوگ پھر اللہ سے دعا کریں گے اور میں بھی دعا کروں گا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا اور ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے، پہاڑ دھن دیئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی۔

میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ جب یہ واقعہ ہو جائے گا تو لوگوں پر قیامت آنے کی مثال اس حاملہ کی سی ہوگی جس کے گھر والوں کو کچھ معلوم نہیں کہ کب اچانک اس کے یہاں ولادت ہو جائے گی''؟ (یہ پوری روایت اسرائیلی ہے اور متضاد الوقت ہے)

(۲) ''عن عبد الله بن مسعود انه ذكر خروج الدجال و نزول عيسى ابن مريم وقتله الدجال، قال: ثم يخرج ياجوج و ماجوج فيموجون في الارض فيفسدوا فيها قال: ثم قرا عبدالله و هم من كل حدب ينسلون قال: فيعث الله عليهم دابة مثل هذا النغف فتلج في اسما عهم و منا خر هم، فيموتون منها، فتنتن الارض منهم تفجار الى الله فيطهر الله الارض منهم''(الفتن:۳۵۲)

''حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ ایک مرتبہ خروج دجال، نزول عیسی علیہ السلام اور قتل دجال کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا اور وہ زمین میں سمندر کی موجوں کی طرح پھیل کر فساد بپا کردیں گے اس کے بعد انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی ''وھم من کل حدب ینسلون'' اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایک کیڑا مسلط فرمادیں گے جو ان کے کانوں اور ناک کے نتھنوں میں گھس جائے گا اور وہ سب مرجائیں گے، ان کی بدبو سے زمین میں تعفن پیدا ہو جائے گا، اسے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کی لاشوں سے زمین کو پاک صاف کردیں گے۔

نوٹ مرتب: یہ سابقہ احادیث سے متضاد ہے۔

Marfat.com

فائدہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور صحابہ کرامؓ کے بارے یہ اصول اور ضابطہ ہے کہ اگر وہ کوئی ایسی بات بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی ذکر نہ کریں جو انسان اپنی عقل کی مدد سے معلوم کرنا چاہے اور وہ معلوم نہ ہو سکے تو سمجھا جائے گا کہ یہ صحابی کی اپنی بات نہیں بلکہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو انہوں نے نبی ﷺ سے سنا اور نقل کر دیا ہے اس اعتبار سے اگرچہ اس روایت میں حضور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی مذکور نہیں لیکن اسے حضور ﷺ ہی کا فرمان سمجھا جائے گا۔

(۳) "عن ابن مسعود مرفوعاً: ان یاجوج و ماجوج اقل مایترک احدھم من صلبہ الفامن الذریۃ"۔ (روح المعانی ج۹ ص۵۲ بحوالہ صحیح ابن حبان)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ یاجوج ماجوج میں سے ہر آدمی اپنے پیچھے اپنی اولاد میں کم از کم ایک ہزار افراد چھوڑ کر جاتا ہے۔"

مرتب: ان کا مطلب یہ ہے کہ یاجوج ماجوج آج بھی موجود ہیں مزید براں یہ امر خلاف حقیقت ہے کسی ایک نسل میں آبادی کی تعداد چند سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

فائدہ:

علامہ آلوسیؒ نے یہ روایت صحیح ابن حبان کے حوالے سے اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہے اور اس سے ان کا مقصد یاجوج ماجوج کی کثرت تعداد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جس کی فی الجملہ تائید قرآن کریم اور دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت:

"عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: امتی امۃ مرحومۃ لاعذاب علیھا فی الآخرۃ، عذابھا فی الدنیا الزلازل والبلاء فاذا کان یوم القیمۃ اعطی اللہ کل رجل من امتی رجلا من الکفار من یاجوج و ماجوج، فیقال: ھذا فداؤک من النار، فقال رجل: یارسول اللہ این القصاص؟ فسکت" (الفتن ص ۳۵۳ وصححہ الالبانی)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت، امت مرحومہ ہے، اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہ ہوگا، اس کا عذاب دنیا میں زلزلوں اور مصائب کی صورت میں ہو جاتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ میری امت کے ہر آدمی کو یاجوج ماجوج

Marfat.com

میں اسے ایک کافر دیکر فرمائیں گے کہ یہ تیرا جہنم سے بچاؤ کا فدیہ ہے، ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر قصاص کہاں جائے گا؟ لیکن حضور ﷺ نے اس کا کوئی جواب دینے کی بجائے سکوت اختیار فرمایا۔"

مرتب: یہ حدیث مبہم ہے اور پہلی سے متضاد ہے۔ مسلمان تو یاجوج ماجوج کی موت کے بعد ہی کوہ طور سے نازل ہونگے تو اس طرح تو مسلمانوں اور یاجوج ماجوج کی تعداد برابر ہو جائیگی۔

فائدہ:

امت مسلمہ "جسے امت محمدیہ علی صاحبھا الوف صلوات وتحیات ہونے کا شرف حاصل ہے" کے لئے یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کی خاطر ان کی امت سے آخرت کے عذاب کو ٹال دیا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب ہم بالکل آزاد ہیں، ہمیں عبادات، اخلاقیات، معاشرات وعقائدہ کے سلسلے میں کھلی چھٹی ہے۔ بلکہ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تو اور زیادہ اللہ کی مان کر اپنی زندگی کو گذارنا چاہیئے تا کہ اس کے انعامات میں مزید اضافہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت:

"عن وھب قال: سمعت عبداللہ بن عمرو بن العاص یذکر یاجوج ماجوج فقال: مایموت الرجل منھم حتی یولد من صلبہ الف، وان من ورائھم لثلاث امم مایعلم عددھم الا اللہ: منسک، وتاویل، وتاریس" (الفتن ص ۲۵۲)

"وہب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو یاجوج ماجوج کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کی صلب سے ہزار فراد پیدا نہ ہو جائیں اور ان کے علاوہ بھی انکی تین قومیں ہیں جن کی تعداد اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کے نام منسک، تاویل اور تاریس ہیں"

فائدہ:

بظاہر یہ روایت اسرائیلیات میں سے معلوم ہوتی ہے اور اگر اس کے لئے مولف کے پاس صرف الفتن کا حوالہ ہوتا تو وہ شاید اس روایت کو اوراق کتاب میں محفوظ کرنے پر کبھی راضی نہ ہوتا لیکن اسے اپنی رائے اس وقت بدلنی پڑی جب اس کے مزید شواہد حوالہ جات بھی مل گئے، چنانچہ اس روایت کو حاکم نے مستدرک ۴/۵۴۵، طبرانی نے معجم اوسط ۸/۲۶۷ ابن حبان نے اپنی صحیح ۱۵/۲۴ اور ہیثمی نے موارد الظمان ۱/۴۷۰ میں بھی روایت کیا ہے، جس سے اس کا مضمون قابل اعتماد ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت اسلمؓ کی روایت:

''عن زید بن اسلم عن ابیہ قال: ان رسول اللہ ﷺ قال: ان یاجوج وماجوج حین یخرجون، یخرج اولھم بالبحیرۃ، بحیرۃ طبریۃ فیشربونھا، ثم یاتی آخرھم علیھا فیقولون: کانہ کان ھھنامرۃ ماء، فاذا غلبوا علی الارض قالوا: قد غلبنا علی الارض تعالوانقاتل اھل السماء فقالوا: یارسول اللہ سحابا یقال لھا: العنان وکذلک اسمہ عند اللہ فیرمونہ بنبالھم، فتسقط نبالھم مختضبۃ دما فیقولون: قد قتلنا اللہ، واللہ قاتلھم فیمکثوا ماشاء اللہ فیوحی اللہ تعالی الی السحاب فتمطر علیھم دودا کالنغف نغف الابل، تخرج منھا فتاخذ کل واحدۃ فی عنق واحد منھم فتقتلہ فبیناھم علی ذلک اذقال رجل من المسلمین: افتحوا الی الباب اخرج انظر مافعلوا اعداء لعل اللہ یکون قد اھلکھم، فیخرج فاذا جاءہم ولیجدھم قیاما موتی بعضھم علی بعض، فیحمد اللہ وینادی الی اصحابہ: ان اللہ قد اہلکھم، فیبعث اللہ مطرا فیغسل الارض منھم، قال: فیستوقد المسلمون بقسیھم ونبلھم کذا کذا سنۃ، وتاکل مواشی المسلمین من جیفھم فتسمن علیھم وتکبر'' (الفتن ص ۳۴۷، ۳۴۸)

''زید بن اسلم اپنے والد حضرتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا توان کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ پر گذرے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا، اس کے بعد ان کا آخری حصہ وہاں سے گذرے گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ لگتا ہے کبھی یہاں بھی پانی ہوتا ہوگا، بہرحال! جب وہ زمین پر غالب آجائیں گے تو کہیں گے کہ زمین پر تو ہم غالب آچکے، اب آؤ! آسمان والوں سے لڑتے ہیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اس وقت مسلمان کہاں ہوں گے؟ فرمایا وہ قلعوں میں بند ہوں گے۔

الغرض! اس وقت اللہ تعالی ''عنان'' نامی ایک بادل کو بھیجیں گے، یاجوج ماجوج اس پر تیر برسائیں گے جو خون آلودہ ہوکر ان کی طرف واپس لوٹ آئیں گے، یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ (العیاذ باللہ) ہم نے اللہ کو ختم کردیا حالانکہ اللہ انہیں قتل کرنے والا ہوگا۔

یہ لوگ اسی حال پر مشیت الہی کے مطابق رہتے ہوں گے کہ اللہ تعالی بادل کو حکم دیں گے جس سے ان پر کیڑوں کی بارش ہوگی، وہ کیڑے ان میں سے ہرایک کی گردن سے چپک جائیں گے اور یاجوج ماجوج کو ختم کرکے ہی دم لیں گے۔

یہاں ان کے ساتھ یہ ہورہا ہوگا اور ادھر ایک مسلمان کہے گا کہ دروازہ کھولو، میں دیکھ کر آتا ہوں کہ ان دشمنان خدا کا کیا بنا؟ شاید اللہ نے انہیں تباہ کردیا ہو چنانچہ جب وہ نکلے گا تو وہ سب اسے مرے ہوئے ملیں گے، کچھ کھڑے کھڑے ہی مرگئے ہوں گے اور کچھ ایک دوسرے پر پڑے ہوں گے،

Marfat.com

وہ مسلمان یہ دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اپنے رفقاء کو آواز دے گا کہ اللہ نے انہیں تباہ کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے جس سے زمین دھل جائے گی اور مسلمان ان کے تیر و کمان اتنے اتنے سال تک جلاتے رہیں گے اور ان کے جانور یاجوج ماجوج کی لاشیں نوچتے پھریں گے جس سے وہ بھی خوب صحت مند اور موٹے تازہ ہو جائے گے"

حضرت قتادہؓ کی روایت:

"عن قتادہ قال: قال رجل: یارسول اللہ! قد رایت ردم یاجوج ماجوج وان الناس یکذبونی، قال النبی ﷺ: کیف رایتہ؟ قال: رایتہ کالبرد المحبر، قال: صدقت والذی نفسی بیدہ لقد رایتہ ردمۃ، لبنۃ من ذھب ولبنۃ من رصاص" (الفتن ص ۳۴۸)

"حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے یاجوج ماجوج کی دیوار دیکھی ہے لیکن لوگ میری تکذیب کر رہے ہیں، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس دیوار میں کیا چیز دیکھی؟ عرض کیا جیسے دھاری دار چادر ہوتی ہے وہ بھی اسی طرح ہے، فرمایا تو سچ کہتا ہے اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تو نے اسے یقیناً دیکھا ہے، محسوس ایسا ہوتا ہے جیسے اس کی اینٹ سونے کی ہو اور دوسری سیسے کی" (الفتن ص ۳۴۸)

فائدہ:

بخاری شریف کی کتاب احادیث الانبیاء میں بھی یہی روایت تعلیقاً مروی ہے اس لئے فی الجملہ اس سے اس کی تائید ہو جاتی ہے لہذا اس پر اعتماد کیا جا سکے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دور سے وہ دیوار سونے کی طرح چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

خلاصہ احادیث:

فتنہ یاجوج ماجوج سے متعلق آپ نے گیارہ صحابہ کرامؓ کی سترہ روایات ملاحظہ فرمائیں، جن میں بہت سی باتیں مشترک بھی ہیں اور بہت سی باتیں نئی بھی ہیں، آخر میں تمام احادیث مبارکہ کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ اس ذہن میں محفوظ کرنا اور رکھنا آسان ہو جائے۔

۱۔ یاجوج ماجوج کا تعلق نسل انسانی ہی سے ہے اور ان کا سلسلہ نسب یافث بن نوح کے واسطے سے حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے اس سلسلے میں بعض حضرات نے اگرچہ یہ قول اختیار کیا ہے کہ یاجوج ماجوج نسل آدم ہی میں سے ہیں، لیکن ان کا سلسلہ نسب صرف حضرت آدم علیہ السلام سے جڑتا ہے، یہ حضرت حواء کی اولاد نہیں اور وہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت آدم

Marfat.com

علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، خواب میں احتلام ہو گیا اور آب حیات کے قطرے کچی مٹی میں مل گئے وہیں سے یاجوج ماجوج کا خمیرہ اٹھا لیکن یہ انتہائی بیہودہ بات ہے جس کا محققین کی نظر میں کوئی مقام نہیں کیونکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ''احتلام'' سے محفوظ ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے رفقاء کی دعاء کی وجہ سے اللہ تعالی ان کی گردن میں گاٹھیاں پیدا فرما دیں گے اور اس کی وجہ وہ کیڑا ہوگا جو ان پر مسلط کر دیا جائے گا اور اس طرح وہ سب کے سب یک بیک تباہ ہو جائیں گے۔

۳۔ یاجوج ماجوج کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

۴۔ انکی لاشوں سے زمین پٹ جائے گی اور تعفن اتنا زیادہ ہوگا کہ دو گھڑی گذارنا دوبھر ہو جائے گا۔

۵۔ خروج یاجوج ماجوج کے وقت ایک آدمی اپنی جان کی بازی لگا کر پہاڑ سے نیچے اترے گا اور ان سے کو مردہ پاکر بہت خوش ہوگا، اللہ کا شکر ادا کر کے اپنے رفقاء کو بھی یہ خوش خبری سنائے گا۔

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے رفقاء کی دعاء پر اللہ تعالی بڑے بڑے پرندوں کو بھیج کر ان کی لاشیں اٹھا کر ایک دریا میں پھینک دیں گے۔

۷۔ موسلا دھار بارش برسا کر زمین کو دھو کر صاف کر دیا جائے گا۔

۸۔ یاجوج ماجوج کے بعد حج وعمرہ کی ادائیگی جاری رہے گی۔

۹۔ یاجوج ماجوج کا گوشت نوچ نوچ کر جانور بھی خوب فربہ اور صحت مند ہو جائیں گے۔

۱۰۔ یاجوج ماجوج کے اپنے انجام تک پہنچنے کے بعد خوب برکات کا دور دورہ ہوگا۔

۱۱۔ یاجوج ماجوج کے تیر کمان اور ان کی ڈھالیں مسلمان سات سال تک ایندھن کے طور پر استعمال کرتے رہیں گے۔

۱۲۔ خروج یاجوج ماجوج کے بعد قیامت کا وقت بہت قریب آجائے گا۔

۱۳۔ یاجوج ماجوج امت مسلمہ کے فدیئے کے طور پر جہنم کا حصہ بنیں گے۔

۱۴۔ خروج یاجوج ماجوج کے کچھ عرصہ بعد ایک خوشگوار ہوا کے ذریعے ہر مسلمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور بدکار لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

یہ خلاصہ ہی بتا رہا ہے کہ یہ احادیث نہیں ہیں اسرائیلی روایات میں جن کو واضعین حدیث نے ثقہ روایات کے نام پر حدیث بنا دیا ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالی ہم سب کو ہر فتنہ، آزمائش اور مصیبت سے محفوظ فرمائے، ایمان پر خاتمہ اور جنت میں بلاحساب داخلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ذوالقرنین از ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمہ: اے پیغمبر تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں۔

تم کہہ دو: میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔۸۳

ہم نے اسے زمین پر حکمرانی دی تھی، نیز اس کے لیے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا تھا۔۸۴

تو (دیکھو!) اس نے (پہلے ایک مہم کے لیے) ساز و سامان کیا (اور پچھم کی طرف نکل کھڑا ہوا۔۸۵

یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا۔ وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ دلدل کی جھیل میں ڈوب جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا۔ ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو چاہے انہیں عذاب میں ڈالے چاہے، اچھا سلوک کر کے اچھا بنا لے۸۶۔

ذوالقرنین نے کہا: (ہم نا انصافی کرنے والے نہیں) جو سرکشی کریگا اسے ضرور سزا دیں گے، پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ (بد اعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا کریگا۸۷۔

اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کریگا تو اس کے بدلے اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لیے آسانی و راحت ہو۸۸۔

اس کے بعد پھر اس نے تیاری کی (اور پورب کی طرف نکلا)۸۹۔

یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ سورج ایک گروہ پر نکلا ہے جس سے ہم نے ان کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۹۰۔

ان کی حالت ایسی ہی تھی۔ اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کی ہمیں پوری پوری خبر ہے۹۱۔

Marfat.com

اس نے پھر ساز وسامان تیار کیا یہاں تک کہ دو (پہاڑوں کی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا وہاں اس نے دیکھا اس طرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کہی جائے تو بالکل نہیں سمجھتی ۹۳۔

اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ ہمارے اور انکے درمیاں ایک روک بنا دیں اور اس غرض سے ہم آپ کے لیے کچھ خراج مقرر کردیں؟ ۹۴

ذوالقرنین نے کہا: میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضے میں دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں)، مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری مدد کرو، میں تمہارے اور یاجوج وماجوج کے درمیاں ایک مضبوط دیوار کھڑی کردونگا ۹۵۔

(اس کے بعد اس نے حکم دیا:) لوہے کی سِلیں میرے لیے مہیا کرو، پھر جب (تمام سامان مہیا ہوگیا اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کران کے برابر بلند کردی تو حکم دیا: (بھٹیاں سلگاؤ اور) دھونکو، پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہوگئی تو کہا: گلا ہوا تانبا لاؤ، اس پر انڈیل دیں ۹۶۔

چنانچہ (اس طرح ایک ایسی سد بن گئی کہ) یاجوج اور ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے ۹۷۔

تشریح: ۸۳ تا ۹۷۔ اہلِ کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کیے تھے، انھیں میں ایک سوال ذوالقرنین کی نسبت تھا۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے۔

فرمایا: ہم نے اسے زمین میں حکم رانی دی تھی اور فتوحات کے سارے ساز وسامان مہیا کر دیے تھے۔

پھر اسکی تین مہموں کا ذکر کیا ہے:۔

(ا) وہ پچھّم کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک ایسے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا! گدلا تھا اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں ڈوب جاتا ہے، کیوں کہ حدنگاہ تک خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

(ب) پھر وہ پورب کی طرف چلا، یہاں تک کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں۔ وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔

Marfat.com

(ج) پھر وہ نکلا اور ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یاجوج اور ماجوج اسی راہ سے آتے تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایک دیوار بنادی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا راستہ بند ہو گیا۔

ترجمہ: ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا یہ (جو کچھ ہوا تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔ جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئے گی تو اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دیگا (مگر اس سے پہلے کوئی اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے، ٹلنے والی نہیں! ۹۸

۹۸ تا ۱۰۱۔ جب دیوار تیار ہوگئی تو ذوالقرنین نے کہا: یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ایسا عظیم الشان کام میرے ہاتھوں انجام پا گیا۔ اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا۔ ہاں! جب وہ مقررہ وقت آئے گا جس کی اللہ نے خبر دے دی ہے تو بلاشبہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گی اور یہاں ہر چیز کو بالآخر فنا ہونا ہے!

تشریح: ذوالقرنین کے اس قول پر اس کی سرگزشت ختم ہوگئی۔ اب آیت ۹۹ میں فرمایا: مقررہ وقت آئیگا تو یہ قومیں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آپڑیں گی۔ پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ہو جانا ہے اور اس وقت منکرینِ حق دیکھ لیں گے دوزخ ان کے سامنے ہے!

جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے تو نرسنگا پھونکا جاتا ہے اور اسکی آواز سنتے ہی ہر گوشے سے سب لوگ نکل آتے ہیں۔ فرمایا: ایک ایسی ہی بات اس دن بھی ہونے والی ہے۔ نرسنگا پھونکا جائے گا کہ سب اکٹھے ہو جائیں!

(۳) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ذوالقرنین کا ہے، کیوں کہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا، اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا، کیوں کہ سورت مکی ہے۔

(۱) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں:

اولاً، جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور

Marfat.com

تھی، یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے، کیوں کہ فرمایا "و یسئلونک عن ذی القرنین"۔

ثانیاً، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمراں کے لیے ہوسکتا تھا، اس کے لیے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً، اس کی بڑی مہمیں تین تھیں: پہلے مغربی ممالک فتح کیے، پھر مشرقی، پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج و ماجوج آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

رابعاً، اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔

خامساً، وہ ایک عادل حکمراں تھا، جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا۔ لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے ان کے لیے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا انھیں چاہیے جو جرم و بد عملی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

سادساً، وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔

سابعاً، وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا: یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں، آپ ہمارے اور انکے درمیان ایک سد تعمیر کر دیں، ہم خراج دیں گے تو اس نے کہا: "ما مکنی فیہ ربی خیر" جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے، میں تمہارے خراج کا طامع نہیں، یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کرونگا، اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں وہی ذوالقرنین ہوسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی۔ "قرن" کے صاف معنی سینگ کے ہیں۔ پس "ذوالقرنین" کا مطلب ہوا دو سینگوں والا۔ لیکن چوں کہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو، اس لیے مجبوراً "قرن" کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چوں کہ فتوحات کی وسعت اور

Marfat.com

مغرب ومشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے، اس لیے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں، چنانچہ امام رازی نے سکندر ہی کو "ذوالقرنین" قرار دیا ہے اور اگرچہ حسبِ عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دیے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں، لیکن پھر حسبِ عادت ان کے بے محل جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا "ذوالقرنین" سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا، نہ عادل تھا، نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہر حال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے۔

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے، یعنی ایک خواب جسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا (دانیال۔ ۸: ۱ تا ۱۰)۔

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لیے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا۔ ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی، ان کا ہیکل منہدم ہو چکا تھا، ان کے شہر اجاڑ تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے۔ اسی زمانے میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت دانیال نبی کا ظہور ہوا جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے۔ انھیں کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ بیل شازار (Belshazzar) شاہ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس خواب میں انھیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی۔

چنانچہ کتاب دانیال میں ہے: میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھّم، اتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے، یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو! پچھّم کی طرف سے ایک بکرا آ کر تمام روئے زمین پر پھر گیا۔ اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا۔ وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پہ غضب سے بھڑکا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے (دانیال ۸:۱)۔ پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے

Marfat.com

اور بال والا بکرا یونان کی۔ جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸:۱۰)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا۔Media) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں، اس لیے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی، وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا، یعنی سکندر مقدونی تھا، جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خواب مین بنی اسرائیل کے لیے بشارت یہ تھی کہ انکی آزادی و خوش حالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا۔ یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتح مند ہونے والا تھا اور پھر اسی کے ذریعے بیت المقدس کی از سرِ نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی۔ چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس (Cyrus) کا ظہور ہوا۔ اس نے میڈیا اور فارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور پھر بابل کو بھی مسخر کر لیا۔

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی، اس لیے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لیے یہودیوں میں ذولقرنین کا تخیل پیدا ہو گیا ہو، یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں۔ تاہم یہ محض ایک قیاس تھا، اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

لیکن اب سنہ ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصے کے بعد منظرِ عام پر آئے، اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگانِ فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیے۔ یہ خود سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر (Pasargadae) کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس مین سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو

Marfat.com

سینگ ہیں۔اوپر خط میخی میں جو کتبہ کندہ ہے۔ وہ اس کے لیے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے (۲۴)۔اس سے معلوم ہو گیا کہ مادہ اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا اور یقیناً سائرس کو ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا (۲۵)۔

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مؤرخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے اور دونوں بیان اس درجہ باہم مطابقت رکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم وگمان کیا جاسکے۔

زمانہ حال کے محققین نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے: پہلا عہد حملہ اسکندر سے پہلے کا ہے۔دوسرا پارتھوی یا ملوک الطوائف کا۔تیسرا ساسانی سلاطین کا۔فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے۔لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مفقود ہو گئے ہیں (۲۶)۔جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں، تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں۔ان میں زیادہ معتمد تین مؤرخ ہیں: ہیروڈوٹس (Herodotus)، ٹی سیاز (Ctesies) اور زینوفن (Xenophon)۔

فتح ایران کے بعد جب عرب مؤرخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا، وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا۔ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے مہابھارت اور رامائن کے قصے ہیں۔البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیادوں پر مبنی تھیں۔جب دقیقی اور فردوسی نے شاہنامہ نظم کرنا چاہا تو انھیں عربی میں ہی مواد ملا اور اسی کو ہی انھوں نے نظم کا جامع پہنا دیا۔پس یہ تمام ذخیرہ قبل از اسکندر عہد کیلیے کچھ سودمند نہیں ہے اور سائرس کے حالات کے لیے ہمیں تمام تر یونانی مؤرخین کی شہادت پر ہی اعتماد کرنا ہے۔

(۲۷) عرب مؤرخ یونانی روایات سے بے خبر نہ تھے، چنانچہ البیرونی نے "الآثار الباقیہ" میں فارس کے قدیم فرماں رواؤں کی جو فہرست دی ہے وہ مختلف روایتی سلسلوں پر مشتمل ہے اور اس سلسلے میں ہمیں کورش اور دارائے اول کے نام ملتے ہیں۔

عرب مؤرخوں مین تین شخصیتیں ایسی نظر آتی ہیں جو اس باب میں حقیقت حال سے بے خبر

Marfat.com

نہ تھیں: ابوحمزہ اصفہانی، ابنِ مسکویہ اور البیرونی۔ ابوحمزہ ایران کے قومی افسانے کو تاریخی افسانے سے الگ کر کے دیکھنا چاہتا تھا مگر اسے کافی مواد نہیں ملا تھا۔

ابنِ مسکویہ "تجارب الامم" میں مطمئن نہیں ہے اور قابلِ اعتماد صرف ساسانی عہد کو تصور کرتا ہے۔

البیرونی نے "الآثار الباقیۃ" مین دونوں روایتوں کا سراغ لگایا ہے اور یونانی و ایرانی دونوں شجرۂ حکومت مرتب کیے ہیں۔ "کتاب الہند" میں بھی وہ جا بجا دار یوش اول اور ارتخشت (اردشیر) اول و ثانی کا ذکر کرتا ہے۔ غالباً عرب مؤرخین میں یہ خصوصیت صرف البیرونی ہی کے حصے میں آئی تھی کہ ایران قدیم کے تاریخی افسانے پر نظر رکھتا تھا۔

حضرت مسیح سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی: جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا (۲۸)۔ چونکہ انکے ہمسایہ میں آشوری اور بابلی حکومتیں کمالِ عروج تک پہنچ چکی تھیں، اس لیے قدرتی طور پر یہ ان سے دبی ہوئی تھیں۔ دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے امراء تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے۔ سن ۶۱۲ قبلِ مسیح میں جب نینوئ تباہ ہو گیا اور آشوری فرماں روائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تو میڈیا کے باشندے آزاد ہو گئے اور بتدریج ایک قومی حکومت نشو و نما پانے لگی۔ اسی طرح پارس کے امراء قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور حکمراں خاندان پیدا ہو گیا۔ تاہم یہ دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں بابل کی شہنشاہی جسے نبوخدرنصر (Nebuchadnezzar) (بخت نصر) کی قہارانہ فتح مندیوں نے تمام ایشیا میں سربلند کر دیا تھا، سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کیے ہوئے تھی۔

لیکن سن ۵۵۹ قبل از مسیح میں ایک معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ یہ پارس کے ایکے می نیز (۲۹) خاندان کا ایک نوجوان کورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس، عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے قوروش اور خیارشا یا کیارشا یا کے خسرو کے نام سے پکارا۔ اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرماں روا تسلیم کر لیا۔ پھر بغیر کسی خوں ریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرماں روا ہو گیا اور اس طرح دونوں مملکتوں نے مل کر ایران کی ایک عظیم الشان شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی۔

Marfat.com

پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خوں ریزیوں کے ذریعے حاصل کی جاتی تھیں، بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لیے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دست گیری ہو۔ چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بحرِ اسود سے لیکر بکٹریا (Bactria) (باختر) تک ایشیا کی تمام مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو چکی تھیں۔

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پر اسرار افسانے کی نوعیت اختیار کر لی ہے اور ہمیں اس کی جھلک شاہ نامہ کے افسانوں میں صاف صاف نظر آجاتی ہے۔ اس کا اٹھان زندگی کے عام اور غیر معمولی حالات میں نہیں ہوا بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو، اس کے نانا اسٹیاگس (astyages) نے اس کی موت کا سامان پیدا کر دیا تھا، لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقے پر بچا لیا جاتا ہے اور اس کی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصائل اسے ملک مین نمایاں کرتے ہیں اور اس کی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے۔ اب اسے پورا موقع حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے۔ لیکن اسے ایک لمحے کے لیے بھی اس کا خیال نہیں گزرتا، حتیٰ کہ خود اسٹیاکس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کروئسس (Croesus) سے تھی۔ لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ حملہ کروئسس کی طرف سے ہوا تھا اور اسنے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا۔ لیڈیا سے مقصود ایشیائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا اور اسکی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایک یونانی حکومت تھی جنگ میں سائرس فتح یاب ہوا۔ لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہین کی گئی۔ انھیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے۔ البتہ کروئسس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اسکی عزم و ہمت کی آزمائش کے لیے سائرس نے حکم دیا تھا: چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے۔ لیکن جب اس نے دیکھا وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اس کی جان بخشی کر دی اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی۔

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا، کیوں کہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا

Marfat.com

(باختر) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی۔ یہ مہم سن ۵۴۰۔۵۴۵ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی۔ تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگان بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار (Belshazzar)(۳۰) کے مظالم سے انھیں نجات دلائے۔

نینوئ کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کردی تھیں اور نبوخد نصر (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کرلیا تھا۔ اس کا حملہ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے۔ وہ صرف پادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں تباہ کرڈالتا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدہ نہیں ہوئی جو اس کی جنگ جویانہ قوتوں کی جانشین ہوتی۔ اس کے بعد بابل کے مندروں کے پجاریوں نے جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے، نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا۔ لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا۔ اسی کی نسبت اس صحیفہ میں جو دانیال نبی کی طرف منسوب ہے، ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیکل کے پیالوں میں اس نے شراب پی تھی اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہوکر نئے نئے تقیل اوفرسین کے الفاظ دیوار پر لکھ دیے تھے (دانیال ۵:۱ تا ۲۵)۔ تمام مؤخرین متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابل فتح شہر کوئی نہ تھا۔ اس کی چار دیواری اتنی موٹی تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بایں ہمہ سائرس نے باشندگان بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دوآبہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہوگیا۔ چونکہ خود باشندگان شہر بیل شاز کے مظالم سے تنگ آگئے تھے اور سائرس کے لیے چشم براہ تھے، اس لیے انھوں نے ہر طرح اس کا ساتھ دیا۔ خود بابلی مملکت کا ایک سابق گورنر گوب ریاس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہوگئی۔ قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہوچکا تھا۔

یہودیوں کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لیے زندگی اور خوش حالی کا نیا پیام تھا۔ اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاء نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الٰہی سے مطلع ہوکر خبر دے دی تھی۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دے دی۔ نیز اپنی تمام مملکت

Marfat.com

میں اعلان کیا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لیے ایک ہیکل بناؤں (قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو از سر نو تعمیر کروں)۔ پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لیے مہیا کرنا چاہیے"۔ اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو بخت نصر ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بضر (Sheshbazzar) کے حوالے کر دیئے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس مین بدستور رکھ دیے جائیں (عزرا۔ باب اول)

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلم ہو گئی۔ سنہ ۵۳۹ قبل مسیح میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالم گیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے۔ بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گمنام انسان تھا، لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرماں روا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور سنہ ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال کر گیا۔

اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے، اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں اور کس طرح وہ حرف بحرف پوری ہوئیں؟

اس سلسلے مین سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے جن کا ظہور سائرس کی فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا۔ انھوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی۔ اس کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے: "خداوند تیرا نجات دلانے والا یوں فرماتا ہے کہ " ۔۔۔ یروشلم پھر آباد کیا جائے گا۔ یہودا کے شہر بنائے جائیں گے۔ میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کر دوں گا۔۔۔ میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے، وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔۔۔ خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا تا کہ قوموں کو اس کے قابو میں کر دوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں اور دہرے دروازے اس کے لیے کھول دوں۔ ہاں! میں تیرے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کر دوں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ میں گڑے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے گنج تجھے عطا کروں گا۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کروں گا تا کہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں۔ جس

Marfat.com

نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام لے کر صاف صاف بلایا ہے۔ (یسعیاہ ۴۴:۲۸۔۴۵: و ۲)۔

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا اور میں نے اسے اس لیے پکارا ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے، نیز اسے ''خدا کا مسیح'' بھی کہا ہے۔

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی: ''قوموں کے درمیان منادی کر دو اور اسے مت چھپاؤ۔ تم کہو: بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہو۔ مردوک سراسیمہ کیا گیا اس کے بت خجل ہوئے۔ اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیوں کہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہوئی آ رہی ہے جو اس کی سرزمین اجاڑ دیگی یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا (۵۰:۱)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی: ''خداوند کہتا ہے: جب بابل پر ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمھاری خبر لینے آؤں گا۔ تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دوں گا۔ تم مجھے ڈھونڈو گے اور مجھے پالو گے۔ میں تمھاری اسیری ختم کر دونگا۔ تمہیں تمھارے مکانوں مین واپس لے آؤں گا (۲۹:۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کر دیا ہے، گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئیگی۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے جس کی نسبت یہودیوں کی روایت ہے کہ بابل فتح کیا تو دانیال نبی نے جو شاہان بابل کے وزراء میں شامل ہو گئے تھے، اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لیے جاری کیا۔

زمانہ حال کے نقادان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں۔ (۳۲) جرمن نقادوں نے یسعیاہ کی کتاب کے دو حصے کر دیے ہیں: پہلا حصہ آیت ۵۰ پر ختم ہو جاتا ہے، دوسرا آیت ۵۱ سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ اسی یسعیاہ کا نوشتہ ہوگا جو فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ دوسرے کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ یہ حملۂ بابل ہی کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔

Marfat.com

اور اسکی زبان اور اسلوب بیان بھی پہلے سے مختلف ہے۔ پہلے حصے کو وہ یسعیاہ اول اور دوسرے حصے کو یسعیاہ دوم کے نام سے پکارتے ہیں۔ لیکن بہر حال ہمیں یہاں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ عہد عتیق کے تاریخی نوشتوں کی حیثیت کیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہودیوں کا عام عقیدہ اس بارے میں کیا تھا۔ لیکن اس مین کوئی شک نہین کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لیے ہی پیدا کی گئی تھی کہ مظلوموں کی دادرسی ہو اور بابلیوں کے ظلم وشرارت سے قوموں کو نجات ملے۔

اب غور کرو! قرآن کی تصریحات نے جو جامع تیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس مبحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دے دیا ہے جو سات دفعات پر مشتمل ہیں۔ ان پر پھر ایک نظر ڈال لو:

۱۔ سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جاسکتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی۔ نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمتِ الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ۔ خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے!، اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے:''قال: قالت الیہود: اخبرنا عن نبی لم یذکرواللہ فی التورات الا فی مکان واحد۔ قال: ومن؟ قالو!: ذوالقرنین''، یعنی یہود نے آنحضرت سے کہا: اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے۔ جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے آپ نے فرمایا: وہ کون؟ کہا: ذوالقرنین۔ چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے، اس لیے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا۔ علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کردی ہے کہ اس کے سر پر دوسینگوں کا تاج رکھا گیا تھا اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع واتحاد کی علامت تھی۔

۲۔ اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ۔ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے یہ

Marfat.com

ہے کہ ''انا مکنا لہ فی الارض و اتینٰہ من کل شئیٍ سببا'' ۔۸۴ ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔ قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی وخوش حالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے، جیسا کہ یہاں کہا ہے تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا: ''و کذالک مکنا لیوسف فی الارض'' اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کا قدم جما دیا۔ ''ہم نے جما دیا'' کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکم رانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انھیں محض ''توفیق الٰہی'' کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے، کیوں کہ اس کے ''تمکن فی الارض'' کو براہ راست خدا کی طرف سے نسبت دی ہے۔

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات مین بسر ہوئی جنھیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانے کی شکل دے دی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہش مند ہو گیا تھا۔ ایک وفادار آدمی اس کی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گم نام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اچانک نمایاں ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلے کے میڈیا کا تخت اس کے لیے خالی ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو۔ نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے اور زمانے کی عام رفتار تھم گئی ہے تا کہ اس کی راہ صاف ہو جائے۔

۳۔ اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے: ایک ''مغرب الشّمس'' کی طرف یعنی پچھّم کی طرف۔ ایک ''مطلع الشّمس'' کی طرف یعنی پورب کی طرف (۳۴)۔ تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج و ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو! اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروئسس نے حملہ کر دیا

Marfat.com

ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا (Lydia) کے نام سے مشہور ہوئی، پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی۔ اس کا دارالحکومت سارڈیس (Sardis) تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ بالآخر کروئسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس (Astyages) کے باپ سے صلح کر لی اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لیے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔

لیکن کروئسس نے یہ تمام عہد و پیماں اور باہمی علائق بھلا دیے۔ وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہو کر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں۔ اس نے پہلے بابل، مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پٹیریا (Pteria) پر قبضہ کر لیا

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلاتوقف اس حملے کا مقابلہ کرے۔ وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگ متانا (۳۴) سے (جو اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) اور تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پٹیریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں، لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا۔

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اسکی بعض تفصیلات نہایت دل چسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے: سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دارالحکومت مسخر ہو گیا اور کروئسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔ (۳۵)

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگیں تھا وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد موسیٰ بن نصیر کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے۔ اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں۔ اس نے فارس سے لیکر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اس نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا!

Marfat.com

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی، صریح مغرب کی لشکر کشی تھی۔ کیوں کہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لیے ''مغرب الشمس'' کی آخری حد تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشے میں نکالو۔ تم دیکھو گے تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں اور سمرنا (Samyrna) کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنھوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی شکل دے دی ہے۔ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحر ایجن (Aegean Sea) کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہوگا جو سمرنا کے قرب وجوار میں واقع ہے۔ یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔ ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا ہے اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں مین بیان کیا ہے: "وجدھا تغرب فی عین حمئة" اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں، لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سمندری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی۔ چنانچہ ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز (۳۶) دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ مشرق کے بعض وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی۔ یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارے کی تصدیق ہے کہ ''حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا''، جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی، یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مؤرخین کی صراحت کے مطابق بکٹر یا (Bactia) یعنی بلخ کے علاقے کے قبائل تھے۔ نقشے پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بکٹر یا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے، کیوں کہ اسکے آگے پہاڑ ہیں اور انھوں نے راہ روک دی ہے اس کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبائل نے اسکی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور انکی گوشمالی کے لیے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلے مین

Marfat.com

ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔اس لیے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے، اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہونگے، کیوں کہ دارا کے زمانے میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقے تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اسکی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحرخزر (Caspean Sea) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلۂ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقے میں تاخت وتاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے "حتی اذا بلغ بین السدین و جد من دونها قوماً لا یکادون یفقهون قولا"۔۹۳ یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے، کیوں کہ اس کے دہنی طرف بحرخزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے۔بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے۔درمیانی علاقے میں اس کا سربفلک سلسلۂ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلۂ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً یہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحرخضر سے لے کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا، بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ملی جلی ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔اب ایران، شام، عراق، عرب، ایشیائے کوچک، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشے میں یہ مقام دیکھو! تمام مغربی ایشیا نیچے ہے، اوپر شمال میں بحرخزر ہے۔اس سے بائیں جانب مشرق کی طرف بحر اسود ہے۔درمیان میں بحرخزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ چلا گیا ہے۔ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلۂ کوہ نے مل کر سیکڑوں

Marfat.com

میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کردی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کا درّہ تھا۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کردیا، اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا۔

یاجوج ماجوج:

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی، وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلے میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا ان زمانے میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مؤرخوں نے ''کاسپین'' (Caspean) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی ''کاسپین'' پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کا کیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے ''کول چی'' یا ''کول شی'' (Colcians) کے نام سے پکارا ہے۔ اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام ''کوشیہ'' آیا ہے۔ (۳۷)۔ انھیں دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں، اس لیے ان کی نسبت فرمایا: ''لا یکادون یفقھون قولا''۔

۴۔ اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے۔ اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مؤرخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی اس کی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا: ''یذا القرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا''۔ ۸۶، یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے۔ جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کرسکتا ہے۔ خواہ سزا دے، خواہ انھیں اپنا دوست بنا لے۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی۔ اس کے بادشاہ کروئسس نے تمام عہد و پیماں اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا۔ اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا، بلکہ وقت کی تمام طاقت ور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کرلیا تھا۔ اب جب تائید الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہو گیا تو حکم الٰہی ہوا: یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ کرسکتا

Marfat.com

ہے، کیوں کہ یہ اپنے ظلم وشرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا، دشمنوں کو مسخر کر دیا۔ اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں، لیکن تجھے بدلا نہیں لینا چاہیے وہی کرنا چاہیے جو نیکی اور فیاضی کا مقتضا ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا: "قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم یرد الی ربه فیعذبه عذابا نکرا☆ واما من امن و عمل صالحا فله جزاء الحسنی، وسنقول له من امرنا یسرا☆"۔ اس نے اعلان کیا کہ مین پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینا چاہتا۔ میری جانب سے عام بخشش کا اعلان ہے۔ البتہ آئیندہ جو کوئی برائی کریگا، بلاشبہ اسے سزادوں گا۔ پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے۔ اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہوں نگے تو انکے لیے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا۔ اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان پائیں گے، میں بندگان خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ہو بہو اس طرز عمل کی تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے اور جسے زمانۂ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کرلیا ہے۔

تمام یونانی مؤرخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا، وہ اس سے بھی زیادہ تھا، وہ فیاضانہ تھا۔ وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا تو یہ انصاف ہوتا، کیوں کہ زیادتی انھیں کی تھی۔ لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا، اس نے رحم وبخشش کا شیوہ اختیار کیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں۔ اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے، اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ کروئسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے۔ اگر وہ مقابلہ کرے تب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیے۔ اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ گویا محض فرماں روا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروئسس کی جگہ سائرس نے لے لیا اس سے زیادہ کوئی انقلاب قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی، کیوں کہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کروئسس (Croesus) کو نہ بچا سکے، حالانکہ حملے سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف (۳۸) سے استصواب کرلیا تھا اور ڈلفی (Delfi) کے ہاتف نے فتح وکامرانی کی بشارت دی

Marfat.com

تھی۔ پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لیے خوش گوار نہ ہو سکی اور اس امر کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس شکست میں بھی اخلاق اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئسس کا معاملہ اچانک ایک پر اسرار افسانے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا، مگر کروئسس نے جنگ کے جوش طلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا۔ ہاتف نے کہا تھا: "اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دیگا" یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دیگا۔ مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے۔ نیز وہ کہتا ہے: پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے اور اس پر کروئسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی، لیکن پھر جب کروئسس کی بعض باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا لیکن بعد میں ایک افسانہ گھڑ لیا گیا آگ پوری طرح مشعل ہو گئی تھی، ممکن نہ تھا اسے فوراً بجھا دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر کروئسس نے اپالو (Apollo) دیوتا کو پکارا اور باوجود یہ کہ آسمان بالکل صاف تھا، اچانک بارش شروع ہو گئی اور اس طرح اس معجزہ نے بر وقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچا لی۔

لیکن خود ہیروڈوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے ہ سائرس یا تو کروئسس کے عزم و صبر کا امتحان لینا چاہتا تھا یا یہ بات آشکارا کر دینا چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچا لیں۔ یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے، آگ بھی لگا دی جائے، لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر اسے بخش دے اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے۔ دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ خود ہیروڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے اور یونانی افسانے میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کر دی تھی، یونانی افسانے نے اسی کا توڑ کرنے کے لیے اپالو کا معجزہ گھڑ دیا۔

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا، سزا پائیگا۔ جو حکم مانے گا

Marfat.com

اور نیک عمل ہوگا، اسے انعام ملے گا۔ بعینہٖ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''وسنقول لہ من امرنا یسرا''، اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی تو دیکھ لیں گے میرے احکام و قوانین میں ان کے لیے سختی نہ ہوگی تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام ایسے ہی تھے۔ وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لیے سرتاسر شفقت و مرحمت کا تھا۔ اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دے دی جو اس عہد کے تمام حکمراں وصول کیا کرتے تھے۔ اس نے جس قدر احکام و فرامین نافذ کیے وہ زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے۔

۵۔ یہ تو صرف اس کی مغربی فتح مندی کی سرگزشت تھی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے؟

لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مؤرخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یونانی مؤرخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے، ہم وطن نہیں تھے: ہم مذہب نہیں تھے: اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے۔ سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت، یونانی تہذیب اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی۔ پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا اور ہمیشہ کے لیے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہوگئی تھیں۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مؤرخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے۔ اور اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالم گیر اعتراف و تاثر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست و دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ سب کے دلوں میں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی۔ اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے:

و ملیحۃ شھدت لھا ظراتھا والفضل ما شھدت بہ الاعداء

زینوفن لکھتا ہے: سائرس ایک نہایت دانشمند، سنجیدہ اور ساتھ ہی رحم دل فرماں روا تھا۔ اس کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت وحشمت سے کہیں زیادہ اس کی اعلیٰ حوصلگی اور سیر چشمی تھی اور اس کی

Marfat.com

فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی۔ انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کی شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے، مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے، درد ماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے، غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو، پھر ان تمام اعلیٰ صفتوں کے ساتھ عاجزی وانکساری اس کے حسن وکمال کا سب سے بڑا زیور تھی۔ اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے اور ایک ایسے خزانے کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی، کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر وغرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے: وہ ایک نہایت ہی مخیر بادشاہ تھا۔ اسے دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی بلکہ جود وسخاوت کا جوش تھا۔ وہ کہتا تھا: سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ نوح انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو!

ٹی سیاز لکھتا ہے: اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش وآرام کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے۔ چنانچہ اس کی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دے دیے تھے، وہ اس کے لیے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے تھے۔

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مؤرخوں کے صفحات پر ملتی ہے، وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا، اس کی مخلوق نہیں تھا، ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لیے نمودار کر دیا تھا۔ دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی۔ وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اس کی پرورش نہیں ہوئی۔ وہ محض قدرت کا پروردہ تھا اور قدرت ہی کے ہاتھوں نے اسے اٹھایا تھا۔ اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی۔ وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ پیکر، فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ تھا۔

سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم وتربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا، لیکن کیا انسانیت واخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لیے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا۔ اس نے انسانی حکمت کی درسگاہ کی جگہ قدرت کی درس گاہ میں پرورش پائی تھی، تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف

Marfat.com

ملکوں ہی کو نہیں بلکہ انسانیت وفضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا۔

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی خود اس کی عمر تھی۔ لیکن سائرس کی فتوحات نے جو اینٹیں چن دی تھیں وہ دو سو برس تک نہ ہل سکیں۔ سکندر کے دم توڑتے ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع ہونے والی تھی۔ اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فرزند نے اسے بھی بھر دیا اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آ گئی جو ایشیا، اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پہ سائرس کا جانشین دارایوش (Darius) تن تنہا حکمراں تھا۔

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنھیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا، لیکن سائرس کی فتوحات روح ودل کی فتوحات تھیں جنھیں انسانیت وفضیلت نے سر کیا تھا۔ پہلی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں سکتی، دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا۔ اب اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصے میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا۔ کیوں کہ زینوفن کے لفظوں میں ''وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا، بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ بھی تھا''۔ اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے، لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی۔ موجودہ زمانے کے تمام مؤرخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی، یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی۔

سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری، قساوت قلبی اور ہیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی۔

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مؤرخوں کی روایات ہی نہیں ہیں بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کے تاریخی مسلمات ہیں۔ بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے، جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت، فرماں روائی کی عظمت اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا اس عہد میں اس کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی۔

Marfat.com

اکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی۔بی۔گرینڈی (G.B. Grandy) جو موجودہ زمانے میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماہر ہیں اور جنکی کتاب "گریٹ پرشین وار" (Great Persian War) نہایت مقبول ہو چکی ہے، لکھتے ہیں۔

"یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی۔ اس نے اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا تھا۔ اس کی ابتدائی نشو و نما بالائی فارس کے غیر آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی جس کی سرگزشت نے ایک افسانے کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس کی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدون کیں جو سقراط کا شاگرد تھا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضائل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے۔ خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں، خواہ نہ دیں، تاہم یہ حقیقت ہر حال میں غیر متزلزل رہتی ہے کہ اس کی تدبیر و سیاست کا دامن اس کی انسانیت و فضیلت کے جوہر سے بندھا ہوتا تھا۔ اور جب یہ خصوصیت آشوری اور بابلی شہنشاہوں کی بدعملیوں کے مقابلے میں لائی جاتی ہے تو اس کی شریفانہ نمود اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"یہ فی الحقیقت ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ بارہ برس پہلے وہ ایک چھوٹی سی ریاست انشان (Anshan) کا ایک گمنام رئیس تھا اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں ظہور میں آچکی تھیں۔ ان تمام بادشاہوں میں جنھوں نے زمین کے مالک ہونے کے دعوے کیے، ایک بادشاہت بھی ایسی نہ تھی جو اب کوئی اپنی ہستی کا کوئی مؤثر ظہور رکھتی ہو۔ آکادی (Akkadian) مملکت کے نیم اصنامی سرگون (Sargon) سے لیکر نیو خد نصر (بخت نصر) تک، سب کی مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ وہ صرف ایک بڑا فاتح ہی نہیں تھا، وہ ایک بڑا حکمراں تھا۔ قوموں نے یہ نیا دور صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا استقبال کیا ان دس برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے، اس کی تمام وسیع مملکت میں ایک بغاوت کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا بلاشبہ اس کی رعایا پر اس کی طاقت کا رعب چھایا ہوا تھا، لیکن وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سخت گیری سے ہراساں ہو۔ اس کی حکومت قتل و سلب کی سزاؤں سے بالکل نا آشنا رہی۔ اب تازیانوں

Marfat.com

سے مجرم کو نہیں پیٹا جاتا تھا، اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے، اب قوموں اور قبیلوں کو جلا وطن نہیں کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم محو کردیے۔ جلاوطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں، ان کے معبد اور معبود ان کو واپس دے دیے گئے، قدیم رسموں اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہ رہا، ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی، ہر مذہب کے پیرووں کو پوری پوری مذہبی آزادی دی گئی، دنیا کی گزشتہ عالم گیر دہشت ناکی کی جگہ ایک عالم گیر رواداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہوگیا (۳۹)۔

غور کرو! قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کردیے ہیں، آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے۔

۲۔ اب چند لمحوں کے لیے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں! کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کررہے ہیں اور کس طرح قرآن کے ارشادات بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں! یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ خداوند کہتا ہے "خورس میرا چرواہا ہے" اور پھر یہ بھی کہا ہے کے "وہ میرا مسیح ہے" اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کے وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ اب دیکھو! اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات، دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی۔

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لیے وقت کی تمام قوتیں چشم براہ ہوں۔ قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا، ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے۔ غور کرو! اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضا کیا تھا۔ یہ تاریخ کے صبح تمدن کی نمود تھی جس کی روشنی میں ہم انسانی حکمرانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ صاف دکھائی دیتا ہے کے اس وقت تک انسانی فرماں روائی کی عظمت قہر و غضب ہی کے نقاب میں رونما ہوئی تھی اور سب سے بڑا حکمراں وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے لیے خوفناک ہو۔ اشور بنی پال (Ashurbanipal) نینوی کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، اس لیے کے وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا۔ بابل کی نشاۃ ثانیہ میں نبوخد نصر (بخت نصر) سب سے بڑا فاتح تھا، اس لیے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے

Marfat.com

زیادہ قہرمان تھا۔ مصریوں، آکادیوں، ایلامیوں، آشوریوں اور بابلیوں سب میں انسانی حکومت و عظمت کے مظاہر خوف ناکیاں اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے، اور انکی شخصیتوں نے دیوتائی الوہیت کی تقدیس سے ملکر انسانوں کے قتل و تعذیب کا ہول ناک استحقاق حاصل کرلیا تھا۔ سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے نبوخد نصر (بخت نصر) کی شہنشاہی کا ظہور ہوا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پیہم تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کردیا، بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جوزیفس (Josepus) کے لفظوں میں ”کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خوں خواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا“۔ پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضا یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لیے چشم براہ ہو؟ قومیں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلّے کے لیے خدا کا بھیجا ہوا 'چرواہا' ہو، جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کردے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دیدے کہ انسانی حکم رانی نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہونی چاہیے، دہشت انگیزی اور خوف ناکی کے لیے نہیں!

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں تنگ آچکی تھی۔ اب وہ ایک 'چرواہے' کے لیے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں ”خدا کا وہ فرستادہ چرواہا“ نمودار ہوگیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لیے بے اختیار لپکیں، کیوں کہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانے کی طلب کا قدرتی جواب تھا۔ اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ انسانی سقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو! یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ ”وہ میرا چرواہا ہوگا۔ وہ میری ساری مرضی پوری کریگا۔ میں اس کا دہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دے دوں گا۔ اور بادشاہوں کی کمریں اس کے آگے کھلوا ڈالوں گا۔ میں اس کے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھے راستے اس کے لیے سیدھے کردوں گا۔“ (۴۴:۲۸۔۴۵:۱و۲)۔ سارے مؤرخ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی۔ سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا

Marfat.com

رخ کیا اس کی شقاوت ختم ہوگئی۔ وہ جس قوم کی طرف بڑھا اس کی بیڑیاں کٹ گئیں۔ اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا اس کے سارے بوجھ ہلکے ہوگئے۔ وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا نجات دہندہ تھا!

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی میں اسے ''خدا کا مسیح'' بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں ''مسیح'' وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لیے برگزیدہ کرلے۔ اور قوموں کی نجات کے لیے اس کا ظہور ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد کی نسبت بھی آیا ہے کہ ''مسیح'' تھے، سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لیے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

سائرس کو ''مسیح'' کہنا اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے۔

۵۔ اس سلسلے میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی باتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا، آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟ لیکن پچھلی تمام تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ وہ خدا کا اپنا فرستادہ اور ''مسیح'' تھا اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہوسکتی۔ جس کا ''دہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو'' اور جسکی ''ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جائے'' یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہوسکتا (۴۰)

آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کرلی جائے، جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے، ان کی شہادتیں موجود ہیں اور وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا۔ حزقیل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے اور دانیال کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد ہے کہ دارا کے عہد تک زندہ رہے۔ ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں۔ پھر دارا کے زمانے میں حجی اور ذکریا کے صحیفے مرتب ہوئے اور زرکسیز (Xerxes) (اردشیر یا ارتخششت) کے عہد میں عزرا اور

Marfat.com

نحمیاہ کا ظہور ہوا۔ انکی تمام شہادتیں بھی موجود ہیں اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس کو بنی اسرائیل نے ایک موعود ہستی اور برگزیدہ انسان تسلیم کرلیا تھا۔

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا تو کیا ایک لمحے کے لیے بھی یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرات کرے! تسلیم کرلیا جائے کہ یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں نے ہی بنائیں اور یہودیوں میں پھیلیں، حتیٰ کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہوگئیں۔ پھر کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لیے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جاسکتی تھیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا؟

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت تھا۔ ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ اور کوئی بات شاق نہیں گزرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف کریں۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت انھیں اعتراف حق سے روکتی تھی ''ولاتومنوا الالمن تبع دینکم'' (۳:۷۳)۔ تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو انکے لیے ہر اعتبار سے اجنبی تھا اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا، بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کرلیا۔ یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لیے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ انکے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہوسکا۔ ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لیے جو اجنبی بھی ہو، یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہوسکتی تھی۔ اگر ایک بت پرست بادشاہ نے انھیں نجات دلائی تھی تو وہ اس کا شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے، مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے۔ ضروری ہے کہ اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں۔ یہ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کے لیے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقائد کے بارے مین ہماری معلومات کیا کہتی ہے؟

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زارادسترو کے نام سے پکارا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی۔

Marfat.com

اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی، بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا۔

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ، اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے ردوکد میں بسر ہو چکا ہے۔ بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا۔ بعضوں نے شاہ نامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاشپ والا قصہ تسلیم کرلیا۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار برس قبل مسیح قرار دیا۔ بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھادی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے باختر، بعضوں نے خراسان، بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا۔ لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین نے تاریخ گلڈنر (Geldner) کی رائے پر متفق ہو گئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبے کا گورنر تھا۔ زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذر بائی جان میں ہوا جسے اوستا کے حصے ''ویندی داذ'' میں ''اریانہ ویجو'' (Airyana Vigo) سے تعبیر کیا ہے، البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا۔

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً سنہ ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر سنہ ۵۸۳ قبل مسیح تک ہونا چاہیے اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق سنہ ۵۵۰ قبل مسیح میں ہوئی، یعنی زردشت کی وفات کے تیس سال بعد، یا عین اسی سال۔

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا تو کیا کوئی براہ راست شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟ نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کیے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کردیے ہیں تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا۔ بلکہ اس کا پہلا حکمراں داعی تھا اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثناء دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے، وہ دو ہیں اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلم ہے: پہلا واقعہ ''گوماتا'' (Gaumata) کی بغاوت کا ہے۔ جو سائرس کی

Marfat.com

وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرا دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقائد کی نوعیت آشکارا ہوگئی ہے۔

سائرس کا بالاتفاق سنہ ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (Cambiyses کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا۔ اس نے سنہ ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا۔ لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ معلوم ہوا کہ ایران میں بغاوت ہوئی ہے اور ایک شخص ''گوماتا'' نامی نے اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمرڈیز (Smerdis- فارسی: بردیہ) مشہور کر دیا ہے جو بہت پہلے مر چکا تھا، یا مار ڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ سنہ ۵۲۲ ق م مین اچانک انتقال کر گیا۔ اب چونکہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا، اس لیے اس کا عمزاد بھائی دارا ابن گشتاسپ تخت نشین ہوگیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتا کو قتل کیا اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق سنہ ۵۲۱ ق م میں ہوئی ہے۔ پس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا۔

یونانی مؤرخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیرووں کی بغاوت تھی اور خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں ''گوماتا'' کو ''موگوش'' لکھتا ہے یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب سے مقصود قدیم مذہب ہے (۴۵)۔ تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیرووں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ چنانچہ دوسری بغاوت ''پراورتیش'' (Phraortes) نامی مجوس نے کی تھی جسے دارا نے ہمدان میں قتل کیا اور تیسری ''چترت خمہ'' (Chitratakhama) نامی نے جو اربیل (Arbla) مین قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے۔ یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنھیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کر سکا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کتبہ بے ستون کا ہے جس میں دارا نے گوماتا مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلم بند کی ہے۔ دوسرا اصطخر کا ہے۔ جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں۔ ان دونوں میں وہ بار بار ''آہورا موزدہ'' (Ahura Mazda) کا نام لیتا ہے اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ''آہوراموزدہ'' زردشت کی تعلیم کا ''اللہ'' ہے۔

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہیے۔ یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ

Marfat.com

اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے۔(۴۶) اس کے لیے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے۔ اور لیڈیا میں فارسی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے، تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جومدت گزری ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصے میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور وقبول کا کوئی واقعہ نہیں گزرا۔

اب غور کرو! ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کمبی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی اور دارا کا دین زردشتی پر عمل تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آ چکا ہے۔ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لیے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں کہ ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی اور وہ فارس اور لیڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمراں داعی بھی؟

اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں، البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرات نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا اور سائرس کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گم نامی میں بسر ہوا تو کیا اسی زمانے میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ کسی زمانے میں سائرس زردشت کی تعلیم وصحبت سے بہرہ مند ہوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگزشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعے میں نہیں مل جاتا؟

مؤرخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے اس افسانے میں ایک پر اسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی ہے جو دشت وجبل کے اس پروردۂ قدرت کو آنے والے کارناموں کے لیے تیار کر رہا ہے۔ کیا اس پرچھائیں مین ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہوا تھا اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا کارنامہ بھی شمالی کوہستان میں بسر ہوا تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم ملکر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن

Marfat.com

جائیں؟

سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اور صاف نظر آرہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہر حال سائرس نے اپنی ابتدائی گم نامی کے عہد مین نئی دعوت قبول کی ہو، یا تخت نشینی کے بعد، لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر عامل تھا۔

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر عامل تھا اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ''ملہم من اللہ'' قرار دیتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہین آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے ہم بچنے کی کوشش کریں، کیوں کہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خداپرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور مجوسیت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہین ہے، بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا ردعمل ہے۔

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے ردعمل سے محفوظ نہ رہ سکی، اسی طرح زردشت کی خالص خداپرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے ردعمل سے بچ نہ سکی، خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ ازسرنو مدون ہوئی تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی۔

زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی۔ جو انڈو یوروپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے۔ ہندوستان کے آریاؤں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی۔ پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا، پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کر لی، کیوں کہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سرچشمہ وہی تھی۔ یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی دونوں ظہور میں آتی تھیں، لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا: ایک قوت پاک دیوتائی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی تمام خوشیاں بخشتی تھیں۔ دوسری قوت برائی کی عفریتوں کی تھی۔ جو قہر و غضب کا سرچشمہ تھے، روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطان کی تاریکی میں (۴۷) برائی کے دیوتا قہر و غضب کے سرچشمے ہیں اور اس کے لیے قربانیوں اور نذرانوں

Marfat.com

کے ذریعے ان کا غضب ٹھنڈا کرنا ضروری تھا۔

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا، وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحت اور محرومیوں ہی میں محدود تھا۔ روحانی زندگی اور اس کی سعادت وشقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔

آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا اس کے افراد ''موگوش'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آگے چلکر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر دیا۔ (۴۸) گاتھا میں زردشت نے انھیں کاوی اور کاریان کے نام سے پکارا ہے۔ کاریان غالباً وہی لفظ ہے جو سنسکرت میں کلپ ہے جس کے معنی مذہبی ریت کے ہیں۔ ''کوی'' ہندوستان میں شاعر کو کہا گیا ہے، وہاں جادوگر کے معنوں میں مستعمل ہوا، ''وان من البیان لسحرا''۔

لیکن زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کر دیا۔ اس نے خدا پرستی، روحانی سعادت و شفقت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا۔ اس نے کہا: یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں، نہ شر کے بہت سے عفریت۔ یہاں صرف ایک ''آہورآموزدہ'' کی ہستی ہے جو یگانہ ہے، نور ہے، قدوس ہے، حق ہے، حکیم ہے، قدیر ہے اور تمام ہستی کی خالق ہے۔ کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو یا اس کے ہمتا ہو، یا اس کی شریک ہو۔ تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے وہ خالق وقادر نہیں ہیں، بلکہ'' آہورہ موزودہ'' کے پیدا کیے ہوئے ''امش سپند'' ہیں، یعنی ملائکہ ہیں (۴۹)۔ اور شر کا ذریعہ دیووں کی خوف ناک قوت نہیں ہے، بلکہ ''انگرو مے نیوش'' (اہرمن) (۵۰) کی ہستی ہے شیطان کی ہستی ہے۔۔ یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یونانیوں کی طرح اس کا اخلاق تصور مذہب سے الگ نہیں تھا۔ بلکہ عین مذہب مین تھا، اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ کا دستور العمل بنا دیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے۔ انسانی زندگی کا ہر خیال، ہر قول، ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے۔ ''فکر کی راستی گفتار کی راستی اور کردار کی راستی'' پرستاران اہورہ موزودہ کے لیے تین بنیادی

Marfat.com

اصول تھے (وندیدا۱۰/۱۹) پروفیسر گرینڈی کے لفظوں میں ''اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا'' (۵۱)۔

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا۔ عبادت ہمیں اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ خدا کے غضب وانتقام سے بچیں، بلکہ اس لیے کہ اس سے برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں۔ اگر ہم اہورا موزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا، لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کی تعلیم کا سب سے نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے۔ وہ کہتا ہے: انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے۔ اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی۔ اس زندگی میں دو عالم ہوں گے: ایک اچھائی اور سعادت کا، دوسرا برائی اور شقاوت کا۔ جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کیے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے، جنھوں نے برے عمل کیے ہیں دوسرے عالم میں اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا جسے وہ ''آخری فیصلے'' کا دن قرار دیتا ہے۔ بقاء روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں۔ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب وعتاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے (۵۲)۔

موجودہ عہد کے تمام محققین متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی اور فکری ارتقاء میں نہایت مؤثر حصہ لیا ہے۔ اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی زندگی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سرتاسر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیرووں کی اخلاقی روش کے لیے نہایت بلند مطالبے رکھتا تھا، ضروری تھا کہ اعمال وخصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیے تھے۔ یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔ پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے اور ہیروڈوٹس اور زینوفن نے جب تاریخیں لکھی ہیں تو یونانیوں کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے۔ انھیں

Marfat.com

ماننا پڑتا ہے کہ ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ ہم یہاں پ گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لیں گے: ''ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتیں''۔

ان کی راست بازی، رحم دلی، شجاعت اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے۔

دارائے اول کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ تھا۔ اس کے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر لے سکتے ہیں۔ بیستون (Behistun) کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے:

''خدائے برتر! اہورہ اموزدہ ہے۔ اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمراں اور آئین ساز بنایا''۔ دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورا موزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن وامان قائم کیا۔ میں اہورہ موزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو اور تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورہ موزدہ! میری دعا قبول کر۔

اے انسان! اہورہ موزدہ کا تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر، صراط مستقیم کو نہ چھوڑ، برائی سے بچتا رہ''۔ (۵۳)

یاد رہے دارا سائرس کا معاصر تھا اور اس کی وفات سے صرف آٹھ سال بعد تخت نشیں ہوا۔ پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہور موزدہ کے فضل وکرم سے منسوب کرنا ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے: ''ہذا رحمتہ من ربی''۔

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا، دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے، یہاں تک کہ انٹانین (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے جب سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا تو وہ

Marfat.com

ایران کی دوصد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہالے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ ''زردشت کا مقدس صحیفہ ''اوستا'' بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملۂ اصطخر میں جلکر راکھ ہوگیا''۔ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا حصہ تو محض مبالغہ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملۂ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملۂ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا، یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہوگیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا تو مذہب زردشت کی از سرنو تدوین کی گئی اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی اسی طرح اسد شیر بابکانی نے از سرنو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں، تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت، زردشت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر موجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے۔ اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرک ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لیے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیل (Anquetil) کی الوالعزمیوں اور عالمی قربانیوں کی شکرگزار ہیں۔ (۵۴) اس باقی ماندہ اوستا کے مجموعے میں صرف پانچ گاتھاؤں کا حصہ بلا شبہ زردشتی عہد کی خبر دیتا ہے۔ باقی حصے بعد کے عہدوں کی مخلوق ہیں جن سے ساسانی مذہب کے عقائد و اعمال کی ایک ناقص شبیہ مل جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک بحث طلب سوال اور ہے اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی (۵۵)۔ قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، لیکن ایران میں دارا اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے۔ یہ بادشاہ کی تصویر نہیں ہوسکتی، کیوں کہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے۔ اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے بھی کوئی بلند تر ہستی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ ہستی کون ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستون (۵۶) کے مرقع میں زیر بحث ہوئی، جب سنہ ۱۸۴۷ء میں کرنیل رالن سن (Rawlinson) نے اپنی شرح وحل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا۔ پھر یہی صورت معتدد نقوش میں ملی۔ مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقعے میں، نقش رستم میں، جو دراصل دارا کی قبر ہے،

Marfat.com

اصطخر کے محل شاہی کے دروازے پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے۔

رالن سن سے پہلے سر رابرٹ کیر پارٹر (Sir Robert Kerr Porter) نے یہ نظریہ قائم کرلیا تھا کہ یہ کوئی مافوق انسانیت ہستی ہونی چاہیے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ رالن سن ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ یہ اہورامزدہ کی ہستی ہے، یعنی خدا کی، چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے، لیکن انھوں نے اہورامزدہ کی ہستی کے لیے ایک مرموز (یعنی Symbolic) شخص کا تصور ضرور قائم کرلیا تھا۔ جو ان تصویروں میں نمایاں ہے اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہوگئے۔ (۵۷)

لیکن سنہ ۱۹۰۸ء سے (جب کہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اول دن سے ہی غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً، تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انھوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم وصورت میں نہین کیا۔ اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا۔

ثانیاً، اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہوگئی ہو جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد مین پیدا ہوگئی ہو، جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا اور جب یونانی مؤرخوں کی شہادت کے مطابق ایرانی یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ثالثاً، اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت اور الوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو۔ ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانے کا عام لباس پہن رکھا ہے، وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں کی تصویروں میں دکھایا گیا ہے صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنا دیا گیا ہے اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہوگئی ہے۔ اس حلقے اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ رائے تسلیم بھی کرلی جائے جب بھی یہ اس کے لیے کافی نہیں کہ محض یہ

Marfat.com

مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لیے پیروان زردشت کا منتہائے خیال تھا۔

رابعاً، اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقے اور لہروں میں ایک ماوراء انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا جب بھی یہ اہورموزدہ کی ہستی کیوں ہو، جس کی نسبت زردشت نے تقدس وعلو کا اس درجہ بلند تصور قائم کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت وتقدس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا، مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟

بہرحال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورموزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمراں پیغمبر اور ہخامنشی (Achaemenides) شہنشاہی کا پہلا تاجدار تھا۔

چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھایا گیا ہے اور ایرانی نقوش میں حلقے کی شکل حکومت وتاجداری کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو۔ (۵۸)

۸۔ جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے، ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں ہے "قلنا یٰذا القرنین" ہم نے کہا: اے ذوالقرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائی کی ہیں اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں اس لیے مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں "قلنا" کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اسم میں شک نہیں کہ "قلنا" کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو، یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعے ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو جیسا کہ "فقلنا اضربوہ ببعضہا" (۲:۷۳) میں ہے، یا خطاب قولی نہ ہو، تکوینی ہو، جیسا کہ "وقیل یٰارض ابلعی مائک ویٰسماء اقلعی" (۱۱:۴۴) اور "قلنا یٰنار کونی برداً وسلماً علیٰ ابراہیم"۔ (۲۱:۶۹) وغیرہ آیات میں ہے۔ لیکن اس طرح کا مطلب جبھی قرار دینا چاہیے کہ اسکے لیے قوی وجوہ موجود ہوں اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی تھی جیسی

Marfat.com

حضرت موسیٰ کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ ''واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (۴:۲۸) تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

اور غور کرو! قرآن کا بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہد عتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ ،اس کا مسیح اور اسکی مرضی پوری کرنے والا کہ رہے ہیں۔ عزرا نبی کی کتاب میں اس کا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کے لیے نقل کیا گیا ہے، اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے: ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیوں کے ملک میں اس کی عبادت کے لیے ایک ہیکل تعمیر کروں''۔ اس کا یہ کہنا کہ ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے''۔ ٹھیک ٹھیک ''قلنا یٰذاالقرنین'' کی تصدیق ہے۔ ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہی؟ں، اس مین سے ہر بات ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

۹۔ اب صرف ایک معاملے کی تشریح باقی رہ گئی ہے، یعنی یاجوج و ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے: ایک تو یہاں ہے، دوسرا سورۃ انبیاء میں ہے: ''حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج اھم من کل حدب ینسلون''۔ (۹۶:۲۱)

یاجوج و ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حز قیل نبی کی کتاب میں جنھیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا۔ اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے، یہ پیشین گوئی ملتی ہے:

''اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا: اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف، جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش، مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں۔ میں تجھے پھرا دونگا، میں تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا۔ تیرے سارے لشکر گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے جو پھریاں اور سپریں لیے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا، اور مین ان کے ساتھ فارس اور کوش

Marfat.com

اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لیے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے، نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر"۔

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آئےگا تا کہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں، تباہی آئے گی، تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں، وہ بھی ماجوج کے مقابلے میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو سمندر کے پورب میں ہے۔ ان کی لاشیں عرصوں تک وہاں پڑی رہیں گی، لوگ انھیں ا□ گاڑتے رہیں گے تا کہ رہ گزر صاف ہو جائے۔ (باب: ۳۸ و ۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے۔ اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفے کے بعد ہے جس میں حزقیل نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورة بقرہ کی آیت "او کلذی مر علی قریة وھی خاویة علی عروشھا" (۲۵۹:۲) مین بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو، یعنی سائرس کے زمانے میں اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے، کیوں کہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی۔ عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے، جس مین بیان کیا گیا ہے کہ جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لیے جمع کرنے نکلے گا ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی۔ (۲۰:۷) یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہین اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمۂ سبعینی (۵۹) میں اختیار کیے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لیے اختیار کیے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہوسکتا ہے، یا خود یونانی مین یہ نام پہلے سے موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں، لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نام اسی طرح یا اس

Marfat.com

کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے اس کے سوا کوئی نہیں یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقت ور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ سے لیکر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سیکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی۔ جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر (Magyar) نام سے مشہور ہوا اور ایشیا مین تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب ''منگولیا'' کہلاتا ہے، لیکن منگول (Mongol) لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہیے کیوں کہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام ''موگ'' ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں ''میگ'' اور ''مے گاگ'' پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ''ماجوج'' ہوگیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقے کے ایک اور قبیلے کا ذکر بھی ملتا ہے جو ''یواچی'' (Yueh-chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی ''یواچی'' ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں ''یاجوج'' ہوگیا۔

اس امر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی، جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں اور جو موجودہ زمانے مین تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں۔

کرۂ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے، تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا اور جب بہت بڑھ جاتا تو مغرب و مشرق کی طرف امنڈنا چاہتا۔ اس کے مشرق میں چین تھا، مغرب و جنوب میں مغربی اور جنوبی ایشیا اور

Marfat.com

شمال مغرب میں یورپ۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے۔ کچھ وسطِ ایشیا میں آباد ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے۔ کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے۔ یہ قبائل جو اس علاقے سے نکلتے تھے، مختلف ملکوں مین بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے، لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا، یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقے میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا۔ لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے، انھوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی۔۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے، یہ بدستور وحشی تھے۔ وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے، یہ وحشت کی قدرتی ہجیت اور درندگی سے۔ ان میں زراعت، صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں، وہ ان سب سے ناآشنا تھے۔ سرد علاقے کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انھیں وقت کی شائستہ اقوام کے لیے ایک خوف ناک ہستی بنا دیا تھا۔

قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو، شمال مشرقی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا۔

انھیں قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل (Aryans) کے نام سے پکارا گیا ہے۔۔ اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا، ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناتولیا میں بس گیا۔ اسے اب انڈو یوروپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ہندوستان اور یورپ دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند مین بس گیا تھا اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورت کہتا رہا۔ جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا۔ (جسے اوستا میں ایریانہ ویگو (Airyana Vego) کہا گیا ہے) اور یہی ایریانی ایران ہو گیا۔۔ جو قبائل اناتولیا تک پہنچ گئے تھے، وہ غالباً ہتی (Hittite) کے نام سے پکارے گئے، جنھیں تورات کی کتاب

Marfat.com

پیدائش میں ''حتی'' کہا گیا ہے اور مصر کے قدیم نوشتوں میں ''ختی'' پایا جاتا ہے۔

جو قبائل یورپ میں پہنچے وہ گوتھ (Goth)، فرانگ (Frank)، الامان (Alamanni)، ونڈال (Vandal)، ٹیوٹان (Teutan) اور ہن (Hun) کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور انھین کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین (Scythian) کے نام سے پکاری گئی۔ وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکٹریا (بلخ) پر تاخت وتاراج کرتے رہتے تھے، سیتھیں ہی تسلیم کیے گئے اور خودداراؔ نے اپنے خطبۂ اصطخر میں انھیں اسی نام سے پکارا ہے

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند، اناتولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران مین بس گئی تھیں، انھیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لیے موزوں تھا، اس لیے بہت جلد انھوں نے زراعتی زندگی اختیار کرلی اور پھر تہذیب وحضارت کی طرف بڑھنے لگیں، لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھین، انھیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا اس لیے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہوگئی تھیں:

اولاً۔ منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی۔

ثانیاً، بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

ثالثاً، ہندوستان، ایران اور اناتولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت اور حضارت مین ترقی کرنے لگے اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے۔

تقریباً سنہ ۷۰۰ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج ماجوج یا گاگ اور مے گاگ کا اطلاق پہلی دوقسموں پر ہوتا رہا، پہلی پر اس لیے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج ماجوج تھی، دوسری پر اس لیے کہ گو اپنے مولد ومقام سے الگ ہو چکی تھی، لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی۔ تیسری قسم چوں کہ یک قلب منقلب ہو چکی تھی، اس لیے وہ اب یاجوج ماجوج نہیں رہی تھی، بلکہ خود یاجوج ماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی، البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبائل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہوگئی اور مسیحیت اختیار

Marfat.com

کر کے تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگے تو قوموں کے حافظے سے ان کا نام بھی اتر گیا۔اور یاجوج ماجوج کا اطلاق صرف اسی خطے میں سمٹ آیا جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا۔یعنی صرف منگولیا کے صحرانورد قبائل ہی یاجوج ماجوج سمجھے جانے لگے۔چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء مین ان کے جس خروج کی خبر دی ہے، وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا۔

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (بعض چھوٹی قوموں کو مستثنٰی کر دینے کے بعد) براہ راست انھیں قبائل کی نسل سے ہیں جیسا کہ معلوم و مسلم ہے۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے، پھر توطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس اختلاف حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے: صحرانورد قبائل کے گروہ اور اقامت گزین قبائل کے گروہ۔معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرانورد رہتا اور دوسرا اقامت گزیں ہو جاتا تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے۔صحرانورد قبائل کو غذا کے لیے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا، اقامت گزین قبائل کو اناج پر۔وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے، یہ کھیتوں مین اور مکانوں کی چاردیواری میں۔ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی، ان کا ماحول شہریت۔ان کو نشوونما کے لیے جنگ کی ضرورت تھی، ان کو امن کی۔ان کا جسم روز بروز طاقت ور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا، ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند۔وہ روز بروز وحشت و خوں خواری مین بڑھتے جاتے تھے، یہ روز بروز تہذیب و حضارت میں۔تہذیب و حضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات و خصائل میں لطافت و نرمی پیدا ہو، صحرائیت و خانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصائل میں وحشت و خشونت ہو۔نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبائل شائستہ ہوتے جاتے، صحرانورد قبائل کی ہستی ان کے لیے ہول ناک اور ناقابل مزاحمت ہو جاتی۔جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا تو شہری قبائل دیکھتے کہ صحرانورد قبائل عفریتوں کی طرح خوف ناک اور درندوں کی طرح خوں خوار ہیں اور صحرانورد قبائل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لیے شہری آبادی سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں۔

البتہ صحرانورد قبائل متفرق تھے اور اقامت گزینی کے طریقوں سے ناآشنا، اقامت گزین

Marfat.com

قبائل باہم مربوط تھے، اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشناء، اس لیے قدرتی طور پر صحرانوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ وہ خوف ناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے اور قتل وغارت کر کے نکل جاتے، لیکن جم کر ٹک نہیں سکتے تھے اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے۔ مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمراں قائد پیدا ہو جاتا اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایک فوج کی نوعیت دے دیتا تو پھر قتل وغارت گری کی ایک ایسی منظم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی، بلکہ مملکتوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی سے بڑی قوتیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ صحرانورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلے میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا ہے، یہاں تک کہ علم وصناعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دیے جن کے مقابلے سے غیر متمدن اقوام عاجز آ گئیں

چنانچہ ان شمال مشرقی قبائل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے۔ ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی وہ بالکل ایک دوسری قوم بن گئی اور جنھیں ایسے حالات میسر نہین آئے وہ بدستور صحرانورد رہیں۔ اقامت گزیں قبائل کے لیے صحرانورد قبائل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے بلکہ خوف ناک بھی ہو گئے تھے کیوں کہ ان کی روز افزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابلہ نہین کر سکتی تھی، یہ جب کبھی موقع پاتے قرب وجوار کی آبادیاں غارت کرتے اور اگر قبائل کا کوئی قائد نکل آتا تو ان کی غارت گریان دور دور تک بھی پہنچ جاتیں۔ صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی۔ پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنھوں نے نظم و اطاعت کا راز پالیا تھا تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چوتھی صدی میں اٹیلا (Attila) نے جو ہُن قبیلے کا قائد تھا، ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں مشرقی ومغربی مملکتوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لیے پامال کر دیا۔

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دوہراتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خان پیدا ہو گیا ہے۔ وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی۔

Marfat.com

وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا، خس وخاشاک کی طرح بہہ گیا۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ یاجوج وماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اس کی تمام صحرانورد اور وحشی شاخیں ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج وظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب سے منضبط کر لیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانے میں یہ قوم کہاں تھی اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے مین تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

ا۔ پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال مشرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے، پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے۔ اس خروج وانشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہوگی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی،

دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے، لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے۔ اب اقامت گزینی اور صحرانوردی کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند، ایران اور اناتولیا کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں، مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرانورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہیے (۶۰)۔

تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اب بحر خضر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خوں خوار قوم کا مرکز بن چکا ہے اور وہ مختلف ناموں میں مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے۔ پھر اچانک تاریخ کے افق پر "سیتھین" قوم کا نام ابھرتا ہے۔ یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ آشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوی کے عروج کا تھا اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشورین کے شمالی سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری ہیں یہ شمالی سرحد بحر خضر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلۂ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور وہ کاکیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے پھر سنہ ۶۳۰ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے۔ یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارت گری تھی (۶۱)۔

Marfat.com

۴۔ چوتھا دور سنہ ۵۵۰ قبل مسیح کا قرار دینا چاہیے جب سائرس کا ظہور ہوا اور فارس و میڈیا کی متحد شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔ اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی۔ اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ہے: پہلا سائرس کے زمانے میں جب وہ فتح بابل سے پہلے سیتھین قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارک کرتا ہے۔ دوسرا دارا کے زمانے میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے۔

دارا کے حملے کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا۔

۵۔ پانچواں دور تیسری صدی قبل مسیح کا ہے۔ اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چین کی آبادیوں پر ٹوٹتا ہے، پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہ راہ اختیار کرتا ہے۔ چین کی تاریخ میں انھیں ہیونگ نو (Hiung -nu) کے نام سے پکارا گیا ہے اور یہی نام آگے چل کر ''ہن'' (Hun) ہو گیا۔

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین شیہ ہوانگ ٹی (Ch'in Shih Huang Ti) نے ان حملوں کے روکنے کے لیے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اور پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے۔ اس کی تعمیر سنہ ۲۱۴ قبل مسیح مین شروع ہوئی اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس مین ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔ اس لیے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔

۶۔ چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

۷۔ ساتواں اور آخری دور بارھویں صدی مسیحی اور چھٹی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھر تیار ہو گئی اور چنگیز خان نے انھیں متحد کر کے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کر دی۔

مندرجہ صدر خلاصے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دیے اور پھر ہمیشہ کے لیے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہو گیا، وہ سائرس کا ہاتھ تھا۔ پس یقیناً منگولین

Marfat.com

نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے انھین کی راہ روکنے کے لیے سد تعمیر کی، جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انھیں روکنے کے لیے ایک دیوار تعمیر کریں۔

اب غور کرو! سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے؟ ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے، یعنی کاکیشس کے درے سے۔ یہی مقام صدیوں تک دونوں علاقوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے۔ اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو کیا اس کے لیے ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کردے؟ قدرتی طور پر ضروری تھا اور اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کردی۔ چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی، اس لیے یاجوجی حملوں کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا۔

اب پھر حزقیل نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈال لو۔ اس میں جوج کو روش، مسک اور طوبال کا سردار کہا ہے اور یہ ٹھیک انھین قبائل کے نام ہیں۔ "روش" وہی ہے جس سے "رشیا" نکلا، مسک وہی ہے جو "موسکو" ہوا، اور "طوبال" بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا۔ پھر کہا ہے کہ "میں تجھے پھرا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا" یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرا دیئے اور سد تعمیر کر کے ان پر ان کی راہ روک دی۔ پھر کہا ہے: "ایسا معاملہ واقع ہوگا کہ ان کے تمام ہتھیار جلا دیے جائیں گے اور رہ گزروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے، ان قوموں کا گورستان بنے گا۔ نیز عرصے تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تا کہ راہ صاف کریں"۔ یہ وہ واقعہ ہے جو دارا کے حملۂ یورپ میں پیش آیا۔ دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرتب تھی۔ اس مین یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ وہ باس فورس عبور کر کے مشرقی یورپ مین پہنچ گیا تھا اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا لیکن اس لشکرکشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے اور انکی قوت عرصے تک کے لیے مضمحل ہوگئی۔

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ہے تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی جمتی ہوئی تفسیر شارحین انجیل نہ کر سکے۔ اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کون سی مدت ہے اور یہ کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح سے شروع ہوتی تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ ہوسکتا

Marfat.com

ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے، کیوں کہ اس معاملے سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک بات بن سکتی ہے۔ بابل کا سقوط چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے۔ اور چوتھی صدی قبل مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ پس یاجوج ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل ہزار برس کے بعد ضرور ہوا ہے۔

ماجوج کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے، جہاں حضرت نوح کے تین لڑکوں سام، حام، یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے "جمر، ماجوج، مادی، یونان، توبال، مسک اور تیراس پیدا ہوئے (۱۰:۲)۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے، کیوں کہ قدیم مورخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انھیں یافثی نسل قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا مواد قید بابل کے زمانے مین تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصے تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں سے ہی پیدا ہوئی ہیں، لیکن اب اس کی عملی قدر و قیمت یک قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا نوشتہ ہے جس مین ہمیں سنہ ۵۰۰ قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آ جاتے ہیں۔ بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظے نے محفوظ رکھی تھیں، لیکن ساتھ ہی بابلی اور عاشوری روایتوں کا بھی ایک عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

۱۰۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہیے۔

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشس کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانہ سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشس کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔ ساحل کی طرف یہ دیوار دوہری ہے، یعنی اگر آذربائجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار

Marfat.com

ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس مین پہلے ایک دروازہ تھا۔ دروازے سے جب گزرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے۔ لیکن یہ دہری دیوار صرف دومیل تک گئی ہے، اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے۔ دونوں دیواریں جہاں جا کر ملتی ہین وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہین رہتا، لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے اور اسی پانچ سو گز کے عرض مین دربند آباد ہے۔ اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے ''دوبارہ'' کہتے آئے ہیں، یعنی دوہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد مین یہ مقام موجود تھا اور اسے ''دربند'' کہا جاتا تھا یعنی ''بند دروازہ'' کیون کہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخری، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد مین یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا، کیوں کہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی۔ جس کے ہاتھ یہ کنجی آجاتی وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا۔ اسی لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے (۶۲)۔

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیون کی طرح انھوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ اسے ''باب الابواب'' اور ''الباب'' کے نام سے پکارنے لگے، کیون کہ مملکت کے لیے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے۔ بعضوں نے اسے ''باب الترک'' اور ''باب الحزر'' کے نام سے بھی پکارا ہے، کیون کہ تاتاریون اور تاتاری النسل کا کیشن قبیلوں کی آمدورفت کی راہ یہی تھی۔

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال (Darial Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانے کے نقشے میں طاس کا محل ولاڈی کیوکز (Vladi Kaukez) (۶۳) اور تفلس (Tiflis) کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصون میں سے ہو کر گزرا ہے۔ اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے ''آہنی دروازہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔

Marfat.com

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے تعمیر کی تھی، چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں (۶۴) اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی مین مشہور ایرانی مورخ جوزیفس (Josephus) اس کا ذکر کرتا ہے۔ پھر پروکوپیس (Procopius)۔ چھٹی سدی مسیحی کے اوائل مین خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے، کیون کہ سنہ ۵۲۸ مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقے پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا۔ نوشیرواں کا زمانہ سنہ ۵۳۱ سے سنہ ۵۷۹م تک تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

اب یہاں ایک اور الجھاؤ بڑھتا ہے۔ جوزیفس اور پروکوپیس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا، حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقے میں آیا ہو یا کوئی جنگ لڑی ہو۔

زمانۂ حال کے ایک امریکن مورخ مسٹر اے۔ وی ولیمس جیکسن (A.V.Williums Jackson) (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقے کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفرنامے میں بیان کیے ہیں۔ وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہین کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کیے ہونگے، کم از کم درۂ داریال کے استحکامات بعد کو ساسانی فرماں رواؤں نے انھیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا۔ چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی، اس لیے سکندر کی طرف منسوب ہوگئی (۶۵)۔

لیکن جب سکندر نے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد مین اور خود اسکے ساتھیوں نے قلم بند کر دیے ہیں اور ان میں کبھی بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا، تو پھر کیون کر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان کر لی جائیں۔

اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جبھی تعمیر کیے جا سکتے ہیں جب کے امن وحفاظت کی ضرورت نے انھیں ناگزیر کر دیا ہو۔ لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات مین اس طرح کی کوئی ضرورت پیش نہین آئی۔ اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا۔ اس نے شام کی راہ سے

Marfat.com

ایران پر حملہ کیا اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا۔ ہندوستان سے واپسی پر ابھی بابل مین ہی تھا کہ انتقال کر گیا ایسی حالت میں وہ کون سے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے اور اگر پیش آئے تو کب؟

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دوسو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درہ داریال کی سدوہی سد ہے ہے جس کا قرآن مین ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ وقرآن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:

اولا، سائرس اور سکندر کی دو باتین تاریخ کی قطعی روشنی مین آچکی ہیں: سائرس کے زمانے میں یہاں سے قوم کے حملے ہورہے تھے، سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لیے ضروری تھا کہ راہ روکے، سکندر کو کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد اس نے سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی، سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان دو باتوں کے جمع کرنے سے جو تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی، نہ کہ سکندر کے حکم سے کسی افسر نے۔

ثانیاً۔ پروکوپیس کے علاوہ دوسرے قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، مثلاً ٹی ٹس (Tacitus) اور (Lydus) نے۔ وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ رومی اسے ''کاسپین پوٹا'' کے نام سے پکارتے تھے یعنی ''باب کاسپین''، لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے۔

ثالثاً، ایک مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سائرس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے۔ جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہیے۔ ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام ''بھاک کورائی اور ''کاپان کورائی'' چلا آتا ہے۔ دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ ''کور کا درہ'' (٦٦)۔ سوال یہ ہے کہ ''کور'' سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ ''کورش'' کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سائرس کا اصلی نام تھا۔ جیسا کہ دارا کے کتبہ اصطخر میں پڑھا جا چکا ہے؟

پروفیسر جیکسن اسی ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن وہ ''کور'' کا تلفظ ''سور'' کرتے ہیں اور پھر عربی کے ایک نام ''سول'' کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں، اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔ (٦٧)

Marfat.com

رابعاً۔ اس علاقہ سے سائرس کے تعلق کی ایک دوسری شہادت بھی واضح ہے، کا کیشیا کے پہاڑ سے کئی دریا بہتے ہیں جن میں ایک دریا کا نام قدیم سے ''کورش'' چلا آتا ہے جسے رومی نوشتوں میں سائرس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ خود یورپ کے سیاحوں نے بھی اسے اسی نام سے پہچانا ہے۔ انتھونی جنکن سن (Anthony Jenkinson) جسے لندن کی ایک تجارتی کمپنی نے ۱۵۵۷ میں براہ روس بخارا بھیجا تھا، اپنی یادداشت میں بحر خزر کا ذکر کرتے ہوئے اس دریا کا بھی ذکر کرتا ہے اور اسے ''سائرس'' کے نام سے پکارتا ہے۔ (Hakluyt's Voyages Vol.1 'P.462)۔ علاوہ بریں تمام قدیم نوشتوں میں اس دریا کو اسی نام سے پکارا گیا ہے۔

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے، یا دربند کی دیوار یا دونوں؟

قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا۔ اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا۔ اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کر برابر کر دیا، اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے، بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیاں ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے۔ چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں ''آہنی دروازہ'' کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے، اسی کا ترجمہ ترکی میں ''وامر کپو'' مشہور ہوگیا (۶۸)۔ بہرحال ذوالقرنین کی اصل سد یہی سد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرے سے خالی نہیں، دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔ (۶۹) غالباً سب سے پہلا انگریز سیاح جس نے دربند کی دیوار کا ذکر کیا ہے انتھونی جنکسن (Anthony Jenkinson) ہے۔ اسے کوئن الزبتھ نے ۱۵۶۱ء میں شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ روسی علاقے سے براہ بحیرۂ

Marfat.com

خزر دربند پہنچا اور وہاں چند دن ٹھہر کر شروان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لکھتا ہے کہ اکہری دیوار گر چکی ہے، مگر اس کی بنیاد صاف نمایاں ہے۔ (دیکھیے: Hakluyt's Voyages Vol.II.13. (Everyman's Library.

دربند کی دہری دیوار سنہ ۱۷۹۶ء تک موجود تھی۔ جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (Eichwald) نے اپنی کتاب ''کواکیسیس'' میں نقل کی ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۴ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا تو کوآثار باقی تھے، لیکن دیوار گر چکی تھی، البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔

۱۱۔ موجودہ زمانے کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی۔ لیکن وہ حزقیل کی پیشین گوئی کا محل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق سنہ ۶۳۰ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانے میں لکھی گئی تھی۔ کیوں کہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ (اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائکلو پیڈیا برٹانیکا اور جیوئش انسائکلو پیڈیا میں لفظ (Gog) کا مقالہ دیکھنا چاہیے۔

۱۲۔ ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے، کیوں کہ زمانۂ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے۔ یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی''۔ اس لیے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔

استدراک

۱۔ ہم نے سائرس کے جس مجسمے کا اوپر ذکر کیا ہے اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ''ذوالقرنین'' اسی کا لقب تھا۔ وہ قدیم سنگ تراشی کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جا سکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمری مجسمہ ہے۔ یہ ایران کے قدیم دارالحکومت اصطخر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا۔ اب اس کا بقیہ صرف

Marfat.com

چند مرمریں ستون رہ گئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا۔

سب سے پہلے سنہ ۱۸۳۷ء میں جیمس موریر (James Morier) نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا۔ پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر پورٹر (Robert Kerr Porter) نے اس مقام کی علمی پیمائش اور تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے سفر نامہ جارجیا و ایران (Georgia and Iran) میں مجسمے کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے پنسل سے تیار کی تھی۔ اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا۔ تاہم یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مجسمہ سائرس ہی کا ہے، بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی۔ پھر سنہ ۱۸۸۴ء میں ڈی لافو (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب (L'Art Antique De la Perse) میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا اور اس طرح مجسمے کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آ گئی۔

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یوروپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہین ہوا کہ اس کی نوعیت مین قرآن کے ''ذوالقرنین'] کی صریح اور قطعی تصدیق نمایان ہو گئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہ سکتے کہ یہ تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے، کیوں کہ ان مین کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو یقیناً ان تعصّبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات میں سے ہے۔

۲۔ اس مجسمے میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں اور اطراف مین عقاب کے سر پر۔ سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا ہے، لیکن عقاب کے سر پر کیون بنائے گئے؟

اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفے سے مل جاتا ہے۔ اس مین جہاں سائرس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ: دیکھو! میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں۔ اس شخص کو جو ایک دور کے ملک سے آ کر میری ساری مرضی پوری کرے گا''۔ (باب ۴۶:۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی کے مکاشفے سے تعلق رکھتا ہے اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آ چکی ہے۔ خواہ یہ پیشین گوئیاں بعد کو بنائی گئی ہوں، خواہ فی الحقیقت پیش تر کی ہوں، لیکن ان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ سائرس کے لیے دو سینگون کا اور عقاب کا تخیل پیدا ہو چکا تھا اور ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمے میں متشکل ہو گیا ہے۔

Marfat.com

تفصیلات قصص القران جلد سوم جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

ذوالقرنین

تمہید:

یہ واقعہ اپنی دلچسپ تاریخی روایت کے لحاظ سے تین اہم حصوں پر منقسم ہے، (۱) ذوالقرنین کی شخصیت (۲) سدّ ذولقرنین (۳) یاجوج و ماجوج؟ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر سہ مسائل کو جدا جدا بیان کر کے اس واقعہ کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔

زیرِ بحث مسائل اور علمائے اسلام:

سلف میں اگرچہ مسائل زیرِ بحث کے متعلق ایسے اقوال بکثرت ملتے ہیں جو ان مسائل کی تفسیر و تفصیل کی غرض سے بیان کیے گئے ہیں لیکن علماء متاخرین نے اس سلسلے میں دو جدا جدا راہیں اختیار کر لی ہیں۔ ایک جماعت، سلف کے بعض اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ کہہ دینے پر اکتفا کرتی ہے کہ زیرِ بحث مسائل سے متعلق منقول اقوال چونکہ قرآن کی بیان کردہ شخصیت ذوالقرنین کے ساتھ پوری طرح مطابقت نہیں کرتے اس لیے ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ایک جانب یہ یقین واعتماد رکھیں کہ قرآن عزیز نے جس حد تک ذوالقرنین کی شخصیت، سد اور یاجوج و ماجوج پر روشنی ڈال دی ہے وہ بلاشبہ حق ہے اور باقی تفصیلات یعنی اس کی شخصیت کا تاریخی مصداق، سد کا جائے وقوع اور قوم یاجوج و ماجوج کا تعین، سو ان کے علم کو سپرد بخدا کر دینا چاہیے کیونکہ ''تفویض'' کا طریقہ ہی اسلم طریقہ ہے لیکن جب ایک تحقیق طلب طبیعت اس پر قانع نظر نہیں آتی اور وہ اضطراب اور تردد میں پڑ جاتی ہے تو یہ جماعت اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ جب کہ دُنیوی اسبابِ علم اور وسائلِ معلومات کے اس حیرت زادور میں بھی محققینِ علم الآثار (ARCHAEALOGY) کو یہ اعتراف ہے کہ ابھی وہ اس دنیا کے مستور تاریخی خزانوں اور نظروں سے اوجھل تاریخی حقائق کے معلوم کرنے میں سمندر میں سے قطرہ کی مقدار حاصل کر پائے ہیں اور جب کہ ہم چند صدی قبل تک دنیا کے چوتھے برِ اعظم امریکہ کی دریافت سے بھی قاصر رہے تھے تو کون سے تعجب کی بات ہے اگر ابھی تک دنیا اور موجودہ علم و تحقیق سدِ ذوالقرنین کو نہ پا سکے اور یاجوج و ماجوج کے متعلق ان کا علمِ تحقیق ابھی تک قاصر رہا ہو اور وہ ذوالقرنین کی شخصیت کا تعین نہ کر سکے ہوں اور ہو سکتا ہے پہلے دو امور وقتِ موعود تک

Marfat.com

یعنی قریب بہ قیامت منکشف ہو کر ہمارے سامنے آجائیں اور ان دونوں کے انکشاف سے ذوالقرنین کی شخصیت کا بھی با آسانی تاریخی تعین ہو جائے، پھر کون سی وجہ ہے کہ اگر ہم ان امور کی تاریخی تفصیلات کو آج نہ بیان کر سکیں تو اس بناء پر ان امور کو محض افسانوی داستان سمجھ لیا جائے۔ خصوصاً جب کہ قرآنِ عزیز وحی الٰہی کے ذریعہ ان کے وجود کی اطلاع دیتا ہے اور جب کہ اہلِ علم کا یہ مسلّمہ نظریہ ہے کہ ہمارا کسی شے کو نہ جاننا اس کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ چیز حقیقتاً بھی وجود نہیں رکھتی۔ پس ایک مسلمان کے لیے تو اسی قدر کافی ہے کہ نفسِ مسئلہ پر یقین کرتے ہوئے تفصیلات کو سپردِ بخدا کر دے اور منکرینِ وحی الٰہی کے لیے زیادہ سے زیادہ توقف کی گنجائش ہوسکتی ہے نہ کہ انکار پر اصرار کی۔

اس کے برعکس علماء اسلام میں سے دوسری جماعت ان مسائل کی تحقیق کے در پے ہے اور وہ قرآنِ عزیز کی عطا کردہ روشنی میں ان کے حقائق کی تفصیلات کو واضح کرنا نہایت ضروری جانتی اور قرآنِ حکیم کی اہم تفسیری خدمت یقین کرتی ہے، اس کا خیال ہے کہ مسائل زیرِ بحث میں تفویض کے طریقے کو اختیار کر کے ہم اپنی ذمہ داری سے کسی طرح سبک دوش نہیں ہوسکتے اور یہ اس لیے کہ قرآن نے ذوالقرنین کے معاملہ کو یہود کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور اسی بناء پر وہ اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے جس سے سوال کرنے والی جماعت اس اقرار کرنے پر مجبور ہو جائے کہ "نبی امّی" نے وحیِ الٰہی کے ذریعہ ان ہر سہ مسائل کے متعلق جو تفصیلات بیان کی ہیں بلاشبہ وہ صحیح ہیں اور سورۂ بنی اسرائیل میں "روح" کے سوال پر قرآن کا جواب اس کے برعکس اسلوب پر مرکوز ہے اور دریافت کرنے والوں کو صرف اس قدر بتا کر کہ "روح" خدا کے حکم و امر میں سے ایک ایسی شے ہے جو اس کے حکم سے جسم میں داخل ہو جاتی ہے، مزید تفصیلات کو ان کی عقول کے لحاظ سے غیر ضروری قرار دے دیا ہے لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ عزیز ذوالقرنین سے متعلق تفصیلات کے در پے ہے اور یہود کو یا مشرکین اور یہود دونوں کو ان کی معلومات کے مطابق مطمئن کرنا چاہتا ہے بلکہ اس سلسلے میں ان کے یہاں بعض تفصیلات نے جو افسانوی شکل اختیار کر لی تھی اس کے خلاف حقائقِ واقعہ کو کھول دینا چاہتا ہے۔

نیز اس لیے بھی یہ مسائل محتاجِ تحقیق ہیں کہ قرآن کریم کے اسلوب بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہود اس تاریخی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اور انکی قومی و مذہبی زندگی کا اسکے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ تب ہی انھوں نے اس مسئلہ کو مشرکین کی اعانت کے لیے اس لیے انتخاب کیا کہ اس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا با آسانی امتحان ہو جائے گا، پس جو معاملہ آج سے تیرہ چودہ سو سال تک لوگوں کی معلومات میں تھا اور جس کی تفصیلات وہ قومیں بخوبی جانتی تھیں اس کے متعلق یہ کہہ کر سبک

Marfat.com

دوش اور قرآن کے بیان کردہ اس اہم واقعہ کی تفسیر سے عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا کہ جب کہ ہم خدا کی زمین کے بہت سے حصوں سے ابھی تک ناواقف ہیں تو ممکن ہے کہ اس واقعہ سے متعلق شخصیتیں اور مقامات بھی اس طرح غیر معلوم ہوں اور ہم ابھی تک انکا پتہ لگانے سے قاصر رہے ہوں۔ چنانچہ علماء محققین مثلاً حافظ ابن تیمیہ، ابن کثیر، ابوحیان، ابن عبدالبر، امام رازی، حافظ ابن حجر، شیخ بدرالدین عینی، ابن ہشام اور سہیلی رحمہم اللہ ان مسائل کی تحقیق و تدقیق کے درپے نظر آتے ہیں اور اس بارے میں اپنے رجحان کے مطابق فیصلہ دینا چاہتے ہیں۔

مسائل زیر بحث سے متعلق ہمارا خیال ان ہی علماء تحقیق کی پیروی پر آمادہ ہے بلکہ ہم ان مسائل کے متعلق اس لیے اور بھی زیادہ تحقیق و تدقیق کے خواہش مند ہیں کہ جن مستشرقین یورپ نے قران عزیز کے الہامی کتاب ہونے کے خلاف زہر چکانی کی ہے اور اپنے مزعومہ دلائل سے جہاں اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ثابت کیا ہے وہیں یہ بھی ہرزہ سرائی کی ہے کہ قرآن کے بعض بیان کردہ بیان حقائق نہیں ہیں بلکہ اہل عرب کے مشہور افسانوں کو حقیقت کے نام سے بیان کر دیا گیا ہے۔

اسلامی مسائل میں مستشرقین یورپ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اکثر تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے چند ایسے مقدمات وضع کر لیتے ہیں جن سے ان کو اپنے مزعومات اور خیالات میں مدد ملے اور اسلام بلکہ قرآن عزیز کے بیان کردہ حقائق کی تردید کی جا سکے۔ چنانچہ اصحاب رقیم (پیٹرہ) کے متعلق قرآن عزیز نے جب چند حقائق کا اظہار کیا اور موعظت و عبرت کے لیے انکے حالات و واقعات کو روشنی میں لایا تو انھوں نے اپنی ناواقفیت و جہل کو چھپانے یا تعصب کی راہ سے قرآن کو جھٹلانے کے لیے رقیم (پیٹرہ) کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور جسارت بیجا کے ساتھ یہ کہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کے سنے سنائے جھوٹے قصے کو وحی الٰہی کہ کر بیان کر دیا ہے، مگر جب قدرت کے ہاتھوں نے قرآن کے اعلان حق کے تیرہ سو سال کے بعد پیٹرہ کو ٹھیک اسی مقام پر ظاہر کر دیا اور اس کے عظیم الشان کھنڈر اپنے وجود کا اعلان کرنے لگے تو انکو حقیقت کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ندامت و شرم ساری کے ساتھ قرآن عزیز کے اعلان حق کو تسلیم کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

اسی طرح جب قرآن عزیز نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصہ تک مصر میں فراعنۂ مصر اور قبطیوں کے غلام رہے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے صدیوں کے بعد ان کو خدا کے بخشے ہوئے اعجاز کے ذریعے نجات دلائی اور اس مسئلہ میں تورات نے بھی ایک حد تک قرآن اور وحی

Marfat.com

الٰہی کے علم یقین کا ساتھ دیا تو اس کے باوجود مدعیانِ علم نے ایک عرصہ تک مصر میں بنی اسرائیل کی غلامی کا انکار کیا اور علم حقیقی کی تکذیب کے درپے رہ کر اس کا مذاق اڑایا، مگر مصری حفریات نے جب فرعون کے مشہور سنگی کتبہ کا انکشاف کرایا اور کتبہ کی کندہ عبارت نے بنی اسرائیل کی غلامی پر ایک حد تک روشنی ڈالی تو آہستہ آہستہ جہل نے علم کے سامنے شکست قبول کر لی اور اب ان نظریات میں بھی تبدیل ہونے لگی جو فلسفہء تاریخ کے نام پر محض ظن و تخمین سے قائم کیے گئے تھے اور جن کو علم کا درجہ دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اب انکار اقرار کی شکل میں تبدیل ہونے لگا ہے۔

ٹھیک اسی طرح ذوالقرنین یاجوج ماجوج اور سدّ کا معاملہ ہے۔ قرآن عزیز نے سورۂ کہف میں ایک ایسے بادشاہ کا ذکر کیا ہے جس کا لقب ذوالقرنین ہے اور جو مشرق و مغرب تک فتوحات میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں کے بسنے والوں نے اس سے یہ شکایت کی کہ یاجوج ماجوج ہم کو ستاتے اور وحشیانہ حملے کر کے فساد مچاتے اور بربادی لاتے ہیں، آپ ہم کو ان سے نجات دلایئے، ذوالقرنین نے یہ سن کر ان کو تسلی و تشفی دی اور لوہے اور تانبے کو پگھلا کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسی سد قائم کر دی کہ شکایت کرنے والے یاجوج و ماجوج کے فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

مستشرقینِ یورپ نے جب اس واقعہ کا مطالعہ کیا تو حسبِ عادت اپنے پیش رو مشرکین مکہ اور کفارِ عرب کی طرح فوراً یہ کہہ دیا:

ترجمہ: یہ (قرآن) کچھ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

اور بڑے زور و شور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ ذوالقرنین کا یہ قصہ اخبارِ قرآنی کیے اعجاز و عبرت و موعظت کے لیے حقیقی واقعہ نہیں ہے بلکہ عرب کی ایک فرسودہ داستان اور بے سروپا کہانی کو وحی الٰہی کی حیثیت دے دی گئی ہے ورنہ تاریخی دنیا میں ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کی شخصیت اور سد ذوالقرنین کا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

پس ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ذاتی اعتقاد کی بنا پر بلکہ تاریخی نقطہ نگاہ کے مطابق یہ واضح کرے کہ دوسرے تاریخی مسائل کی طرح قرآن عزیز کا عطا کیا ہوا علم و یقین اس مسئلہ میں بھی اپنی جگہ اٹل اور علم و یقین کے درجہ کی حقیقت ہے اور معترضین کا انکار بلاشبہ جہل، ظن و تخمین اور باطل مزعومات کا طومار ہے اور ان تاریخی حقائق کا انکار صرف بیجا تعصب پر مبنی ہے نہ کہ اظہارِ حقیقت کے پیشِ نظر۔

Marfat.com

ذوالقرنین

ذوالقرنین کی شخصیت پر بحث کرنے سے قبل حل طلب اہم سوال یہ ہے کہ قرآن عزیز نے اس معاملہ کی جانب کس لیے توجہ کی اور اگر از خود نہیں بلکہ کسی سوال کے جواب پر توجہ مبذول کی، تو سائل کون ہیں اور کس بنیاد پر انھوں نے اس سوال کا انتخاب کیا؟ یہی وہ سوال ہے جو دراصل اس معاملہ کی کلید ہے اور اگرچہ بہ سلسلۂ شانِ نزول مفسرین اور اربابِ سِیَر نے اس کی جانب توجہ فرمائی ہے، مگر تحقیقِ شخصیت کے وقت ان حضرات نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت، سد کا تعین اور یاجوج و ماجوج کی تحقیق اگرچہ تین مستقل مسائل ہیں، تاہم یہ تینوں اس طرح باہم مربوط ہیں کہ اگر کسی ایک کے متعلق واضح تحقیق سامنے آجائے تو قرآن عزیز کی تفصیلات کی روشنی میں باقی دو مسائل کے حل میں بہت زیادہ سہولت ہو جاتی ہے۔

ذوالقرنین سے متعلق سوال کی نوعیت:

محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) بیان کیا ہے کہ قریشِ مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو علماء یہود کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ تم خود کو اہلِ کتاب کہتے ہو اور تمھارا دعویٰ ہے کہ تمھارے پاس زمانہ سابق کے پیغمبروں کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہم کو یہ بتائیں کہ انکے دعویٰ پیغمبری کی صداقت کے متعلق آپ حضرات کی الہامی کتابوں میں کوئی تذکرہ یا علامات موجود ہیں یا نہیں؟ چنانچہ قریش کے وفد نے یثرب پہنچ کر علماء یہود سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ احبارِ یہود نے ان سے کہا تم اور باتوں کو چھوڑ دو ہم تم کو تین سوالات بتائے دیتے ہیں اگر وہ انکا صحیح جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ ضرور اپنے دعوے میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں اور تم پر انکی پیروی واجب ہے اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکیں تو وہ کاذب ہیں پھر تم کو اختیار ہے کہ جو معاملہ ان کے ساتھ چاہو کرو، وہ سوالات یہ ہیں: (۱) اس شخص کا حال بیان کیجیے جو مشرق و مغرب تک فتوحات کرتا چلا گیا؟ (۲) ان چند نوجوانوں پر کیا گزرا جو کافر بادشاہ کے خوف سے پہاڑ کی کوہ میں جا چھپے تھے؟ (۳) روح کے متعلق بیان کیجیے؟ وفد، مکّہ واپس آیا اور اس نے قریش کو یہودی علماء کی گفتگو سنائی، قریش نے سن کر کہا: اب ہمارے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ یہود کے ان سوالات کے جوابات ایک امّی انسان جب ہی دے

Marfat.com

سکتا ہے کہ درحقیقت اس پر خدا کی جانب سے وحی آتی ہو، چنانچہ قریشِ مکہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر تینوں سوالات پیش کردیے، ان ہی سوالات کے جوابات کے لیے آپ پر سورۂ کہف کا نزول ہوا۔(۱)

محدثین نے اس روایت کے مختلف طریقوں کو بیان کرکے اس کی تحسین فرمائی ہے اور سدی کے طریقِ روایت مین اس قدر اور اضافہ ہے:

ترجمہ: یہود نے کہا "ہم کو اس نبی کا حال بتایئے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں صرف ایک ہی جگہ کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ "کون"؟ یہود نے کہا "ذوالقرنین"۔

یہود کے اس بلواسطہ سوال کے متعلق محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، صحیح تفصیل یہ ہے کہ ان سوالات کا انتخاب یہود نے کیا تھا۔ مگر قریش کی زبان سے ادا کرائے گئے اور ہوسکتا ہے سوال میں لفظ توراۃ دیکھ کر نیچے کے کسی راوی نے اپنے وہم سے ان سوالات کو بلاواسطہ یہود کی جانب سے سمجھ لیا ہو۔

غرض اس روایت سے تین اہم باتوں پر روشنی پڑتی ہے (الف) یہ کہ ذوالقرنین سے متعلق سوال اگرچہ قریش کی زبان سے ادا ہوا لیکن اصل میں یہ یہود کی جانب سے تھا (ب) یہ ایسے شخص سے متعلق سوال تھا جس کو توراۃ میں صرف ایک جگہ "ذوالقرنین" کہا گیا ہے (ج) اس شخص کو قرآن نے اپنی طرف سے ذوالقرنین کا لفظ نہیں دیا بلکہ سوال کرنے والوں کے سوال کے پیشِ نظر اس کو دہرایا ہے، چنانچہ قرآن کا یہ اسلوبِ بیان بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے:

ترجمہ: وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین کا حال بتاؤ۔

ذوالقرنین اور سکندر مقدونی:

ذوالقرنین کس شخصیت کا لقب ہے اس بحث سے قبل یہ معلوم رہنا ازبس ضروری ہے کہ بعض حضرات کو یہ سخت مغالطہ ہوگیا ہے کہ سکندر مقدونی ہی وہ ذوالقرنین ہے جسکا ذکر قرآن سورۂ کہف مین کیا گیا ہے۔ یہ قول باتفاق جمہور علماء سلف خلف قطعاً باطل اور جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ قرآن کی تصریحات کے مطابق ذوالقرنین صاحبِ ایمان اور مرد صالح بادشاہ تھا اور سکندر مقدونی مشرک اور جابر بادشاہ گزرا ہے جس کے شرک وظلم کی صحیح تاریخ خود اسکے بعض امراء دربار نے بھی مرتب کی ہے اور تمام معاصرانہ شہادتیں بھی اسکے بُت پرست اور جابر وظالم ہونے پر متفق ہیں۔

امام بخاریؒ نے کتابِ احادیث الانبیاء میں ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرتِ ابراہیم (علیہ

Marfat.com

السلام) کے تذکرہ سے قبل نقل کیا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: مصنف نے ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ سے قبل اس لیے بیان کیا ہے کہ وہ اس شخص کے قول کی اہانت کرنا چاہتے ہیں جو سکندر یونانی کو ذوالقرنین کہتا ہے۔

اور پھر اپنی جانب سے تین وجوہ فرق بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سکندر یونانی کسی بھی طرح قرآن میں مذکور ذوالقرنین نہیں ہوسکتا، انھوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جن حضرات نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کہا ہے غالباً ان کو اس روایت سے مغالطہ ہوا ہے جو طبری نے اپنی تفسیر میں اور محمد بن ربیع جیزی نے کتاب الصحابہ میں نقل کی ہے اور جس میں اس کو رومی اور بانی اسکندریہ کہا گیا ہے مگر یہ روایت ضعیف اور نا قابل اعتماد ہے۔

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر ذوالقرنین کے نام کی تعیین سے متعلق مختلف اقوال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

''اور اسحٰق بن بشر نے بروایت سعید بن بشیر، قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر تھا اور یہ سام بن نوح (علیہ السلام) کی نسل سے تھا لیکن اسکندر بن فیلپس (مقدونی) کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے ہیں جو رومی اور بانی اسکندریہ ہے، مگر واضح رہے یہ دوسرا ذوالقرنین پہلے سے بہت زمانے بعد پیدا ہوا ہے کیوں کہ سکندر مقدونی حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال قبل ہوا ہے اور مشہور فلسفی ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور یہی وہ بادشاہ ہے جس نے دارا ابن دارا کو قتل کیا اور فارس کے بادشاہ کو ذلیل کر کے ان کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ ہم نے یہ تنبیہ اس لیے کر دی کہ بہت سے آدمی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور یہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ یہی سکندر مقدونی ہے جسکا وزیر ارسطاطالیس فلسفی تھا اور اس اعتقاد کی بدولت بہت بڑی غلطی اور بہت زیادہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اول مسلمان اور عادل بادشاہ تھا اور اس کے وزیر خضر (علیہ السلام) تھے جن کے متعلق ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ نبی تھے اور دوسرا (مقدونی) مشرک تھا اور اس کا وزیر فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ہزار سال سے بھی زیادہ کا فصل ہے، پس کہاں یہ (مقدونی) اور کہاں وہ (عربی سامی) اور ان دونوں کے درمیان اس درجہ امتیازات ہیں کہ ماسوا غبی اور حقائق سے نا آشنا شخص کے دوسرا کوئی شخص ان دونوں کو ایک کہنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

اور امام رازی نے اگرچہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیا ہے باایں ہمہ ان کو بھی یہ اقرا

رہے:

Marfat.com

ترجمہ: ذوالقرنین نبی تھے اور اسکندر مقدونی کافر تھا اور اس کا معلم اور وزیر بلاشبہ کافر تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس مغالطہ کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ چونکہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین مقتدا ہے اور وہ وسیع حکومت کا مالک رہا ہے اور سکندر یونانی بھی وسیع حکومت کا حکمراں رہا ہے اس لیے اس کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے، یا اس لیے کہ وہ دو پادشاہتوں روم اور فارس کا بادشاہ ہو گیا تھا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے محمد بن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذوالقرنین کا نام سکندر نقل کر دیا ہے اور چونکہ اس کی سیرت بہت مشہور و مقبول ہے اس لیے یہ نام بھی بہت شہرت پا گیا، اور حافظ عماد الدین کا خیال یہ ہے کہ چونکہ اسحٰق بن بشر کی روایت میں قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین کا نام بھی سکندر بتایا گیا ہے اس لیے غلطی اور نادانی سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے۔

غرض حافظ حدیث شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن عبد البر، زہیر بن بکّارہ، ابن حجر، ابن کثیر، عینی (رحمہم اللہ) جیسے محققین نے اس مغالطہ کی پوری طرح تردید کر دی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کے جو محاسن و مناقب بیان کیے ہیں ان کے پیشِ نظر ایک بت پرست اور جابر و ظالم شخص کو انکا مصداق بنانا فاش غلطی ہے۔

ذوالقرنین اور اذواءِ یمن:

ایک جوئے حق کو یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ وسعتِ حکومت اور زبردست سطوت و صولت کے لحاظ سے جس طرح بعض حضرات نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دے دیا ہے۔ اسی طرح یمن کے بعض تبابعہ کو بھی اہلِ عرب وسعت حکومت کی بنیاد پر ذوالقرنین کہتے آئے ہیں مثلاً ابو کرب تبع نے اپنے دادا کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:۔

ترجمہ: ''میرا دادا ذوالقرنین مسلمان تھا اور وہ ایسا پُرشوکت بادشاہ تھا کہ بہت سے بادشاہ اس کے تابع فرمان اور اس کے سامنے پست تھے۔''

اور عرب کے مشہور شعراء امراء القیس، اوس بن حجر اور طرفہ بن عبدہ وغیرہ کے کلام میں بھی حمیری بادشاہوں کو ذوالقرنین کہا گیا ہے۔(۱)

اسی طرح ایرانی بادشاہوں میں سے اہل عرب کیقباد اور فریدوں کو بھی ان کی قاہرانہ فتوحات کی وجہ سے ذوالقرنین کہتے تھے۔(۲)

مگر یہ سب مذکورہ بالا وجہ کی بنیاد پر ہی ذوالقرنین کہلاتے رہے ہیں اور قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین ان میں سے کوئی نہیں ہے چنانچہ حضرت استاذ محقق علامہ سید محمد انور شاہؒ نے اس حقیقت کو

Marfat.com

بخوبی واضح کر دیا ہے، فرماتے ہیں: ذوالقرنین کے معاملہ میں ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اہل مشرق میں سے تھا جیسے کہ بعض کا خیال فغفورِ چین کی جانب ہے اس لیے کہ اگر وہ مشرقی ہوتا تو قرآن عزیز اس کے سفر مغرب کے بعد یہ کہتا کہ وہ پھر مشرق کو لوٹ گیا یعنی اپنے وطن کی جانب واپس ہو گیا یہ نہ کہتا اذا بلغ مطلع الشمس اور نہ وہ اہل مغرب میں سے تھا بلکہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقہ کا باشندہ تھا۔

ترجمہ: اور راجح یہ ہے کہ ذوالقرنین (مذکور فی القرآن) نہ یمن کے بادشاہوں میں سے تھا اور نہ شاہانِ عجم میں سے کیقباد ذوالقرنین تھا اور نہ سکندر بن فیلفوس (مقدونی) ذوالقرنی تھا بلکہ وہ ان سب سے جدا ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا جن کا نسب سامی عرب تک پہنچتا ہے، ناسخ التواریخ نے ایسا ہی کہا ہے۔

اور سید محمد آلوسی نے بھی اذواء یمن میں سے کسی کو ذوالقرنین تسلیم نہیں کیا اور اس قول کو غلط قرار دیا ہے۔

ان تفصیلات کے بعد اب بسہولت یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین کے متعلق یہ سب اقوال نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں اور صرف دو قول ہی قابل توجہ ہیں۔ جن میں سے ایک قول سلف کی جانب منسوب ہے اور دوسرا متاخرین میں سے ایک معاصر محقق کی تحقیق ہے۔

علماء سلف کی رائے:

علماء سلف کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین عربی الاصل تھا، سامیہ اولیٰ میں سے تھا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا معاصر بادشاہ تھا اور حج کے سفر میں دونوں کا ساتھ رہا ہے اور ایک معاملہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کی عدالت میں مرافعہ کیا تھا اور اس نے ان کے حق میں فیصلہ دیا اور خضر (علیہ السلام) کے وزیر باتدبیر تھے۔ لیکن علماء سلف کی اس تحقیق میں کئی فروگزاشتیں پائی جاتی ہیں جو اس تحقیق کو ایک متردد اور مضطرب رائے میں تبدیل کر دیتی ہیں، مثلاً قرآن نے ذوالقرنین کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان کیا ہے کہ اس نے اپنی عمر میں تین تاریخی مہم سر کی ہیں.... ایک میں وہ مطلع الشمس تک پہنچتا ہے یعنی مشرق کی جانب اس حد تک پہنچا جہاں آبادیوں کا سلسلہ ختم ہو کر سورج سامنے سے طلوع ہوتا نظر آتا تھا اور دوسرے میں وہ مغرب الشمس تک گیا ہے یعنی اس حد تک پہنچا ہے جہاں حصۂ زمین ختم ہو کر سمندر کا کوئی ایسا حصہ سامنے تھا جس میں غروب کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا گویا سورج گدلے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اور تیسری مہم

Marfat.com

ایسے سفر سے متعلق تھی جس میں اس کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو اس کی زبان سے نا آشنا تھی اور جس نے یاجوج و ماجوج کی تاخت و تاراج کے متعلق اس سے شکایت کی اور اس نے ان کی فرمائش پر دو پہاڑوں کے پھانکوں کے درمیان لوہے اور تانبے سے ایک مضبوط سد قائم کر کے حملہ آور یاجوج و ماجوج قبائل سے ان کو محفوظ کر دیا لیکن علماء سلف یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ جس شخص کو وہ ذوالقرنین فرما رہے ہیں کیا واقعی اس کو یہ تینوں مہم اس تفصیل کے ساتھ پیش آئیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے بلکہ وہ اس کا فیصلہ بھی نہیں فرما سکے کہ اس کا اصل نام کیا ہے؟ اس کا مرکزِ حکومت کہاں تھا؟ اور اس کو ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟ غرض سلف رحمہم اللہ کے یہاں صرف ان سوالات کے جواب ہیں اس درجہ مختلف و مضطرب اقوال پائے جاتے ہیں کہ قرآن کے بیان کردہ اوصاف و علامات کے پیشِ نظر ان کے ذریعہ کسی قدیم العہد بادشاہ کی شخصیت کا تعین ناممکن ہو جاتا اور معاملہ اپنی جگہ غیر منفصل ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً نام کے متعلق زبیر بن بکار اور ابن مردویہ (عن ابن عباسؓ) کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ضحاک بن معد بن عدنان ہے مگر اس کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہو سکتا جبکہ حضرت ابراہیم اور عدنان کے درمیان چالیس واسطے ہیں۔ (۱) ابن ہشام، کعب احبار اور جعفر بن حبیب کہتے ہیں کہ اس کا نام مصعب بن عبداللہ یا مصعب حمیری ہے۔ (۲) حافظ ابن حجر کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ لیکن ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مصعب سے قحطان تک چودہ پشت ہوتی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام سے فلج تک سات پشت ہیں حالانکہ فلج اور قحطان دونوں بھائی اور عبر کے بیٹے ہیں۔ (۱) لہٰذا اس حساب سے یہ شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہو سکتا اور جعفر بن حبیب کی دوسری روایت یہ ہے کہ منذر بن ابی القیس (شاہ جبرہ) (۲) ذوالقرنین ہے لیکن یہ بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی بعد پیدا ہوا ہے اور ہمدانی نے کتاب الانساب میں اس کا نام ہمیسع (ابو الصعب) بن عمرو بن عرب بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان یا ابن اشجب بن یعرب بن قحطان بتایا ہے۔ اگرچہ اس نام کا بادشاہ سبا کے خاندان سے ضرور ہو گزرا ہے لیکن حمیری (سبا) بادشاہوں کے طبقہ اولیٰ کی تاریخ بھی ۱۲۰۰ ق م سے اوپر نہیں جاتی..... حالانکہ معاصر ابراہیم علیہ السلام کو ۲۲۰۰ ق م ہونا چاہیے اور ابن ہشام نے سیرت میں دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مردویہ ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کی روایت کی وجہ سے اسی کو سکندرِ اول بھی کہتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ نام مجہول ہے اور اس نام کا کوئی بادشاہ تاریخوں میں مذکور

Marfat.com

نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علماء سلف یہ صراحت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین عربی الاصل اور مرزبان اور مردویہ عربی نام نہیں ہین بلکہ عجمی نام ہیں اس لیے اگر اس نام کا کوئی بادشاہ ہوگا تو عجمی نہ کہ عربی، اور وہب بن منبہؒ سے منقول ہے کہ اس کا نام صعب بن مرائد (تبع اول) ہے لیکن یہ اس لیے صحیح کہ اول تو کوئی تبع اول کا یہ نام ہی نہیں ہے بلکہ اس کا نام حارث الرائش یا زید دوسرے کوئی (حمیری) "تبع" حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر نہیں ہے اور دارقطنی اور ابن ماقولا سے منقول ہے کہ اس کا نام ہرمس یا ہیروس بن قیطون بن لنطی ہے۔ مگر یہ سخت مغالطہ ہے کہ اس لیے کہ یہ سکندر مقدونی کے دادا کا نام ہے اور سکندر کے مغالطہ ہی میں ذکر میں آ گیا ہے۔

اس تفصیل سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس امر پر اتفاق کے باوجود کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر بادشاہ ہے جو نام سلف سے منقول ہیں ان میں نہ کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہے اور نہ سامعۂ اولیٰ میں سے بلکہ یا یمنی حمیری سلاطین کے نام ہیں اور یا عجمی بادشاہوں کے نام اور ان میں اس درجہ اختلاف ہے کہ چند علماء سلف کا کسی ایک پر اتفاق نہیں اور اسی بنا پر حافظ ابن حجر صرف یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ چند آثارِ عرب اور بعض اقوال سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کا نام صعب تھا۔ لیکن خود صعب کی شخصیت کے متعلق جو اختلاف اقوال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاصر نہ ہونے کا جو اشکال ہے اس کا کوئی حل انھوں نے نہیں کیا۔

پھر نام کی طرح اسکے لقب "ذوالقرنین" کے متعلق بھی یہی اضطراب موجود ہے اور اس لقب کی وجہ جس قدر بھی احتمالات ہوسکتے تھے وہ سب ہی منقول ومذکور ہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو:

(۱) ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ روم و فارس دو مملکتوں کا وارث تھا اور "قرن" جس کے معنی "سینگ" کے ہیں بطور استعارہ کے طاقت وحکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی دو حکومتوں کا والی اور مالک، یہ رائے اہل کتاب کی جانب منسوب ہے اور بعض مفسرین کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔

(۲) وہ فتوحات کرتا ہوا اقصائے مشرق و مغرب تک پہنچا اور دونوں جہات میں بہت سے ممالک پر قابض ومسلط ہوا۔ یہ زہری کا قول ہے۔

(۳) اس کے سر میں دونوں جانب سینگ کے مشابہ تانبے کے سے غدود ابھرے ہوئے تھے یہ وہب بن منبہ کی رائے ہے۔

(۴) اس کی زلفیں دراز تھیں اور وہ ہمیشہ اپنے بالوں کو دو حصے کرتا اور انکی پٹیاں گوندھ کر دونوں

Marfat.com

کاندھوں پر ڈالے رکھتا تھا اور دونوں کو "قرن" سے تشبیہ دے کر اس کو یہ لقب دیا گیا۔ یہ قول حسن بصری کی جانب منسوب ہے۔

(۵) اس نے ایک جابر بادشاہ کو یا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، بادشاہ یا قوم نے غضب ناک ہو کر اس کے سر کے ایک جانب ایسی سخت چوٹ لگائی کہ وہ مر گیا، اس کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر پھر تبلیغ کا فرض انجام دیا، اس مرتبہ دوسری جانب چوٹ مار کر قوم نے اس کو شہید کر دیا۔ اس ضرب سے اس کے سر پر جو نشان پڑ گئے تھے اس کی وجہ سے اس کو یہ لقب دیا گیا، ای توجیہ حضرت علیؓ کی جانب منسوب ہے۔

(۶) وہ نجیب الطرفین تھا اس لیے والدین کی نجابت کو قرنین کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور ذوالقرنین لقب ہوا۔

(۷) اس لیے اس قدر طویل عمر پائی کہ انسانی دنیا کے دو قرن (صدیوں) تک زندہ رہا۔

(۸) وہ جب جنگ کرتا تھا تو بیک وقت دونوں ہاتھوں سے ہتھیار چلاتا بلکہ دونوں رکابوں سے بھی ٹھوکر لگاتا تھا۔

(۹) اس نے زمین کی تاریکی اور روشنی دونوں حصوں کی سیاحت کی۔

(۱۰) وہ ظاہر و باطن دونوں علوم کا حامل تھا۔

لیکن پہلی توجیہ تو اس قیاس پر مبنی ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے اور دوسری توجیہ کی بنیاد اس ناقابلِ اعتماد روایت پر مبنی ہے جو سفیان ثوری اور مجاہد سے منقول ہے، اس میں ہے کہ چار بادشاہ وہ ہیں جنھوں نے تمام عالم پر حکومت کی ہے ان میں سے دو مسلمان ہیں اور دو کافر، حضرت سلیمان علیہ السلام و ذوالقرنین اور نمرود و بخت نصر۔ یہ روایت اس لیے معلوم ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین دونوں کی حکومت تمام عالم پر رہی ہے، "اگرچہ تاریخی حیثیت سے یہ صحیح نہیں ہے" تب بھی نمرود بخت نصر کے جو مفصل حالات کتبِ تواریخ میں محفوظ ہیں وہ اس روایت کے مضمون کا انکار کرتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں بادشاہوں کی حکومت شام، عراق، مصر، حجاز اور فارس کے علاوہ بالواسطہ یا بلاواسطہ دنیا کے کسی حصے پر بھی ثابت نہیں ہے اور آخر الذکر بادشاہ کا زمانہ تو بہ لحاظ عہد تاریخ اتنا قریب ہے کہ اس کی حکومت اور رقبۂ حکومت کی تفاصیل تو معاصرانہ شہادتوں اور تاریخی روایتوں اور حجرات کے اکتشافات کی بنا پر بہت مشہور اور واضح ہیں اس لیے یہ روایت بھی قابلِ حجت نہیں ہے اور تیسری توجیہ سے متعلق جو روایت ہے اس کو حافظ ابن

Marfat.com

حجر نے منکر اور ابن کثیر نے ضعیف اور نا قابل اعتماد کہا ہے، دوسرا طریقہ اگر چہ صحیح ہے لیکن اس کے متن پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں: لم یکن نبیا و لا ملکاً ذوالقرنین نہ نبی تھے اور نہ فرشتہ" حالانکہ اسی روایت کی ابتدا میں ہے "بعثہ اللہ الیٰ قومہ" اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی جانب مبعوث کیا تھا" یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی تھے، البتہ حافظ نے اس اشکال کے جواب میں ایک کمزور سا جواب یہ کہہ کر دے دیا "الا ان یحمل البعث علی غیر رسالته النبوته مگر یہ کہ یوں کہہ دیا جائے کہ اسکی بعثت نبوۃ کے طور پر نہیں تھی"۔

ہمارے نزدیک اس پر یہ اہم اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ قرآن عزیز نے ذوالقرنین کے حاکمانہ اقتدار کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں یہ روایت ان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی وہ کہتا ہے ذوالقرنین وسیع مملکت کا مالک اور کامیاب بادشاہ ہو گزرا ہے، مگر یہ روایت اس کو صرف ایک مبلغ ثابت کرتی ہے جس کی قوم تک نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے درپے آزار رہے، علاوہ ازیں حضرت علیؓ کی روایت میں اس کے متعلق جو معجزانہ واقعہ مذکور ہے اگر یہ صحیح تھا تو قرآن عزیز کس طرح اس کو فروگزاشت کر سکتا تھا جب کہ یہ ذوالقرنین کی عظمت کو چند در چند بلند کرتا ہے؟ اس لیے یہ توجیہ بھی جرح اور ضعف سے محفوظ نہیں ہے اور ممکن ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ قول قرآن میں مذکور ذوالقرنین کے سوا کسی دوسری شخصیت سے متعلق ہو اور نیچے کے راویوں نے اپنے فہم سے اس واقعہ کے ساتھ چسپاں کر دیا ہو اور ساتویں اور نویں ہر دو توجیہات کو ابن کثیر نے "منکر" یعنی نا قابل اعتماد کہا ہے اور چھٹی آٹھویں اور نویں توجیہات محض اٹکل کے تیر اور بے سند ہیں

یہ ہیں وہ اقوال جو یا بہ لحاظ نقل ضعیف اور منکر ہیں اور یا بے سند محض اٹکل کے تیر ہیں اسی بنا پر حافظ ابن حجر تو ان کو فقط نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان اقوال میں سے بھی کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے جو انکے نزدیک بہ لحاظ روایت و نقل سقم سے پاک ہیں۔ البتہ حافظ ابن کثیر نے زہری کے قول کو راجح کہا ہے یعنی وہ کیوں کہ مشرق اور مغرب دونوں حدوں تک پہنچا اور ان کے درمیان کا مالک رہا ہے اس لیے ذوالقرنین کہلایا یہ بات اگر چہ کسی حد صحیح ہو سکتی ہے لیکن مشارق الارض و مغاربھا کے مفہوم میں وہی کلام ہے جو ہم ابھی بیان کر آئے ہیں اور آئیندہ تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کرینگے۔

علماء سلف سے ذوالقرنی کے نام اور لقب سے متعلق جو اقوال منقول ہیں اور جن سے اس کی شخصیت کے تعین میں مدد لی جاتی ہے ان کا حال تو آپ تفصیل کے ساتھ معلوم کر چکے، اب ذوالقرنین

Marfat.com

کے بعض حالات کا جو تذکرہ اس ضمن میں پایا جاتا ہے وہ بھی تعارض اضطراب سے خالی نہیں ہے مثلاً ازرقی کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا اور پھر ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کے ہمراہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور علی بن احمد کی روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب حج کے ارادہ سے نکلا تو پیادہ پا روانہ ہوا اس کی اطلاع حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئی تو وہ اس کے استقبال کے لیے نکلے اور اس کے لیے دعاء خیر کی"۔ یہ روایت ذوالقرنین کو قدیم الاسلام ثابت کرتی ہے

اسی طرح تعین شخصیت میں کوئی اس کو سامیہ اولیٰ مین سے بیان کرتا ہے اور کوئی حمیری بادشاہوں میں اور کوئی خضر علیہ السلام کو اس کا وزیر کہہ کر خضرؑ کی عمر کو حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے عہد تک دراز ثابت کرتا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ کے حالات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات غیر مستند اور اہلِ کتاب سے ماخوذ ہیں

غرض ذوالقرنین کے نام، اس کے لقب کی وجہ تسمیہ اور تعین شخصیت کے متعلق علماء سلف کے یہاں اس قدر مختلف اور مضطرب روایات پائی جاتی ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر ذوالقرنین کی تاریخی شخصیت کا پتہ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے اور حافظ ابن حجر کے اس ارشاد کے باوجود کہ پس یہ آثار ایک دوسرے کو مضبوط بناتے اور قوت پہونچاتے ہیں اور ذوالقرنین کے قدیم العہد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ اشکال حل نہیں ہوتا کہ جب کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے عہد کے کافر بادشاہ نمرود کے حالات و واقعات قرآن کے علاوہ سیر و تاریخ کی کتابوں کے ذریعے بھی بہت زیادہ روشنی میں آچکے ہیں اور بائبل بھی اکثر حالات کو روشنی میں لاتی ہے تو ذوالقرنین عہدِ ابراہیمی کی ایسی عظیم الشان ہستی تھی تو ان چند مختصر اور اور منتشر آثار کے علاوہ اس کے حالات و واقعات کیوں تاریخی حیثیت سے اس طرح سامنے نہیں آئے جس سے اس کی شخصیت صاف طور پر نمایاں نظر آتی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے وابستہ ایسے جلیل القدر انسان کا ذکر قرآن نے کیوں واقعاتِ ابراہیمؑ کے سلسلہ میں نہیں کیا اور سورۂ کہف میں اس جانب کیوں اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ کیا یہ بات قابلِ تعجب نہیں ہے کہ حضرتِ ابراہیم کے مخالف کافر بادشاہ کی مخالفت اور حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی کا تو قرآن شد و مد کے ساتھ ذکر کرے مگر مشارک و مغاربِ ارض پر حکمراں ایسے بادشاہ کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہ کیا جائے جو حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ پر ایمان لایا، ان کی اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کر کے ان کا موئید ثابت

Marfat.com

ہوا اس لیے یہ کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ قرآن، مرفوع احادیث، توراۃ اور تاریخ میں عہدِ ابراہیمی کے اندر یا اس کے قریب کسی ایسے بادشاہ کا ثبوت نہیں ملتا جس کا ذکر سورۃ کہف میں ''ذوالقرنین'' کہہ کر کیا گیا ہے اور جو اقوال و آثار اس سلسلہ میں مذکور ہیں وہ اس شخصیت کی تاریخی حیثیت ثابت کرنے سے قاصر ہیں

متاخرین کی رائے:

علماء متاخرین میں سے بعض علماء نے تو اسی غلط بات کو اختیار کرلیا کہ سکندر مقدونی ہی قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہے اور بعض علماء نے فقط علماء سلف کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس کے خطاء وصواب پر کوئی توجہ نہیں فرمائی اور بعض نے بغیر کسی دلیل کے یمن کے حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو زیرِ بحث ذوالقرنین فرمادیا۔

مگر ان سب اقوال سے جدا مولانا ابوالکلام نے اس سلسلہ میں جو تحقیق فرمائی ہے البتہ وہ ضرور قابلِ توجہ ہے بلکہ دلائل و براہین کی قوت کے لحاظ سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کی تحقیق بلاشبہ صحیح اور قرآن کے بیان کردہ اوصاف اور تاریخی حقائق کی مطابقت کے پیشِ نظر ہر طرح لائقِ ترجیح ہے۔

تفسیری مطالب کے سلسلہ میں ہم کو موصوف کے ساتھ شدید اختلاف بھی رہتا ہے اور اتفاق بھی لیکن اس خاص مسئلہ میں چونکہ ان کی رائے علماء سلف سے بالکل مختلف تھی اس لیے کڑی تنقیدی نظر کی محتاج تھی چنانچہ کافی غور و خوض اور گہری نظر کے بعد اس کی صحت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور جب کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ علماء سلف کی جلالتِ قدر اور علمی عظمت و برتری کے باوجود علمی تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں علماء متاخرین نے علماء متقدمین سے سینکڑوں مسائل علمی میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے خصوصاً تاریخی مباحث میں اور جدید ذرائع معلومات نے ایسے اکتشافات کیے ہیں جن کے ذریعہ ہم بہت سے ایسے مسائل کو باآسانی حل کرلیتے ہیں، جو علماء سلف کے زمانہ میں لاینحل رہے ہیں تو ہم کو مولانا آزاد کی اس تحقیق کا ''خواہ تاریخی حقائق کے لحاظ سے وہ کتنی ہی وقیع کیوں نہ ہو'' محض اس لیے انکار نہیں کردینا چاہیے کہ وہ ان کی اپنی تحقیق ہے

مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں جو تحقیق فرمائی ہے وہ اپنی جگہ قابل، مراجعت ہے اور اس طویل مضمون کا یہاں نقل کرنا قطعاً غیر مناسب ہے البتہ ہم اپنی کاوش و تحقیق سے جس حد تک اس کے ساتھ مطابقت کرسکتے ہین اس ہی کو سپرد، قلم کرنا موزوں خیال کرتے ہیں۔

Marfat.com

یہود قریش اور انتخاب سوالات:

ایک مرتبہ پھر اس روایت پر غور فرمایئے جو محمد بن اسحٰق اور شیخ جلال الدین سیوطی نے نقل فرمائی ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق مشرکین مکہ نے جو سوالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے وہ دراصل یہودِ مدینہ کی تلقین پر کیے گئے تو اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہود کو ان واقعات سے ایسی کیا دلچسپی تھی کہ جس کی بنیاد پر انھوں نے ان کا انتخاب کیا اور ان کے صحیح جوابات کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰیِ نبوت ورسالت کی صداقت کا معیار ٹھہرایا۔ اصحاب کہف سے متعلق تو تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں بحث آ چکی ہے لیکن ذوالقرنین کے بارے میں کیوں سوال کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہود نے اس سوال میں درحقیقت ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو ان کی مذہبی زندگی کے سلسلہ میں بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور جس کو وہ اپنی ملی اور اجتماعی حیات میں کسی وقت بھی فراموش نہیں کر سکتے کیوں کہ اس شخصیت کی بدولت بنی اسرائیل نے بابل کی غلامی سے نجات پائی اور انکے قومی مرکز قبلۂ صلوٰۃ اور مقدس مقام یروشلم (بیت المقدس) ہر قسم کی تباہی اور بربادی کے بعد اسی کے ہاتھوں دوبارہ آباد ہوا چنانچہ ان اہم امور کی بناء پر یہود کے نزدیک وہ نجات دہندہ ''خدا کا مسیح اور خدا کا چرواہا کہلایا کیون کہ ان کے نبیوں کے مقدس صحیفوں مین اس کے متعلق یہی القاب درج تھے اور اس کی عظمت کا اظہار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے سوالات میں اس شخصیت کے مسئلہ کو بھی منتخب کیا بلکہ اسی کو زیادہ اہمیت دی جیسا کہ قرآن کے اسلوبِ بیان یسئلونك عن ذی القرنین سے واضح ہوتا ہے، وہ سمجھتے تھے کہ جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسکے تمام سچے پیغمبروں کے دین کو اور اپنے دین کو ایک ہی دین سمجھتے ہیں خصوصاً انبیاء بنی اسرائیل کی عظمت وعزت اور انکی صداقت وحقانیت کا اظہار فرماتے ہیں پس اگر وہ حقیقۃً خدا کے سچے پیغمبر ہیں تو ''امّی'' ہونے کے باوجود ضرور وحی الٰہی کے ذریعہ اس شخص کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں گے جس کی وجہ سے مہبطِ انبیاء بنی اسرائیل (یروشلم) اور انبیاء بنی اسرائیل اور قومِ بنی اسرائیل کو ایک بت پرست بادشاہ کی غلامی اور تباہ کاریوں سے نجات ملی اور جو خدا کے کلمہ کو بلند کرنے میں انبیاء اسرائیل کا معاون ومددگار ثابت ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے ۷۰۰ ق م مین عراق میں دو عظیم الشان حکومتیں اپنے قاہرانہ اور جابرانہ تسلط کے ساتھ قائم تھیں، ایک آشوری حکومت اور اس کا دار الحکومت نینوٰی تھا اور دوسری بابلی

Marfat.com

حکومت اور اس کا دارالحکومت بابل تھا۔ لیکن ۶۱۲ ق م میں نینویٰ کی حکومت کو زوال آ گیا اور بابلی حکومت بلاشرکتِ غیرے دونوں حکومتوں کے مقبوضات کی مالک اور وقت کی بہت بڑی طاقت بن گئی یہی زمانہ تھا جب کہ بابل کے تخت پر بخت نصر (بنوکدنذر) سریر آرائے سلطنت ہوا، یہ بادشاہ ذاتی طور پر بھی بہت بہادر اور صاحبِ تدبیر تھا مگر ساتھ ہی سخت ظالم و جابر بھی تھا۔ کتبِ تاریخ میں مشہور ہے کہ یہ صرف ملکوں کو فتح ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بنا کر بھیڑوں کی طرح بابل کو لے جاتا اور بڑے بڑے متمدن اور بے نظیر شہروں کو برباد کر کے کھنڈر چھوڑ جاتا تھا

ادھر ایک عرصہ سے بنی اسرائیل کی روحانی، اخلاقی و اجتماعی زندگی کو گھن لگ چکا تھا اور بد اعمالیوں اور بدکاریوں نے اس درجہ ان کو ذلیل و خوار کر دیا تھا کہ جو انبیاء (علیہم السلام) ان کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے اور ان کی بدکاریوں پر ان کو وعظ و نصیحت اور تنبیہ کرتے تو یہ ان کو قتل کر دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ بخت نصر، خدا کا عذاب بن کر ان پر چڑھ آیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بکریوں کے گلہ کی طرح ہنکا لے گیا اور بیت المقدس جیسے خوب صورت اور مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی، یہ حادثہ بنی اسرائیل کے لیے ایسا ہوش ربا تھا کہ اسنے ان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو تباہ و برباد کر ڈالا اور وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں بابل کے اندر غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بنی اسرائیل پر گذرے ہوئے ان واقعات کی خبر اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل میں حضرتِ یسعیاہ (شعیا) اور حضرتِ یرمیاہ (علیہم السلام) نے وحی اور الہام کے ذریعے پیش آنے سے قبل ہی سنا دی تھی مگر اس زمانہ مین وہ اپنی نافرمانیوں میں اس درجہ سرشار و سرمست تھے کہ انھوں نے اپنی پیشین گوئیوں کی مطلق پرواہ نہیں کی، اب جب کہ یہ ہولناک واقعات سر پر سے گذرنے لگے تو انکی آنکھیں کھلیں مگر ایسے وقت کھلیں کہ رنج و افسوس اور حزن و ملال سب بیکار تھا اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ وہ اس عذاب سے نجات پا سکیں۔

لیکن ان تمام مایوسیوں کی سخت اور ہولناک تاریکی میں ان کے لیے اگر کوئی شعاعِ امید باقی تھی تو وہ ان ہی انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کا وہ حصہ تھا جس میں حضرت یسعیاہ نبی نے تقریباً ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سال قبل اور حضرت اور یرمیاہ نبی نے ساٹھ سال قبل یہ بشارت بھی دی تھی کہ بیت المقدس کی تباہی سے ستر سال کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ اپنے وطن میں آزاد ہو کر واپس آ جائیں گے اور خدا کا ایک مسیح (مبارک) خدا کا چرواہا (نگہبان) کہ جس کا نام خورس ہوگا وہ بنی اسرائیل کی نجات

Marfat.com

اور یروشلم کی دوبارہ آبادی کا باعث بنے گا اور اس کے ہاتھوں یہود کی اجتماعی زندگی کا نیا دور شروع ہوگا۔

بخت نصر جب بیت المقدس کے تمام اسرائیلیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا تو ان میں بعض انبیاءِ بنی اسرائیل بھی تھے جو بابل جا کر اپنے حکیمانہ اقوال اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے اس درجہ ہر دلعزیز بنے کہ دشمن بھی ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوا، چنانچہ حضرتِ دانیال علیہ السلام بابلی حکومت کے آخری دور میں مشیرِ خاص تھے۔

اب جبکہ وہ وقت قریب آیا کہ بنی اسرائیل غلامی سے نجات پائیں تو ان ہی برگزیدہ نبی (دانیالؑ) کو الہام و مکاشفہ کے ذریعہ اس نجات دہندہ کو ایک تمثیل کی شکل میں دکھایا گیا اور ساتھ ہی جبرئیل علیہ السلام (ناموس اکبر) نے دانیال نبیؑ کو اس کی تعبیر بھی بتائی جو اسی خورس کے حق میں تھی جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آچکا تھا۔

ذوالقرنین اور انبیاءِ بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں:

یہود کے نجات دہندہ خدا کے مسیح اور اسکے چرواہے کے متعلق وہ پیشین گوئیاں کیا ہیں جن کو دیکھ کر یہود بابل کی سرزمین میں انتہائی مایوسیوں کے باوجود اس وقت کے لیے چشم براہ تھے؟ پہلے ان کو نقل کر دیا جائے تاکہ زیرِ بحث مسئلہ کے لیے تحقیق کی جانب قدم اٹھایا جاسکے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں حضرت یسعیاہؑ کی پیشین گوئی سامنے آتی ہے جو یہودیوں کے یوم نجات سے ایک سو ساٹھ سال پہلے سنائی گئی تھی:

''اے اسرائیل تجھ کو مجھے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے تیری خطاؤں کو بادل کی مانند اور تیرے گناہوں کو گھٹا کی مانند مٹا ڈالا میری طرف پھر آ

کہ میں نے تیرا فدیہ دیا ہے ارے اے آسمانوں گاؤ کہ خداوند نے یہ کہا........ خداوند تیرا نجات دینے والا جس نے تجھے رحم میں بنا ڈالا یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند سب کا بنانے والا ہوں، میں نے ہی اکیلا آسمانوں کو تانا اور آپ تنہا زمین کو فرش کیا۔ دروغ گوؤں کے نشانوں کو باطل ٹھیراتا اور فال گیروں کو دیوانہ بناتا ہوں اور حکمت والوں کو رد کر دیتا اور ان کی حکمت کو حماقت ٹھیراتا ہوں جو اپنے بندہ کے کلام کو ثابت کرتا اور اپنے رسولوں کی مصلحت کو پورا کرتا ہوں جو یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ آباد کی جائے گی اور یہوداہ کے شہروں کی بابت کہ وہ بنائے جائیں گے اور میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کر دونگا جو سمندر کو کہتا ہوں کہ سوکھ جا اور میں تیری ندیاں سکھا ڈالوں گا جو خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور وہ میری ساری مرضی پوری کریگا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ بنائی

Marfat.com

جائے گی اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔

خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ مین نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے قابو میں کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلواڈالوں اور دہرائے ہوئے دروازے اس کے لیے کھول دوں اور وہ دروازے بند نہ کیے جائیں گے۔ میں تیرے آگے چلوں گا اور ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کے جدا جدا پٹوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا اور لوہے ٹیڑھے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا اور میں گاڑے ہوئے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے گنج تجھے دوں گا تا کہ تو جانے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں۔ جس نے تیرا نام لیکے بلایا ہے میں نے اپنے بندہ یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لیکے بلایا۔ میں نے تجھ کو مہربانی سے پکارا گو کہ تو مجھ کو نہیں جانتا۔

اور دوسری پیشین گوئی حضرت یرمیاہ (علیہ السلام) کی ہے جو بشارت کے وقوع سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کی گئی تھی۔

وہ کلام جو خداوند نے بابل کی بابت اور کسدیوں کی سرزمین کی کی بابت یرمیاہ نبی کی معرفت فرمایا تم قوموں کے درمیان بیان کرو اور اشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو، منادی کرو۔ مت چھپاؤ کہو کہ بابل لے لیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مردوک سراسیمہ کیا گیا۔ اس کے بت خجل ہوئے اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیوں کہ اُتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہے جو اس کی سرزمین کو اجاڑ کریگی یہاں تک کہ کوئی اس میں نہ رہیگا وہ بھاگے ہین وہ روانہ ہوئے کیا انسان کیا حیوان ان دونوں میں اور اسی وقت خدا کہتا ہے بنی اسرائیل آئیں گے وہ اور بنی یہوداہ ایک ساتھ وہ روتے ہوئے چلے جائیں گے اور خداوند اپنے خدا کو ڈھونڈیں گے سو وہ اس طرف متوجہ ہو کے صیہون کی راہ پوچھیں گے کہ آؤ ہم آپ ہی خداوند سے مل کر اس کے ساتھ ایک ابدی عہد کریں جو کبھی فراموش نہ ہو۔ ....

بابل سے بھاگو اور کسدیوں بابلیوں کی سرزمین سے نکلو اور ان بکریوں کی مانند ہو جو گلوں کے آگے آگے جاتی ہیں کہ دیکھو میں اُتر (شمال) کی سرزمین سے بڑی قوموں کے ایک گروہ کو برپا کروں گا اور بابل پر لے آوں گا۔

"قوموں کو مادیون (میڈیا) کے بادشاہوں کو اور اس کے عالموں کو اسکے حاکموں کو اور اس کی سلطنت کی ساری زمین کو مخصوص کرو کہ اس پر چڑھیں۔"

'رب الافواج یوں کہتا ہے کہ بابل کے بھاری شہر کی دیواریں سراسر ڈھادی جائیں گی اور اس

Marfat.com

کے بلند پھاٹک آگ سے جلادیے جائیں گے۔"

اوردانیال (علیہ السلام) کاخواب یامکاشفہ یہ تھا:۔

"بیل شازار (بخت نصر کا جانشین) بادشاہ کی سلطنت کے تیسرے سال میں مجھے مجھ دانی ایل کوایک رویانظرآئی بعداس کے جوشروع میں مجھے نظرآئی تھی اور میں نے عالم رویت میں دیکھا اور جس وقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن کے قصر میں تھا جوصوبی عیلام میں ہے پھر میں نے رویت کے عالم میں دیکھا کہ میں اولوئی کی ندی کے کنارہ پرہوں تب میں نے اپنی آنکھیں اٹھا کرنظر کی توکیا دیکھتاہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دوسینگ تھے اوروہ دوسینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑادوسرے کے پیچھے اٹھا ہوا، میں اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم اتر دکھن کی طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانوراس کے سامنے کھڑا نہ ہوسکا نہ کوئی اس کے ہاتھ سے چھڑاسکا پھروہ جوچاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہوگیا اور میں اس سوچ میں تھا کہ دیکھا کہ ایک بکرا پچھم کی سمت سے آکرتمام روئے زمین پرایسا پھرا کہ زمین کوبھی نہ چھوا اوراس بکرے کے دونوں آنکھوں کے بیچوں بیچ ایک عجیب طرح کا سینگ تھا اور وہ اس دوسینگ والے مینڈھے کے پاس جسے میں نے ندی کے سامنے کھڑا دیکھا، آیا اوراپنے زور کے قہر سے اس پر دوڑ گیا اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ مینڈھے کے قریب پہنچا اوراس کا غضب اس پر بھڑکا اور مینڈھے کو مارا اوراس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کوقوت نہ تھی کہ اس کا سامنا کرے۔

اوردانیالؑ کے مکاشفہ اوررویا کی تعبیر یہ ہے:

"اورایسا ہوا کہ جب مجھ دانی ایل نے یہ رویت دیکھی تھی اوراس کی تعبیر کی تلاش کرتا تھا تو دیکھا کہ میرے سامنے کوئی کھڑا تھا جس کی صورت آدمی کی سی تھی اور میں نے ایک آدمی کی آواز سنی کہ اولائی کے درمیان پکار کرکہا کہ اے جبرئیل اس شخص کواس رویت کے معنی سمجھا چنانچہ وہ ادھر جہاں میں کھڑا تھا نزدیک آیا اور جب پہنچا تو میں ڈر گیا اوراوندھے منہ گرا، پھراس نے مجھے کہا،، اے آدم زاد سمجھ کیوں یہ رویت آخری زمانہ میں انجام ہوگی .... اور کہا کہ دیکھ میں تجھے سمجھاؤں گا کہ قہر کے اُخر میں کیا ہوگا کیوں کہ مقررہ وقت پرہی کام کا انجام ہوگا وہ مینڈھا جسے تونے دیکھا کہ اس کے دوسینگ ہیں سومادہ (میڈیا) اورفارس کا بادشاہ ہے۔ اوروہ بالوں والا بکرا یونان کا بادشاہ اوروہ بڑا سینگ جواس کی آنکھوں کے درمیان ہے سواس کا پہلا بادشاہ ہے۔"

اوریرمیاہ نبی کی کتاب میں ہے:

Marfat.com

''کیوں کہ خداوند یہ کہتا ہے کہ جب بابل میں ستّر برس گذر چکیں گے تو میں تمھاری خبر لینے آؤں گا اور تمھیں اس مکان میں پھر لانے سے اپنی اچھی بات تم پر قائم کروں گا۔
خداوند کہتا ہے اور میں تمھاری اسیری کو موقوف کراؤں گا اور تمھیں ساری قوموں میں سے اور سب جگہوں میں سے جن میں میں نے تم کو ہانک دیا ہے جمع کروں گا۔ خداوند کہتا ہے اور میں تمھیں اس مکان میں جہاں سے میں نے تمھیں اسیر کرا کے بھیجا پھر لے آؤں گا۔''

اور عزرا کی کتاب میں ہے:

''اور شاہِ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہو۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اسے قلم بند بھی کر کے یوں فرمایا شاہِ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی ساری مملکتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں پس اس کی ساری قوم میں سے تمھارے درمیان کون کون ہے اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو کہ شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے۔

اور خورس بادشاہ ہی خداوند کے گھر کے ان برتنوں کو کہ جنھیں بنوکدنذر یروشلم میں سے لے گیا اور اپنے دیوتاؤں کے گھر میں رکھا تھا نکال لایا اور شاہِ فارس خورس نے انھیں خزانچی متردات کے ہاتھ سے نکلوایا اور اس نے انھیں یہوداہ کے امیر شیش بضر کو گن دیا۔''

اور زکریا نبی کی کتاب میں ہے:

''رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ دیکھ وہ شخص کہ جس کا نام ''شاخ'' ہے اور وہ اپنی جگہ سے آئے گا اور وہ خداوند کی ہیکل کو بنائے گا ہاں وہی خداوند کی ہیکل کو بنائے گا اور وہ صاحبِ شوکت ہوگا۔''

ان واضح اور صاف پیشین گوئیوں کی اگر تحلیل کی جائے تو ان سے حسبِ ذیل اہم امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) جس ہستی نے بنی اسرائیل کو بابل کی غلامی سے نجات دی اس کا نام خورس تھا اور وہ فارس اور میڈیا دو ملکوں کا متفقہ بادشاہ تھا۔

(۲) دانیال نبی کے مکاشفہ اور جبرئیل علیہ السلام کی تعبیر نے ان دو حکومتوں کے اتحاد کی بناء پر ہی خورس کو دو سینگوں والا (ذوالقرنین) بادشاہ کہا اور اسی تخیل کی بناء پر بنی اسرائیل میں اس کا لقب

Marfat.com

ذوالقرنین مشہور ہوا۔

(۳) انبیاءِ بنی اسرائیل کے صحیفوں میں اس بادشاہ کو خدا کا مسیح بنی اسرائیل کا نجات دہندہ اور خدا کا چرواہا کہا گیا ہے۔

(۴) یہودیوں میں قومی عصبیت اور نسلی تعصب کے شدید سے شدید تر ہونے کے باوجود ان ہی واقعات کی بنا پر وہ غیر اسرائیلی شخص کو ایسے اوصاف سے یاد کرتے ہیں جو صرف اپنے انبیاء کے حق میں ہی کہنے کے عادی ہیں

(۵) واقعاتِ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کے مطابق خورس ہی نے یہودیوں کو بابل کی غلامی سے نجات دلائی اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا۔

(۶) یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں اس کو اُتّر سے آنا بتایا گیا ہے، خورس بابل سے اتر (شمال) کی ہی جانب (فارس ومیدیا) سے آیا تھا اس لیے وہی اس پیشین گوئی کا مصداق ہے۔

(۷) زکریا نبی کی پیشین گوئی مین اس کو اگنے والی ''شاخ'' بتایا گیا ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ اس کی نمو داس کا ظہور غیر معمولی صورتِ حالات میں ہو گا جیسا کہ عموماً ایسی شخصیتوں کے متعلق خدائے تعالیٰ کی جانب سے ہوتا رہا ہے کہ جن سے اس کو کوئی خاص کام لینا ہوتا ہے

خورس اور تاریخی شواہد

محققینِ تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے، ایک حملۂ اسکندر سے پہلے کا عہد، دوسرا طوائف الملوکی کا عہد، اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان تینوں عہدوں میں سے فارس کی عظمت اور اس کے عروج کا عہد خورس (سائرس) کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے اور اس عہد کے حالات فارس کے رقیب یونان کے مؤرخین کے ذریعہ سے ہی روشنی میں آسکے ہیں جن میں سے بعض سائرس کے معاصر بھی ہیں اس بادشاہ کو یہودی خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش اور کے ارش اور عرب کیخسرو کہتے تھے۔

عرب مؤرخین کے یہاں بھی حکومت فارس کے یہ تین عہد جدا جدا نظر آتے ہیں، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ان تینوں عہدوں کے متعلق جو اشارات کیے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیوں کہ وہ طوائف الملوکی سے قبل کے حالات میں کسریٰ فارس کے درباری عظمت وشوکت کا جس طرح ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ دور حکومت فارس کے عروج وعظمت کا دور تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ طوائف الملوک کا وسطی عہد فارس کے لیے بہت خراب اور زوال کا عہد تھا لیکن اردشیر

Marfat.com

بن بابک ساسانی نے اس کو ختم کر کے فارس کو اسی عروج پر دوبارہ پہنچا دیا جس عروج پر پہلے عہد (عہدِ خورس) میں تھا۔

ترجمہ: اور ملوک الطّوائف کا یہ عہد تقریباً پانچ سو سال تک رہا تا آنکہ اردشیر بن بابک ساسانی نے ظہور کیا تب اس نے کھوئے ہوئے ملکوں کو واپس لیا اور پہلے عہد کی حالت پیدا کر دی اور تمام تقسیم شدہ حصہ ملک پھر ایک مستقل حکومت کا جز ہو گئے۔

اسی طرح ابن عبد البر نے ''القصد والامم'' میں ان ہر سہ عہدوں کا ذکر کرتے ہوئے افریدون اور منوچہر کے تذکرہ میں یہ فرمایا ہے:

ترجمہ: فارس کے بادشاہوں کا یہ پہلا طبقہ ہے جو دارا پر سکندر کے حملہ تک شمار ہوتا ہے درمیان میں ملوک الطّوائف کا دور رہا اور اس کے بعد شاہانِ کسریٰ کا زمانہ ہے جو اردشیر سے شروع ہوتا ہے۔

۶۲۲ ق م میں بابل اور نینوئی کی حکومتیں بہت عروج و اقبال پر تھیں اور خورس سے قبل اسی دور میں ایران کی حکومت دو جدا جدا حصوں پر تقسیم تھی شمالی مغربی حصہ کو میڈیا (ماہات) کہتے تھے اور مغربی حصہ کو فارس اور دونوں حصوں میں قبائلی سردار حکومت کرتے تھے اور یہ قبائلی حکومتیں ان کے زیر اثر اور تابع تھیں لیکن ۶۱۲ ق م جب نینوئی کی آشوری حکومت تباہ ہوگئی تو اگرچہ میڈیا آزاد ہو گیا اور قبائلی حکومت کی جگہ آہستہ آہستہ شاہی حکمرانی کی داغ بیل پڑنے لگی تھی تاہم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے قاہرانہ اقتدار کے سامنے ایران کے ابھرنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا مگر ان ہی حالات کے اندر ۵۵۹ ق م میں قدرت نے ایکےمی نیز یا ہخامش خاندان کی ایک غیر معمولی ہستی کو نمایاں کیا کہ جو ابتداء میں اگرچہ ایک چھوٹی سی ریاست الشان کا رئیس تھا مگر ۵۵۹ ق م حیرت زا طور پر اس کے عدل و انصاف، سیاست و تدبیر، خدارسی و حلم نے فارس و ماہات دونوں حکومتوں کو بغیر جنگ و جدل کے اس کے قبضہ میں دے دیا اور دونوں حکومتوں کے قبائلی حکمرانوں نے برضاء و رغبت اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ یہی وہ ہستی ہے جس کو اہل فارس گورش یا کے ارش اور یہود خورس کہتے ہیں۔

مغربی مہم:

خورس نے جب فارس اور میڈیا کی حکومتوں کو متحد کر کے فرماں روائی کا اعلان کیا تو اس سے قریب ہی زمانہ میں اس کو ایک ''مغربی مہم'' پیش آئی اور اس وجہ پیش آئی کہ خورس سے بہت پہلے میڈیا اور ایران کے مغرب مین واقع حکومت لیڈیا ''ایشیا کوچک'' کے درمیان رقیبانہ جنگ رہتی تھی۔ مگر خورس کے معاصر لیڈیا کے بادشاہ کرڈیسس کے باپ نے خورس (گورش) کے نانا استیاگس کے باپ

Marfat.com

سے صلح کر لی تھی اور باہم ازدواجی رشتہ قائم کر کے مستقل طور سے جنگ کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اب جب کے خورس نے فارس اور میڈیا دونوں کو متحد کر کے ایک مضبوط سلطنت قائم کر لی تو ایشیا کو چک کا بادشاہ کرڈیسی اس کو برداشت نہ کر سکا اواس نے باپ کے کیے ہوئے تمام عہد و پیماں کو توڑ کر میڈیا پر حملہ کر دیا تب گورش بھی مجبوراً اپنے دارالحکومت ہمدان سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور دو ہی جنگوں کے بعد تمام ایشیا کو چک پر قبضہ کر لیا چنانچہ مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ گورش کی یہ مہم ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پیڑیا کہ معرکہ سے صرف چودہ دن کے اندر اس نے لیڈیا کے مستحکم اور مضبوط دارالحکومت کو مسخر کر لیا اور کرڈیس قید ہو کر مجرم کی حیثیت مین اس کے سامنے کھڑا نظر آیا۔ اب اگر چہ بحرِ اسود تک تمام ایشیا کو چک اس کے زیرِ نگیں تھا مگر پھر بھی وہ آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل پر جا پہنچا یعنی دارالحکومت سے چودہ سو میل فاصلہ طے کر کے مغربی جانب جا کھڑا ہوا۔

اہل جغرافیہ کہتے ہیں کہ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور ایشیاء کو چک کے مغربی ساحل کی حالت یہ ہے کہ یہاں ثمرنا کے قریب چھوٹے چھوٹے جزیرے نکل آنے کی وجہ سے تمام ساحل جھیل کی طرح بن گیا ہے اور بحرِ ایجین کے اس ساحل کا پانی خلیج کی وجہ سے بہت گدلا رہتا ہے اور شام کے وقت سورج غروب ہوتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے

مؤرخین کہتے ہیں کہ خورس نے اگر چہ ''ایشیا کو چک'' کو مردانہ وار فتح کر لیا لیکن وقت کے دوسرے بادشاہوں کی طرح اس نے ممالک مفتوحہ پر ظلم روا نہیں رکھا اور نہ ان کو وطن سے بے وطن کیا حتیٰ کہ سارڈیس کی پبلک کو یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہاں کوئی انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ انقلاب ہوا مگر فقط شخصیت کا یعنی ان کو کرڈیس کی جگہ خورس جیسا عادل بادشاہ مل گیا۔ چنانچہ ہیروڈوٹس لکھتا ہے:۔

سائرس (خورس) نے اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے اسے ہر گز قتل نہ کیا جائے اور کرڈیس اگر تلوار بھی چلائے تب بھی اس کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے۔''

نیز حکومت کے متعلق اس کا عقیدہ وہی تھا جو ایک صالح اور نیک بادشاہ کا ہونا چاہیے چنانچہ یونانی مؤرخ کی سیاز لکھتا ہے:

''اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے

Marfat.com

ہے کہ رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فائدہ پہونچے۔"

مشرقی مہم:

یہی مؤرخ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ گورش نے ابھی بابل کو فتح نہیں کیا تھا کہ اس کو ایران کے مشرق میں ایک اہم معرکہ آرائی پیش آئی کیوں کہ مشرقِ بعید کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل نے سرکشی اور بغاوت کی تھی اور یہ باختر (بکٹیریا) کے قبائل تھے اور بعض تاریخی حوالہ جات سے یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ جس مقام کو آج کل مکران کہتے ہیں اس جگہ کے خانہ بدوشوں نے یہ سرکشی کی تھی، یہ مقام بلاشبہ ایران کے لیے مشرقِ بعید کا حکم رکھتا ہے اس لیے کہ اس کے بعد پہاڑ ہیں جنھوں نے آگے بڑھنے کے لیے راہ روک دی ہے۔

تیسری (شمالی) مہم:

بابل کی فتح کے علاوہ تاریخ گورش کی ایک اور مہم کا ذکر کرتی ہے اور یہ ایران سے شمال کی جانب پیش آئی، اس مہم میں وہ بحر کاسپین (خزر) کو داہنی جانب چھوڑتا ہوا کاکیشیا کے پہاڑی سلسلہ تک پہنچا ہے، انھیں پہاڑوں میں اس کو ایک درہ ملا ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان پھاٹک کی طرح نظر آتا ہے۔ اس مقام پر جب وہ پہنچا ہے تو ایک قوم نے اس سے یاجوج و ماجوج قبائل کے تاراج کی شکایت کی ہے کہ وہ اس درہ میں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور تاخت و تاراج کر کے ہم کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس نے لوہا اور تانبا استعمال کر کے اس پھاٹک کو بند کر دیا اور دھات کی ایک سد قائم کر دی جس کے آثار و نشان اس وقت بھی موجود ہیں، چنانچہ ہیروڈوتس اور زنیوفن دونوں یونانی مؤرخ تصریح کرتے ہیں کہ گورش نے فتح لیڈیا کے بعد سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کے لیے خاص انتظامات کیے۔

اور یہ حقیقت عن قریب واضح ہو جائے گی کہ گورش کے زمانہ میں یاجوج و ماجوج قبائل میں سے یہی سیتھین تھے جو حملہ آور ہو کر قریب کی آبادیوں کو تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔

فتح بابل:

اب جب کہ گورش یا خورس کی فتوحات اس درجہ وسیع ہو چکی تھیں کہ ایران کے مغربِ اقصیٰ میں وہ بحرِ شمال سے لیکر بحیرۂ اسود (بحرِ لجین) کے آخری ساحل تک قابض تھا اور مشرقِ اقصیٰ میں مکران کے پہاڑوں تک بلکہ دارا کے رقبۂ حکومت کی تفاصیل کو مستند مان لیا جائے تو دریائے سندھ تک فتح کر چکا تھا۔ اور شمال میں کاکیشیا کے پہاڑی سلسلہ تک حکمراں تھا تو اس کو عراق کی مشہور اور متمدن مگر قاہرو

Marfat.com

جابر حکومت کی جانب متوجہ ہونا پڑا چنانچہ اس کی تفصیل بھی تاریخ ہی کی زبانی سنیے۔

خورس سے تقریباً پچاس برس پہلے بابل کی حکومت پر بنوکدنذر (بخت نصر) نظر آتا ہے اور اس زمانہ کے ضمنی عقائد کے مطابق وہ نہ صرف بادشاہ تھا بلکہ بابلی اصنام میں سے سب سے بڑے صنم کا مظہر اور دیوتا بھی سمجھا جاتا تھا اور اس لیے اس کا حق تھا کہ وہ جس حکومت کو چاہے اپنے قہر وغضب کا شکار بنا کر اس کے باشندوں کو ہولناک اور سخت عذاب میں مبتلا کرے، ان کو ہلاک کرے یا غلام بنا کر ان پر وحشیانہ مظالم کو روا رکھے۔ اس لیے اس بادشاہ کے مظالم بے پناہ اور اس کے تسخیرِ ممالک کا طریقہ سخت وحشیانہ تھا جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے اس نے اپنے دورِ حکومت میں یروشلم (بیت المقدس) پر تین مرتبہ حملے کیے اور فلسطین تباہ و برباد کر کے تمام باشندوں کو مویشیوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا، ایک یہودی مؤرخ جوزیفس کہتا ہے ''کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا جس طرح بنوکدنذر بنی اسرائیل کو بابل میں ہنکا کر لے گیا۔

بابل کی حکومت آشوری حکومت کی تباہی کے بعد اور بھی زیادہ مضبوط اور قاہر سلطنت ہوگئی تھی اور اس زمانہ میں قرب وجوار کی طاقتوں میں سے کسی کو بھی یہ جرات نہیں تھی کہ وہ اس جابر حکومت کے قہر وظلم کا استیصال کر سکیں لیکن فتحِ بیت المقدس کے کچھ عرصہ بعد بخت نصر مر گیا اور اسکا جانشین نابونی دس مقرر ہوا مگر اس نے حکومت کا تمام بارشاہی خاندان کے ایک شخص بیل شازار پر ڈال دیا، یہ شخص اگرچہ بہت عیاش اور ظالم تھا مگر بخت نصر کی طرح بہادر اور جری نہیں تھا، اس کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قیدیوں میں سے حضرت دانیال (علیہ السلام) نے اپنی حکیمانہ فراست سے بابلی دربار کو اس درجہ مسخر کر لیا تھا کہ وہ حکومت کے مشیر خاص سمجھے جاتے تھے۔ حضرتِ دانیال بیل شازار کو بار بار اس کے مظالم اور عیاشانہ زندگی کے خلاف تہدید وتنبیہ کی مگر اس نے کچھ شنوائی نہیں کی حتیٰ کہ انھوں نے حکومت کے معاملات سے کنارہ کشی کر لی۔

توراۃ کے بیان کے مطابق اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بیل شازار نے اپنی ملکہ کے اکسانے پر ایک شب یہ حکم دیا کہ یروشلم سے جو ہیکل کے مقدس ظروف بنوکدزار لوٹ کر لایا تھا وہ لائے جائیں اور ان میں شراب پلائی جائے، یہ جشن ہو ہی رہا تھا کہ کسی غیبی ہاتھ نے بادشاہ کے سامنے دیوار پر ایک نوشتہ لکھ دیا۔ توراۃ میں ہے:

''اسی گھڑی میں کسی آدمی کے ہاتھ کی انگلیاں ظاہر ہوئیں، اور انھوں نے شمع دان کے مقابل

Marfat.com

بادشاہی محل کی دیوار کے گچ پر لکھا اور بادشاہ نے ہاتھ کا وہ سرا جو لکھا تھا دیکھا تب بادشاہ کا چہرہ متغیر ہوا اور اس کے اندیشوں نے اسے گھبرا دیا............اور نوشتہ جو لکھا گیا سو یہ ہے "منے منے تقیل اوفیرسین۔"

تب شاہ نے گھبرا کر نجومین اور فال گیروں کو بلایا مگر کوئی اس کا مطلب نہ بتا سکا آخر ملکہ کے مشورہ سے دانیال (علیہ السلام) کو بلایا انھوں نے اول اس کے مظالم اور اس کی عیاشی کے خلاف پندو نصیحت فرمائی، پھر بتایا کہ تو نے چونکہ بیت المقدس کے ظروف کی توہین کر کے اس ظلم کی تکمیل کر دی اس لیے نوشتہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے تیری مملکت کا حساب کیا اور اسے تمام کر ڈالا تو ترازو مین تولا گیا اور کم نکلا، تیری مملکت پارہ پارہ ہوئی اور مادیوں اور فارسیوں کو دیدی گئی۔"

ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ اہلِ بابل عرصہ سے بیل شازار کے مظالم سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ ان کے بعض سرداروں نے یہ مشورہ کیا کہ قریب کی زبردست طاقت ایران سے مدد حاصل کی جائے اور اس کے عادل وفرماں روا سے یہ عرض کیا جائے کہ وہ ہم کو بیل شازار کے مظالم سے نجات دلائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ اہلِ بابل ہر طرح اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں ،چنانچہ ۵۴۰ ق م بابلی سرداروں کا ایک وفد خورس کے پاس اس وقت پہنچا جب کہ وہ اپنی مشرقی مہم میں مصروف تھا۔خورس نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو اطمینان دلایا کہ وہ اپنی اس مہم سے فارغ ہو کر ضرور بابل پر حملہ کریگا اور ان کو بیل شازار جیسے ظالم اور عیاش بادشاہ سے نجات دلائے گا خورس جب اپنی مہم سے فارغ ہو گیا تو حسبِ وعدہ اس نے بابل پر حملہ کر دیا۔

تمام مؤرخین باتفاق رائے کہتے ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ نا قابل تسخیر کوئی مقام نہیں تھا اس لیے کہ اس کی شہر پناہ اس درجہ دریتہ موٹی اور مستحکم تھی کہ کوئی فاتح اس کی تسخیر کی جرات نہیں کر سکتا تھا لیکن خورس کی عدل گستری اور رحم کے حالات دیکھ کر بابل کی رعایا اس درجہ اس کی گرویدہ تھی کہ حکومت، بابل کا ایک گورنر گوب ریاس کو داس کے ہمراہ تھا اور بقول ہیرو ڈوٹس اس ہی نے دریا میں نہر کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری جانب کر دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی اور خورس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی شہر فتح ہو گیا اور بیل شازار مارا گیا

خورس کا مذہب:

خورس کے مذہب کے متعلق توراۃ اور تاریخ دونوں متفق ہیں کہ جس طرح اس نے ایران کے منقسم حصوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو متحد کر کے ایک بڑی شاہنشاہیت قائم کی اور دوسروں کی

Marfat.com

سطوت وحکومت کے تابع ہونے کے بجائے بابل ونینوئی کی زبردست طاقتوں کو اپنا تابع فرمان بنایا اور جس طرح وقت کے جابر و قاہر شاہنشاہوں کے برعکس اس نے عدل ورحم پر اپنی حکومت کو مستحکم اور استوار کیا اسی طرح وہ دین و مذہب کے بارے میں بھی ایران کے مروجہ مذہب کے خلاف دینِ حق کا تابع اور ایمان باللہ اور توحید الٰہی کا داعی تھا۔

چنانچہ عزرا (عزیر علیہ السلام) کی کتاب میں تعمیر بیت المقدس سے متعلق اس کا یہ واضح اور صاف اعلان مذکور ہے:

''اور شاہِ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہو۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اسے قلم بند بھی کر کے یوں فرمایا شاہِ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی ساری مملکتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا کہ یروشلم کے بیچ جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں پس اس کی ساری قوم میں سے تمھارے درمیان کون کون ہے اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو کہ شہر یہوداہ ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بنائے کہ وہی خدا ہے جو یروشلم میں ہے۔

مجھ خورس بادشاہ نے خدا کے گھر کی بابت جو یروشلم میں ہے حکم کیا کہ وہ گھر اور وہ مکان جہاں قربانیاں کرتے ہیں بنایا جائے اور خدا کے گھر کے سنہرے اور روپہلے برتن بھی جنھیں بنوکدنذر یروشلم ہیکل میں سے نکال لایا اور یروشلم کے ہیکل میں اپنی اپنی جگہ میں پہنچائے جائیں اور خدا کے گھر میں رکھے جائیں۔''

خورس کے منادی اور نوشتہ کے نشان زدہ جملوں کو پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ ان مضامین میں صرف یہ اعلان نہیں ہے کہ یہود کو نجات دلا کر بیت المقدس کی تعمیر کی بھی اجازت دی جاتی ہے بلکہ اس سے زیادہ یہ بھی ہے کہ مجھ کو خدا نے یہ حکم کیا ہے کہ میں اس کا گھر دوبارہ تعمیر کردوں اور یہ کہ خدا اسی ہستی کا نام ہے جو یروشلم کا خدا ہے اور بیت المقدس خدا کا مقدس گھر ہے۔

اب اسی کے ساتھ اس کے جانشین دارائے اول کا وہ فرمان بھی ملاحظہ ہو ''جو یہودیوں کی اس عرضی کے جواب میں دیا گیا ہے جس میں بعض صوبہ داروں کی شکایت کی کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر میں آڑے آتے ہیں'' دارا لکھتا ہے:

''پس نہر پار کے صوبہ دار تتنی اور شتر بوزنی اور انکے افارسکی رفیق جو نہر پار ہوں، تم وہاں سے

Marfat.com

دور ہو جاؤ اس بیت اللہ کے کام میں دست اندازی مت کرو، یہودیوں کا ناظم اور یہودیوں کے بزرگ لوگ خدا کے گھر کو اس کی جگہ تعمیر کریں............ پر وہ خدا جس نے اپنا نام وہاں رکھا ہے، سب بادشاہوں اور لوگوں کو جو اس حکم کو بدل کے خدا کا وہ گھر جو یروشلم میں ہے بگاڑنے کو ہاتھ بڑھاتے ہوں غارت کرے۔ میں دارا حکم دے چکا اس پر جلد عمل کرنا چاہیے"

اس فرمان میں دارا نے بلند آہنگی کے ساتھ یہ ظاہر کیا ہے کہ کہ بیت المقدس بلاشبہ بیت اللہ ہے اور وہ بددعا کرتا ہے کہ بادشاہ ہو یا معمولی شخص جو بھی اس بیت اللہ کو خراب کرنے کا ارادہ کرے، خدا اس کو غارت کردے۔

توراۃ کی ان صاف اور واضح شہادتوں کے بعد "جو خورس کا مسلمان ہونا ظاہر کرتی ہیں" اب چند تاریخی شہادتیں بھی قابلِ مطالعہ ہیں:

دارا نے اپنے زمانۂ حکومت میں ایک اہم تاریخی کام یہ کیا ہے کہ پہاڑوں کی مضبوط چٹانوں پر کتبے نقش کرادیے ہیں جو اس کے اور خورس کے عہدِ زریں کو روشنی میں لاتے ہیں ان مختلف کتبات میں سے ایک کتبہ ایران کے مشہور شہر اصطخر میں دریافت ہوا ہے، یہ کتبہ قدیم تاریخ کا نادر ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں دارا نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور صوبوں کے نام تک گنا دیے ہیں اور ایسی تفصیلات دی ہیں جن سے اس کے مذہب وعقیدہ اور طریقِ حکومت تک پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ اسی کتبہ میں دارا کا یہ عقیدہ مذکور ہے:

خدائے برتر ہورموزدہ ہے اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمراں اور آئین ساز بنایا۔"

"اہورموزدہ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن وآمان قائم کیا، میں اہورموزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو اور ان تمام ملکوں کو محفوظ رکھے اے اہورموزدہ میری دعا قبول کر!"

"اے انسان! اہورموزدہ کا تیرے لیے حکم ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر صراطِ مستقیم کو نہ چھوڑ، گناہ سے بچتا رہ"

دارا کے کتبات میں اصطخر کے کتبہ سے بھی زیادہ اہمیت اس کے کتبہ بے ستون کو حاصل ہے اس میں اس کے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنے سریر آرائے سلطنت ہونے کا واقع تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

Marfat.com

دارا نے اس کتبہ میں گوماتہ کو موگوش (مجوسی) اور اس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہونے کو اہور موزدہ کے فضل کی جانب منسوب کیا ہے اور ہیروڈوٹس اور دوسرے یونانی مؤرخ یہ اور اضافہ کرتے ہیں کہ دارا کے خلاف یہ بغاوت میڈیا (ایران) کے قدیم مذہب کے پیرووں (مجوسیوں) کی جانب سے ہوئی تھی، دارا کے زمانہ میں گوماتہ کے علاوہ پراورتیش اور چترت خمہ اور مجوسیوں (موگوشوں) نے علمِ بغاوت بلند کیا اور دارا کے ہاتھ سے پہلا ہمدان میں اور دوسرا اردبیل میں قتل ہوا۔

پھر خورس اور دارا کے ''مومن'' اور ایران کے قدیم مذہب ''مجوسی'' سے بیزار رہنے پر سب سے بڑی شہادت دارا کا وہ تبلیغی اعلان ہے جو اس نے دانیالؑ کے دشمنوں کے خلاف اس وقت شائع کیا تھا جب کہ دانیال نبی کو ان کے دشمنوں نے شیر، ببر کے سامنے ڈال دیا تھا اور دانیال معجزانہ طور پر صحیح و سالم بچ گئے تھے:

''تب دارا بادشاہ نے ساری قوموں اور گروہوں اور اہلِ لغت کو جو روئے زمین پر بستے تھے نامہ لکھا ''تمھاری سلامتی ترقی پائے۔ میں یہ حکم کرتا ہوں کہ میری مملکت کے ہر ایک صوبے کے لوگ دانی ایل کے خدا کے آگے ترساں ولرزاں ہوں کیوں کہ یہ وہی زندہ خدا ہے جو ہمیشہ قائم ہے اور اسکی سلطنت لازوال ہے اور آخر تک رہیگی وہی چھڑاتا اور بچاتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہی نشانیاں دکھاتا اور عجائب وغرائب کرتا ہے اسی نے دانی ایل کو شیر ببروں کے چنگل سے چھڑایا۔ پس یہ دانی ایل دارا کی سلطنت اور خورس فارسی کی سلطنت میں کامیاب رہا''۔

ان تاریخی مصادر سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دارا اس کے پیش رو خورس کا مذہب ایران کے قدیم مذہب ''موگوش'' (مجوسی مذہب) سے جدا اور مخالف تھا اور یہ کہ دارا جس ہستی کو اہور موزدہ کہہ کر پکارتا ہے اور اس کے جو اوصاف بیان کرتا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اس کا پیش رو ''دینِ حق'' پر تھے اور عربی کا ''اللہ'' سریانی کا ''الوہیم'' اور عبرانی کا ''ایل'' اور ایران کا ''اہور موزدہ'' ایک ہی مقدس ہستی کے نام ہیں کیوں کہ دارا کہتا ہے کہ وہی یکتا اور بے ہمتا ہے اور وہی خالقِ کائنات ہے اور خیر وشر تنہا اسی کے ہاتھ میں ہے نیز وہ توحید خالص پر ایمان کیساتھ ساتھ آخرت پر ایمان رکھتا اور صراطِ مستقیم کی تلقین اور گناہوں سے اجتناب کی تعلیم کا اظہار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عقائد کی یہ تفصیلات مجوسی مذہب کے بالکل خلاف ہیں اور اسی لیے دارا مجوسیوں پر کامیابی حاصل کرنے کو اہور موزدہ کا فضل وکرم قرار دیتا ہے۔

رہا یہ امر کہ خورس اور دارا وقت کے کس مذہب حق کے پیرو تھے تو اس کا جواب مختصر سی تمہید

Marfat.com

کے بعد با آسانی دیا جا سکتا ہے۔

ایرانِ قدیم کا مذہب:

ادیان و مذاہب کی تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسط، ایشیا کی آرین قوموں کا مذہبی تخیل بنیادی طور پر ہمیشہ سے مشترک رہا ہے اور یہ سب مظاہر قدرت کے پرستار اور اصنام پرستی کے ذریعہ اس عقیدہ کا علم بردار نظر آتے ہیں پھر آہستہ آہستہ آسمان پر سورج کو اور زمین پر آگ کو تقدیس کا درجہ دیا جاتا ہے کیوں کہ ان کی نگاہ میں یہی دونوں روشنی اور حرارت کے مبدا ہیں اور روشنی اور حرارت ہی عالم کے تمام نظام میں کارفرما ہیں، چنانچہ قدیم یونان، ہندوستان، اور ایران وغیرہ کے مذاہب میں یہ چیز مشترک نظر آتی ہے البتہ جزئیات میں یہ فرق رہا ہے کہ مثلاً یونان اور ہندوستان کے ضمنی عقائد میں دیوتاؤں کو اچھائی اور برائی دونوں پر قدرت حاصل ہے لیکن ایران کے اصنامی عقائد کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ کائنات کا تمام نظام دو مخالف قوتوں کی کارفرمائی میں ہے ایک خیر اور نیکی کے دیوتا ہیں جو خیر اور تمام بھلائی کے مالک اور متصرف ہیں اور دوسرے شر اور بدی کے دیوتا ہیں جن سے صرف بدی اور برائی کا صدور ہوتا ہے یعنی خالق، خیر ایک جدا قوت ہے اور خالق شر دوسری قوت اور تمام عالم پر انھیں دو متضاد قوتوں کی حکومت ہے اور انھین کے تصادم پر نظام کائنات مین خیر و شر کا غلبہ ہوتا رہتا ہے اس لیے ان کے یہاں خدائے واحد کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور چونکہ وہ خیر کو روشنی اور شر کو تاریکی خیال کرتے ہیں اس لیے آگ کو روشنی کا مبدا قرار دے کر یزداں (خیر کا دیوتا) کی قربت حاصل کرنے کے لیے قابل، پرستش سمجھا گیا اور آتش پرستی کو مذہب کا جزِ اعظم بنایا گیا۔ چنانچہ فارس اور میڈیا یعنی ایران کا یہی قدیم مذہب تھا جس کے پیرو موگوش (مجوس) کہے جاتے تھے۔

ایران اور مذہب زردشت:

لیکن تقریباً ۵۵۰ ق م اور ۵۸۳ ق م کے درمیان شمال مغربی ایران یعنی قفقاز اور آذربیجان کے اس نواح میں جو وادی ارس کے نام سے مشہور ہے ایک ملہم من اللہ ہستی کا ظہور ہوا، یہ ابراہیم زردشت کی شخصیت تھی۔ انھوں نے ایران کے مجوسیوں میں دینِ الٰہی کا اعلان کیا اور رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا۔

انھوں نے بتایا کہ کائنات میں خیر و شر کے دیوتاؤں کا تصور باطل ہے بلکہ سارے عالم پر صرف ایک ہی ہستی بلا شرکتِ غیرے مالک اور متصرف ہے، وہ یکتا اور بے ہمتا ہے، قدیر و حلیم ہے نور و قدوس ہے، اور یہ اہورموزدہ کی پاک ہستی ہے، یہی تمام کائنات کی خالق ہے تم جن کو خیر کے دیوتا سمجھتے

Marfat.com

ہو وہ دیوتا نہیں بلکہ اہور موزدہ کی مخلوق اور اس کے حکم سے امورِ خیر کے کارپرداز امق اسپند (فرشتے) ہیں اور تم نے جن کو شر کا دیوتا سمجھ لیا ہے وہ سرتا سر باطل کے سوا کچھ نہیں بلکہ یہاں شر کا مرکز اسی اہور موزدہ کی مخلوق ''اہرمن'' (شیطان) کی ہستی ہے، یہی انسانوں کے دلوں میں شر کو بھڑکا کے تاریکی کی جانب لے جاتی ہے ''انسان'' ان دو متضاد اثرات میں گھرا ہوا ہے اور اہور موزدہ نے اس کو اپنے سچے نبیوں کے ذریعہ روشنی اور تاریکی دونوں کے اثرات سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے پس آگ کی پرستش محض گمراہی ہے اور انسانی شقاوت وسعادت کا معاملہ صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم (آخرت) ہے وہاں دو جدا جدا مقامات ایک نکوکاروں کے لیے اور دوسرا بدکاروں کے لیے ہے اس لیے ہم کو گناہوں سے پرہیز کرنا اور نیکی کو اختیار کرنا چاہیے اور اپنے اخلاق کو بہتر بنانا چاہیے۔

یہ تھی ابراہیم زردشت کی وہ تعلیم جس کے متعلق آج عرب اور یورپ کے محقق مورخین کا اتفاق ہے کہ اواخرِ چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ آواز زردشت کی زبانی میڈیا اور فارس کے قدیم مذہب کے خلاف ایران میں سنی گئی۔

یہی مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم زردشت دانیال اکبر یا یرمیاہ (علیہم السلام) کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے اور ایران کے قدیم مذہب کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے۔

ابراہیم زردشت کی تعلیم ''دینِ حق کی تعلیم'' تھی اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ان پر نازل شدہ الہامی کتاب ''اوستا'' کے مضامین کی ابتدا ایسے ہی جملوں سے ہوتی ہے جن کا مفہوم سچی الہامی کتابوں میں مشترک پایا جاتا ہے یعنی شیطانی وساوس سے پناہ اور خدائے رحمان ورحیم کی مدح و ثناء، چنانچہ قرآن سے قبل کی الہامی کتابوں کی طرح ''اوستا'' بھی محرف ہو چکی ہے تاہم اس میں یہ جملے اب بھی محفوظ ہیں جن سے مضامین کی ابتدا ہوتی ہے اور دساتیرِ آسمانی میں ان کو اس طرح نقل کیا گیا ہے:

(۱) ہوزامیم فہ مزدان ہزہزماس ہرشیور ہردیور۔ ''پناہیم بہ یزداں (اہور موزدہ) ازمنش زشت وخوئے بدگمراہ کنندہ براہ ان اخوب برندہ رنج دہندہ، آزار رسانندہ (یعنی شیطان)

(۲) فہ شید شمتای ہرشندہ ہرششگر زمریان فراہیدور۔ ''بنام ایزد بخشایندہ بخشائش گر مہربان داد گر''

اب اگر اسی کے ساتھ خورس (کیخسرو) اور داریوش (دارا) کے ان بیانات کو بھی پیشِ نظر

Marfat.com

رکھا جائے جو توراۃ میں بیت المقدس کی تعمیر سے متعلق ہیں اور ان کتبات کی عبارات کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے جو دارا کی جانب سے منقوش کیے گئے ہیں اور جن میں مجوسی عقائد کے خلاف خدائے واحد کی حمد وثنا بیان کی گئی ہے تو پھر یہ دعویٰ حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے کہ خورس اس کے بیٹے کیقباد دوم (کم بی سیز) اور دارا کا مذہب بلاشبہ ایران کے قدیم مذہب (مجوسی مذہب) کے خلاف دینِ حق کا مذہب تھا اور جب کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابراہیم زردشت اور خورس (کے ارش) کا زمانہ ایک رہا ہے اور خورس اور دارا کے عقائد زردشت کی تعلیم کے عین مطابق ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خورس پہلا بادشاہ ہے جس نے ایران کے قدیم مذہب (مجوسی مذہب) کے خلاف اس دینِ حق کو قبول کیا اور کچھ تعجب نہیں کہ یہود کو خورس کے ساتھ اس درجہ شغف کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ خورس ایسے مذہب کا پیرو تھا جو انکے نبی دانیال اکبر یا یرمیاہ (علیہم السلام) کے شاگرد اور فیض یافتہ ہادی (زردشت) کی جانب منسوب ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ زردشت کی تعلیمِ حق کو ایران زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکا اور دارا پر حملۂ اسکندر کے بعد یعنی ایران کے پہلے عہدِ تاریخی کے ختم پر وہ بھی مسخ اور محرف کر دیا گیا چنانچہ مؤرخین کا بیان ہے کہ ۴۰۰ ق م کے بعد زردشتی مذہب کا انحطاط شروع ہو گیا اور ایک جانب روم و یونان کے خارجی اثرات نے اس کو متاثر کیا اور دوسری جانب ایران کے قدیم مذہب "مجوس" نے دوبارہ سر اٹھایا اور نتیجہ یہ نکلا کہ دارا کے قتل کے بعد ہی اس کے اصل خدوخال بگڑنے لگے اور اس مین تحریف و مسخ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ قدیم مجوسی مذہب کے امتزاج کے ساتھ اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور اب یہی مجوسی مذہب کے نام سے موسوم ہے۔

ایرانیوں (پارسیوں) کا اپنا بیان ہے کہ جب سکندر مقدونی نے اصطخر پر حملہ کیا تو اس نے شہر کو آگ لگا دی اور اس میں زردشت کا مقدس صحیفہ "اِوِستا" جل کر راکھ ہو گیا، گویا بیت المقدس پر حملہ کے وقت جو معاملہ بخت نصر نے یہود کی مقدس کتاب توراۃ کے ساتھ کیا وہی سکندر نے "اوِستا" کے ساتھ کیا اور اس طرح دونوں مذاہب کے مقدس صحیفے دنیا سے مفقود ہو گئے۔

پھر تقریباً پانچ سو سال کے بعد ایران کے تیسرے تاریخی عہد میں ساسانی حکومت کے بانی اردشیر بابکانی نے از سرِ نو "اوستا" کو مرتب کرایا۔ پس ظاہر ہے کہ اب یہ صحیفہ اصل "اوستا" نہیں ہے بلکہ قدیم ایرانی مذہب، یونانی مذہب اور زردشتی مذہب کا ایک معجون مرکب ہے بلکہ اس کے نمایاں عقائد و اعمال بیشتر قدیم مجوسیت ہی سے ماخوذ نظر آتے ہیں، تاہم اس صحیفہ کا جو ناقص اور محرف حصہ آج

Marfat.com

پارسیوں کے ہاتھ میں ہے اس میں اصل مذہب کی جھلک اب بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے جس کے بعض حوالجات ہم اصحاب الرس کے واقعہ میں نقل کر چکے ہیں

مسلمانوں نے جب خیروالقرون میں ایران کو فتح کیا تو ان کو ان ہی پیروانِ زردشت سے واسطہ پڑا جو صحیح دینِ زردشتی چھوڑ کر قدیم مجوسی مذہب پر واپس ہو چکے تھے اور ان میں ایک نبی اور اس کی کتاب کے تصور کے علاوہ کوئی بات زردشتی مذہب کی باقی نہیں رہی تھی اور اسی بنا پر قرآن نے بھی ان کو ''مجوس'' ہی کہہ کر ذکر کیا ہے۔ اس لیے متقدم عرب مؤرخین نے یہ سمجھ لیا کہ مجوسی مذہب اور زردشتی مذہب ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اس کے باوجود بعض متقدم محقق اور اصحاب سیرہ اس قدر پتہ دے سکے ہیں کہ ایران میں دو مذاہب نے یکے بعد دیگرے اپنا اثر قائم کیا ہے۔ ایران اول صابی مذہب رکھتا تھا اور اس کے بعد اس نے زردشتی مذہب قبول کر لیا۔ لغتِ عرب میں ''صابی'' کے معنی ''بد دین'' کے ہیں، چنانچہ قریشِ مکہ اس بناء پر اپنے خیال میں مسلمانوں کو ''صابی'' کہا کرتے تھے۔ اس لیے ''صابی'' سے ان حضرات کی مراد غالباً اسی مذہبِ قدیم سے ہے جو آتش پرستی، بت پرستی اور دیوتا پرستی پر قائم تھا۔

متاخرین علماء میں سے شاہ عبدالقادر نوراللہ مرقدہٗ بھی تردد کے ساتھ ''المجوس'' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں ''مجوس آگ پوجتے ہیں اور ایک نبی کا نام بھی لیتے ہیں معلوم نہیں پیچھے بگڑے یا سرے سے غلط ہیں'' مگر آج عرب اور یورپ کے محققین اہلِ تاریخ بغیر کسی تردد کے دلائل و براہین کی روشنی میں اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ زردشت کا مذہب، ایران کے قدیم مذہب سے جدا ''دینِ حق'' تھا جس میں مظاہر پرستی، اصنام پرستی، آتش پرستی ممنوع تھی اور خدائے واحد کی پرستش کے سوا کسی کی پرستش جائز نہیں تھی۔

چنانچہ مصر کے مشہور عالم فرج اللہ ذکی نے اس قول کی پُرزور تردید کی ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ زردشت نے اول یرمیاہ علیہ السلام کی شاگردی کی مگر جب کسی بات پر یرمیاہ نبی اس سے خفا ہو گئے تو وہ ان سے جدا ہو گیا اور آتش پرستی کا ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا۔ ابنِ کثیر نے بھی اس قول کو ''قیل'' کہہ کر نقل کیا ہے یعنی وہ بھی اس کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

ذوالقرنین اور قرآن عزیز:

ذوالقرنین کی شخصیت کے بارے میں اگرچہ دو اہم مباحث یعنی ''ذوالقرنین سے متعلق توراۃ کی پیشین گوئیاں اور تاریخی شہادتیں'' سپرد قلم ہو چکیں لیکن ابھی ایک اہم مسئلہ یہ باقی ہے کہ کیا وہ

Marfat.com

شخصیت جس کے لیے توراۃ اور تاریخ سے روایات وشہادات پیش کی گئی ہیں درحقیقت قرآن میں مذکور ذوالقرنین ہی کی شخصیت ہے تو اس کے جواب سے قبل قرآن عزیز کی ان آیات کو پیش کر دینا ضروری ہے جو سورۂ کہف میں اس واقعہ سے متعلق کی گئی ہیں تاکہ بعد میں تطبیق کا مسئلہ بخوبی واضح ہو سکے۔

قرآن عزیز (سورۂ کہف) میں ذوالقرنین کا واقعہ اس طرح مذکور ہے: (ابتداء کتاب میں ترجمہ ملاحظہ فرمائیں)

قرآن عزیز کی ان آیات مین ذوالقرنین کا جو واقعہ مذکور ہے اگر اس کو ان واقعات کے ساتھ تطبیق دیجئے جو گذشتہ صفحات میں توراۃ اور تاریخ قدیم کے حوالجات سے نقل کیے گئے ہیں تو آپ خود یہ فیصلہ کر دینگے کہ تاویلات تخمینی قیاس آرائیوں اور غیر معلوم احتمالات سے محفوظ رہ کر ذوالقرنین کا اطلاق خورس کے سوا اور کسی شخصیت پر نہیں ہوتا

مگر اس فیصلہ کی حقیقت پر عبور حاصل کرنے کے لیے ازبس ضروری ہے کہ سورۂ کہف کی زیرِ مطالعہ آیات کے مطالب کا تجزیہ کر کے ان کے ساتھ خورس سے متعلق تاریخی واقعات کی مطابقت کو واضح اور روشن کر دیا جائے۔

پس ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے کن حقائق کا اظہار کیا ہے اور خورس سے متعلق واقعات کس طرح ان حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، سطورِ ذیل میں ترتیب وار قابلِ مطالعہ ہیں:

(۱) قرآن عزیز کا اسلوب بیان کہتا ہے کہ اس نے ذوالقرنین کا واقعہ دوسروں کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور سوال کرنے والوں نے اسی لقب کے ساتھ اس کو یاد کیا ہے۔ قرآن نے اپنی جانب سے یہ لقب تجویز نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہین تم کہدو! میں اس کا کچھ حال تمھیں (کلامِ الٰہی میں) پڑھ کر سناتا ہوں۔

(تطبیق (۱) صحیح روایات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سوال یہودیوں کی تلقین سے قریشِ مکہ نے کیا تھا اور سوال میں یہ مذکور تھا کہ ایسے بادشاہ کا حال بتاؤ جو مشرق و مغرب میں پھر گیا اور جس کو توراۃ میں صرف ایک جگہ اس لقب سے یاد کیا گیا ہے اور توراہ یہ کہتی ہے کہ دانیال علیہ السلام کے مکاشفہ میں ایران کے ایک بادشاہ کو ایسے مینڈھے کی شکل مین دکھایا گیا جس کے دو سینگ نمایاں تھے اور جبرئیل فرشتہ نے اس دو سینگوں والے مینڈھے (ذوالقرنین) کی تعبیر یہ دی کہ اس سے وہ بادشاہ مراد ہے جو فارس اور میڈیا دو بادشاہتوں کا مالک ہوگا اور یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی اور تاریخ دونوں اس پر متفق ہیں

Marfat.com

کہ ایران کا یہ بادشاہ خورس تھا جس نے فارس اور میڈیا دونوں کو ملا کر شاہنشاہی کی۔ یہودیوں کو اس سے اس لیے دلچسپی تھی کہ ان کے انبیاء علیہ السلام کے الہامات کے مطابق وہ ان کا نجات دہندہ تھا چنانچہ یہودیوں کا دیا ہوا یہ لقب ''ذوالقرنین'' خود ایران کے شاہی خاندان میں اس درجہ مشہور و مقبول ہوا کہ انھوں نے خورس کے مرنے کے بعد اس کا مجسمہ بنایا تو اس میں بھی تاریخی یادگار کے طور پر دانیال علیہ السلام کے خواب کو مصور کر کے دکھایا اور چونکہ یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک جگہ اس کو عقاب بھی کہا گیا ہے:

''میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں جو ابتدا سے انتہا تک احوال اور قدیم وقتوں کی باتیں جو اب تک پوری نہیں ہوئیں، بتاتا ہوں اور جو کہتا ہوں میری مصلحت قائم رہیگی اور میں اپنی ساری مرضی پوری کروں گا جو عقاب کو پورب سے لاؤں گا اس شخص کو جو میرے ارادوں کو پورا کریگا۔''

اس لیے اصطخر کے قریب خورس کا جو سنگی مجسمہ نکلا ہے اس کو اس مجموعی تخیل ہی پر بنایا گیا ہے کہ اس کے سر کے دونوں جانب دو سینگ ہیں اور سر پر ایک عقاب ہے اور خورس کے سوا دنیا کے کسی بادشاہ کے متعلق یہ تخیل موجود نہیں ہے۔

پس یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہود کو اپنے نجات دہندہ خدا کے مسیح اور خدا کے چرواہے کے ساتھ اس درجہ دلچسپی تھی کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا معیار اس بادشاہ کے واقعات کے علم کو قرار دیا اور اسی کے پیشِ نظر قرآن نے اس بادشاہ (خورس) کا مناسب حال ذکر کیا۔

(۲) قرآن کہتا ہے کہ وہ بہت صاحبِ شوکت بادشاہ تھا اور خدا نے اس کو ہر قسم کے ساز و سامان حکومت سے نوازا تھا انا مکنا له فی الارض و اتینه من کل شئی سببا ہم نے اس کو حکمرانی عطا کی اور اس کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا

(ت۔۲) خورس (گورش) کے متعلق توراۃ اور قدیم و جدید تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نہ صرف ایران کی مختلف قبائلی حکومتوں کو ہی ایک شاہنشاہی میں منسلک کر دیا تھا بلکہ بابل و نینوی کی عظیم الشان حکومتوں پر بھی قابض ہو کر اپنی جغرافیائی حیثیت میں ایسی وسیع مملکت کا مالک ہو گیا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو تمام ساز و سامان زندگی و حکومت سے مالا مال کر دیا۔

(۳) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قابلِ ذکر مہم سر کی ہیں

(ت۔۳) معتبر تاریخی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ خورس نے تین قابل ذکر مہم سر کیں۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے پہلے پچھم (مغرب) کی جانب ایک مہم سر کی فا تبع سببا

Marfat.com

حتے اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمیئه "پس اس نے (ایک مہم کے لیے) سازوسامان کیا اور پچھم کی جانب نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچا وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ دلدل میں ڈوب جاتا ہے۔"

(تا۔۴) یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس اور بعض دوسرے مؤرخین کے حوالے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خورس کو سب سے پہلی اور اہم مہم پچھم کی جانب پیش آئی جب کہ لیڈیا (ایشیا کوچک) کے بادشاہ کرڈیس کے غدارانہ طرزِ عمل کے خلاف اس کو لیڈیا پر حملہ کرنا پڑا، یہ مقام ایران سے جانبِ مغرب واقع ہے اور اس کا دارالحکومت "سارڈیس" ایشیاء کوچک کے آخری مغربی ساحل کے قریب تھا۔ بقول ہیروڈوٹس، خورس کی یہ مہم ایسی معجزانہ انداز میں تھی کہ وہ مغرب کی جانب فتوحات کرتا ہوا چودہ روز کے اندر ایشیاء کوچک کے آخری ساحل پر جا کھڑا ہوا اور سارڈیس جیسے محکم و مضبوط شہر کو تسخیر کرلیا، اب اس کے سامنے سمندر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سمرنا کے قریب بحرِ ایجن (Aegan Sea) کا یہی وہ ساحل ہے جو اپنے اندر چھوٹے چھوٹے جزیرے رکھنے کی وجہ سے جھیل بن گیا ہے اور اس کا پانی بہت گدلا رہتا ہے اور شام کے وقت جب سورج ڈوبتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا سیاہ دلدل میں ڈوب رہا ہے "تغرب فی عین حمیئه"۔

(۵) قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی قوم پر ذوالقرنین کو ایسا غلبہ دیدیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے، چاہے ان کی بغاوت کی پاداش میں ان کو سزا دے اور چاہے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے ان کو معاف کر دے۔۔۔۔۔

(ت۔۵) تاریخی حوالوں اور ہیروڈوٹس اور زینوفن کے تاریخی اقوال سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ خورس (کے ارش) نے لیڈیا کو فتح کر کے عام بادشاہوں کی طرح اس کو برباد نہیں کیا بلکہ عادل، نیک اور صالح بادشاہ کی طرح عفو کا اذنِ عام کر دیا اور ان کو بے وطن نہیں ہونے دیا۔ بلکہ کرڈیس کی گرفتاری کے سوا یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہاں کوئی انقلابِ حکومت ہوا ہے، البتہ کرڈیس کی جرات مردانہ کے امتحان کے لیے اول اس کو چتا میں جلانے کا حکم دیا مگر جب وہ مردانہ وار چتا کے اندر بیٹھ گیا تو اس کو بھی معاف کر دیا اور اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔

(۶) قرآن نے ذوالقرنین کا جو مقولہ نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "مومن" بھی تھا اور "عادل و صالح" بھی، وہ کہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔"ذوالقرنین نے کہا ہم نا انصافی کرنے والے نہیں ہیں، جو سرکشی کرے گا اسے ضرور سزا دینگے پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف

Marfat.com

لوٹتا ہے وہ (بداعمالوں) کو سخت عذاب میں مبتلا کریگا اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کو بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دینگے جس میں اس کے لیے بھلائی و راحت ہو۔"

(ت۔۶) توراۃ میں خورس کا یروشلم سے متعلق فرمان اور دارا کے کتبات واعلانات مذکورۂ توراۃ، "اَوِستا" کی اندرونی شہادات اور تاریخی بیانات یہ سب شہادتیں ناقابل انکار حد تک یہ ثابت کرتی ہیں کہ خورس اور دارا مومن تھے اور وقت کے سچے دین کے پیرو بلکہ اس کے مبلغ اور منّاد تھے، وہ ابراہیم زردشت کے متبع، خدائے واحد کے پرستار اور آخرت کے قائل تھے اور ان کا دین انبیاء بنی اسرائیل ہی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتا تھا جو دارا کے بعد بہت ہی جلد محرف و مسخ ہو کر رہ گیا

(۷) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین نے دوسری مہم مشرق (پورب) کی جانب سرکی اور وہ جب چلتے چلتے سورج نکلنے کی آخری حد پر پہنچا تو اس کو وہاں خانہ بدوش قبائل سے واسطہ پڑا۔ اس کے بعد اس نے پھر تیاری کی اور پورب کی طرف نکلا یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسے گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۔

(ت۔۷) تاریخ کہتی ہے کہ خورس کو دوسری قابل ذکر مہم مشرق (پورب) کی جانب پیش آئی جبکہ مکران کے خانہ بدوش قبائل نے سرکشی کی جو کہ اس کے دارالحکومت سے اقصائے مشرق میں پہاڑی علاقہ تک آباد تھے اور جن سے متعلق مہم کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن عزیز نے ذوالقرنین کی مغربی اور مشرقی قابلِ ذکر مہمات کے لیے "مغرب الشمس" اور "مطلع الشمس" کی تعبیر اختیار کی ہے، اس سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ذوالقرنین ساری دنیا کا بلاشرکتِ غیرے حکمراں بن گیا تھا اور اس نے دنیا کے دونوں جانب کے آخری ربع مسکوں تک اپنے قبضہ میں کرلیا تھا حالانکہ یہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے کسی بھی بادشاہ کے لیے ثابت نہیں ہے اور نہ قرآن نے اس مقصد کے لیے یہ تعبیر اختیار کی ہے بلکہ اس کی صاف اور واضح مراد یہ ہے کہ ذوالقرنین اپنے مرکزِ حکومت کے لحاظ سے اقصاء مغرب اور اقصاء مشرق تک پہنچا ہے اور مغرب میں وہ اس حد تک پہنچ گیا تھا جہاں خشکی کا سلسلہ ختم ہو کر سمندر شروع ہو جاتا ہے اور مشرق میں اس حد تک پہنچا کہ وہاں خانہ بدوش قبائل کے سوا کوئی شہری آباد نہیں تھی۔ یہ مطلب اس درجہ واضح ہے کہ اگر بے دلیل غلط فہمی کی وجہ سے مسطورہ بالا قول منقول نہ ہوتا تو ہر شخص زبان کے محاورہ کے لحاظ سے یہی سمجھتا جو ہم نے سمجھا ہے، چنانچہ آج بھی ہم ہندوستان میں رہتے

Marfat.com

ہوئے اقصاء مشرق اور اقصاء مغرب سے دور دراز ملک مراد لیتے ہیں جو ہمارے مشرق ومغرب میں واقع ہیں اور ان الفاظ کو اس بات میں منحصر نہیں کر دیتے کہ مشرق ومغرب کے وہ کنارے مراد ہیں جن کے بعد معمورۂ عالم کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہا ہو، البتہ دلائل یا قرائن کے ذریعہ یہ معنی بھی مراد ہو جاتے ہیں۔

اقصائے مشرق ومغرب کی اس اصطلاح کو جو قرآن نے ذوالقرنین کے سلسلہ میں بیان کی ہے اگر اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (خورس) سے متعلق توراۃ نے چونکہ یہی تعبیر کی تھی اس لیے بہت ممکن ہے کہ قرآن نے سائلین کو اس کا واقعہ سنانے کے وقت اسی اصطلاح کو اختیار کرنا پسند کیا ہو۔ دیکھیے یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں خورس کے حق میں بعینہ یہی تعبیر موجود ہے:

''خداوند اپنے خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے.......... میں نے اپنے بندے یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا۔ میں نے تجھے مہربانی سے پکارا گو کہ تو مجھے نہیں جانتا میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہیں پہچانا تا کہ لوگ سورج کے نکلنے (مطلع الشّمس) کی اطراف سے سورج غروب ہونے (مغرب الشّمس) کی اطراف تک جانیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں''۔

اور زکریا نبی کے صحیفہ میں بنی اسرائیل کے متعلق کہا گیا ہے:

''رب الافواج فرماتا ہے کہ دیکھ میں اپنے لوگوں کو سورج کے نکلنے (مطلع الشّمس) کے ملک سے اور سورج کے غروب ہونے (مغرب الشّمس) کے ملک سے چھڑالونگا اور میں انھیں لاؤں گا اور وہ (بنی اسرائیل) یروشلم کے درمیان سکونت کریں گے۔''

ظاہر ہے کہ ان دونوں مقامات میں ''مطلع الشّمس'' اور ''مغرب الشّمس'' سے معمورۂ عالم کے دونوں جانب آخری کونے مراد نہیں ہیں بلکہ جن کا ذکر ہے انکی حکومت یا مقام سکونت سے مشرقی اور مغربی جہات مراد ہیں۔

(۸) قرآن کہتا ہے کہ ذوالقرنین کو تیسری قابلِ ذکر مہم پیش آئی اور جب وہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں دو پہاڑوں کی پھانکیں ایک درہ بناتی تھیں تو ان کے ورے اس کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو اس کی زبان وبولی سے ناواقف تھی، انھوں نے ذوالقرنین پر (کسی طرح) یہ واضح کیا کہ ان پہاڑوں

Marfat.com

کے درمیان سے نکل کر ہم کو یاجوج و ماجوج ستاتے اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں، کیا آپ ہماری اتنی مدد کرینگے کہ ہم سے مالی ٹیکس لے کر ان دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد بنا دیں، تا کہ ان کے اور ہمارے درمیان وہ حدِ فاصل ہو جائے اور روک بن جائے۔ ذوالقرنین نے کہا میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے اس کی مجھے اجرت کی ضرورت نہیں البتہ اس کے بنانے میں میری مدد کرو۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کے حکم سے لوہے کے ٹکڑے جمع کیے اور ان سے ذوالقرنین نے دونوں پہاڑوں کے درمیان ''سدّ'' بنادی اور پھر تانبا پگھلا کر اس آہنی دیوار کو مستحکم کر دیا۔

(ت۔۸) تاریخ کی ناقابلِ انکار شہادتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خورس کو جانبِ شمال میں ایک قابلِ ذکر مہم پیش آئی جس میں کاکیشیا (جبل قوقا، یا کوہِ قاف) کے پہاڑی سلسلے میں ایسے دو پہاڑوں کے قریب ایک قوم ملی جن کی پھانکوں کے درمیان قدرتی درہ تھا اور پہاڑ کی دوسری جانب سے سنتھینین قبائل کے جنگلی اور غیر مہذب لٹیرے دَل کے دَل آ کر اس قوم پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کر کے درہ کے راستہ واپس ہو جایا کرتے تھے، خورس جب اس جگہ پہنچا تو اس آبادی کے لوگوں نے حملہ اور لٹیروں کی شکایت کرتے ہوئے اس سے پہاڑوں کے درمیان سدّ (دیوار) دیوار بنا دینے کی درخواست کی، خورس نے ان کی درخواست کو منظور کیا اور لوہے اور تانبے سے ملا کر ایک سد قائم کر دی جس کو وقت کے گاگ اور میگاگ غیر مہذب (سنتھینین) قبائل اپنی درندگی اور خونخواری کے باوجود نہ توڑ پھوڑ سکے اور نہ اس کے اوپر سے اتر کر حملہ آور ہو سکے اور اس طرح پہاڑوں کے درہ کی آبادی ان کے حملوں سے محفوظ ہو گئی

اگرچہ غیر مہذب قبائل کے حملوں کے تحفظ کی خاطر دنیا کے مختلف حصوں میں ایسی متعدد چھوٹی اور بڑی ''سدّ'' (دیواریں) بنائی گئی ہیں لیکن ایسی سد جو لوہے اور تانبے سے مخلوط دو پہاڑوں کی پھانکوں کے درمیان بنائی گئی ہو خورس کی بنائی ہوئی اس سد کے سوا جو کاکیشیا (جبل قوقا) میں پائی جاتی ہے، کوئی سد اب تک دنیا میں دریافت نہیں ہوئی اس لیے دلائل کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کی سد کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں اس کے پیشِ نظر خورس ہی ذوالقرنین ہے اور درہَ داریال ہی کی سد قرآن کی تفصیلات کے مطابق ہے۔

یاجوج و ماجوج کون ہیں اور سد کی حقیقت کیا ہے، چونکہ یہ دوزیرِ تحقیق مسائل ابھی بحث مین نہین آئے اس لیے ذوالقرنین سے متعلق مطابقتِ قرآن کا یہ پہلو ہنوز تشنہ دلیل ہے۔ لہذا اسطور ذیل میں ان دونوں مسائل پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے تا کہ اصل حقیقت اپنے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے

Marfat.com

پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

یاجوج وماجوج:

ذوالقرنین کی شخصیت کو زیرِ بحث لانے کے بعد دوسرا مسئلہ یاجوج وماجوج کی تعین کا ہے۔ مفسرین اور مؤرخین اسلام نے رطب و یابس روایات کا وہ تمام ذخیرہ نقل کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ چند روایات کے علاوہ اس سلسلہ کی تمام روایات خرافات وہفوات کا مجموعہ ہیں جو عقلاً ونقلاً کسی طرح لائقِ اعتماد نہیں ہیں اور اسرائیلیات کا لایعنی طومار ہیں۔

ان تمام روایات میں قدر مشترک یہ ہے کہ یاجوج وماجوج ایک ایسے قبائل کا مجموعہ ہیں جو جسمانی اور معاشرتی اعتبار سے عجیب وغریب زندگی کے حامل ہیں مثلاً وہ بالشت ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک دراع کا قد رکھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل القامت ہیں اور ان کے دونوں کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک اوڑھنے اور دوسرا بچھانے کے کام میں آتا ہے۔ چہرے چوڑے چکلے اور قد کے ساتھ غیر متناسب ہیں، ان کی غذا کے لیے قدرت سال بھر مین دومرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں نکال کر پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس روز وشب اگر کوئی اس پر چلتا رہے تب اس فاصلہ کو قطع کرسکتا ہے یا ایک ایسا سانپ انکی خوراک ہے جو پہلے قرب وجوار کے تمام بَرّی جانوروں کو ہضم کر جاتا ہے اور پھر قدرت اس کو سمندر میں پھینک دیتی ہے اور وہ وہاں میلوں تک بحری جانوروں کو چٹ کر لیتا ہے اور پھر ایک بادل آتا ہے اور فرشتہ اس عظیم الجثہ اژدہے کو اٹھا کر اس پر رکھ دیتا ہے اور بادل اس کو ان قبائل میں لے جا کر ڈال دیتا ہے اور یہ کہ یاجوج وماجوج ایک ایسی برزخی مخلوق ہین جو آدم علیہ السلام کے سلب سے تو ہیں مگر حوّا (علیہا السلام) کے بطن سے نہیں ہیں۔

ان روایات کو نقل کرتے ہوئے یاقوت نے معجم البلدان میں یہ رائے ظاہر کی ہے:

''اور میں نے جو کچھ روایات نقل کی ہیں ان کے اختلافات کے پیشِ نظر میں کسی طرح ان کی صحت کو باور نہیں کرسکتا اور اس معاملہ کی اصل حقیقت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے اور بہر حال اس میں ذرا سا بھی شبہ نہین ہے کہ جہاں تک سد کا معاملہ ہے، اس کے صحیح ہونے میں مطلق شک کی گنجائش نہیں ہے''۔ (ج ۵ ص ۵۳)

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر البدایہ والنہایہ مین یہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور جس شخص نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یاجوج وماجوج حضرتِ آدمؑ کے ایسے نطفے سے

Marfat.com

پیدا ہوئے ہیں جو احتلام کی حالت میں نکلا اور مٹی میں رل مل گیا اور یہ مخلوق وجود میں آ گئی اور یہ حضرت حواءؑ کے بطن سے نہیں ہیں تو یہ ایک قول ہے جس کو شیخ ابو زکریا نووی نے شرح مسلم میں حکایت کیا ہے اور ان کے علاوہ علماء نے اس کی تغلیط کی ہے اور بلاشبہ یہ قول ہے اس کو صحیح نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ یہ قطعاً بے دلیل بات ہے بلکہ اس قول کے بالکل خلاف ہے جو ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ نصِ قرآن سے یہ ثابت ہے کہ کائنات کی موجودہ انسانی مخلوق کا ہر فرد حضرتِ نوحؑ کی اولاد میں سے ہے۔ اس طرح یہ قول بھی غلط اور بے دلیل ہے کہ یاجوج و ماجوج عجیب عجیب مختلف شکلوں اور متضاد قد و قامت کی مخلوق ہیں بعض ان میں سے اتنے لانبے ہیں کہ گویا کھجور کا بہت طویل درخت ہے اور بعض بہت ہی کوتاہ قامت اور بعض کے کان ایسے ہیں کہ ایک کو وہ بچھا لیتے اور دوسرے کو اوڑھ لیتے ہیں، سو یہ تمام اقوال قطعاً بے دلیل اور محض اٹکل کے تیر ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور ان ہی کی طرح شکل و صورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں۔''

اور اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ قول بلاشبہ ایک اچنبا قول ہے کہ جس کے لیے نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی اور بعض اہلِ کتاب نے جو اس سلسلہ میں حکایات بیان کی ہیں اس مقام پر کسی طرح ان پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ ان کے یہاں تو اس قسم کے من گھڑت قصوں کی کوئی کمی نہیں ہے''

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور ابن جریر نے اس مقام پر وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کی سیاحت اور سد کی تعمیر اور اس سے متعلق کیفیات کے بارے میں ایک طویل و عجیب اثر نقل کیا ہے دراصل وہ ایک طویل اور اچنبی داستان ہے اور اس میں ان (یاجوج و ماجوج) کی شکلوں و صورتوں، ان کے طویل و کوتاہ ہونے اور ان کے کانوں کے متعلق اچنبی اور غیر معقول باتیں ہیں۔''

اور حافظ ابن حجر عسقلانی عجیب و غریب قول کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

''اور شیخ محی الدین (نووی) کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت آدمؑ کی نسل سے تو ہیں مگر حضرتِ حواءؑ کے بطن سے نہیں ہیں جمہور علماء کا یہی خیال ہے اور اس طرح وہ حواؑ کے بطن سے بنی آدم کے علاتی بھائی ہیں مگر ہم نے کعب احبار کے علاوہ سلف میں سے کسی ایک شخص کو بھی اس کا قائل نہیں پایا اور اس قول کو وہ حدیثِ مرفوع قطعاً رد کرتی ہے جس میں یاجوج و ماجوج کو نوحؑ کی نسل سے بتایا گیا ہے اور حضرتِ نوحؑ بلاشبہ حضرتِ حواءؑ کے بطن سے ہیں۔''

Marfat.com

اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''اور نووی اور بعض دوسروں نے ایک ایسے شخص کی بیان کردہ حکایت کی جانب اشارہ کیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ آدمؑ خواب میں تھے کہ ایک مرتبہ ان کو احتلام ہو گیا اور ان کی قطراتِ منی مٹی میں رل مل گئے بس اس سے یاجوج وماجوج کی نسل مخلوق ہو گئی تو یہ قول ہے جو سرتاسر بے ہودہ اور بے اصل ہے اور بعض اہلِ کتاب کی حکایت کے سوائے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے''

اور حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''پھر وہ (یاجوج وماجوج) نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ اطلاع دی ہے کہ اس نے اہلِ زمین کے متعلق نوحؑ کی یہ دعا قبول کر لی (اے رب تو زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ) اور پھر حق تعالیٰ نے فرمایا (پس ہم نے اس کو اور اس کی کشتی والوں کو نجات دی) اور پھر فرمایا اور ہمنے اس کی ذریّت ہی کو باقی رہنے والوں میں چھوڑا''۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کہ قرآن عزیز ان آیات میں یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرتِ نوح کی بد دعا کے بعد بنی ادام سے حضرتِ نوحؑ اور اصحابِ کشتی یا دوسرے الفاظ میں حضرت نوحؑ کی ذریت اور چند مسلمانوں کے علاوہ کسی کو زندہ اور باقی نہیں چھوڑا اور اب دنیائے انسانی حضرت نوحؑ کی ہی اولاد ہے تو پھر یہ کہنا کہ یاجوج وماجوج بنی آدم میں سے ایک مستقل مخلوق ہے اور ذریت نوحؑ میں سے نہیں ہے قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے اور اس کی تائید میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حوّاؑ کے بطن سے نہ تھے اور اس لیے ذریتِ نوحؑ میں سے بھی نہیں تھے تو طوفانِ نوحؑ میں یہ مخلوق کہاں تھی اور نصِ قرآنی کے خلاف یہ کیسے محفوظ رہی؟

اور حضرت قتادہ سے جو منقول ہے وہ بھی اس قول کو رد کرتا ہے:

''اور عبدالرزاق نے کتاب التفسیر میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج دو قبیلے ہیں جو یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ یاجوج وماجوج حضرتِ نوحؑ کی نسل سے ہیں اور اگرچہ اس کی سند میں فی الجملہ ضعف ہے اگر اس کے مطاوع اور مؤید بعض دوسری صحیح روایات ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے بخاری کی اس مرفوع روایت کے متعلق جو حضرتِ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ خیال ظاہر کیا ہے:

''امام بخاری کی اس روایت بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کا حال بیان کیا

Marfat.com

جائے اوران کی کثرتِ تعداد کی جانب اشارہ ہے اور یہ کہ امتِ محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مقابل میں وہ ہزاروں گنا زیادہ ہیں اور یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح نسلِ آدم میں شامل ہیں، اس سے ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے جو اس کے خلاف ان کو عام انسانی مخلوق سے جدا مانتے ہیں''۔

یہ چند نقول ہیں ان محققین کے ذخیرۂ اقوال سے جو حدیث، تفسیر اور علم تاریخ کی ماہر ہستیاں ہیں۔ ان اقوال سے یہ بات قطعاً واضح اور صاف ہو جاتی ہے کہ یاجوج وماجوج عام دنیاء انسانی کی طرح رُبعِ مسکوں کے باشندے اور انکی نسل بنی آدم کی عام نسل کی طرح ہے اور وہ کوئی عجوبۂ روزگار مخلوق نہیں ہیں اور نہ برزخی مخلوق اور اس قسم کی جو روایات پائی جاتی ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ اسرائیلیات کے بے سروپا ذخیرہ کا جزو ہیں اور ان تمام روایات کا سلسلہ کعبِ احبار پر جا کر ختم ہو جاتا ہے جو یہودی النسل ہونے کی وجہ سے ان قصوں کے بہت بڑے عالم تھے اور اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے اور اس لیے کہ اس رطب ویابس میں سے جو دوراز کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں اور جن سے قرآن اور احادیث نبوی کی تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار کو جو ''غرقِ مئے ناب اولیٰ'' کا مصداق تھا اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا تھا اور اگر سلفِ صالحین اور متاخرین میں وہ بے نظیر ہستیاں نہ پیدا ہوتیں جنھوں نے روایات وحدیث کے تمام ذخیرے کو نقد وتبصرہ کی کسوٹی پر رکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا تو نہ معلوم آج اسلام کو کس قدر بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

پس اس وضاحت کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیے کہ یاجوج وماجوج کا مصداق کون سے قبائل ہیں اور ان قبائل کا کائناتِ انسانی کے ساتھ کیا تعلق رہا ہے؟ یہ مسئلہ درحقیقت ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اقوام عالم کی بہت سی قوموں پر اثر انداز ہے نیز سورۂ انبیاء کی آیت سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

بہر حال اس سے پہلے ہم اس مسئلہ پر کچھ لکھیں مقدمہ اور تمہید کے طور پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی آبادی کے تمام گوشوں میں جو چہل پہل اور رونق نظر آتی ہے اور ربع مسکوں جس طرح بنی آدم سے آباد ہے اور تمدن وحضارت کی نیرنگیوں سے گلزار بنا ہوا ہے ان کی ابتداء بدوی اور صحرائی قبائل سے ہوئی ہے اور یہی قبائل صدیاں گزر جانے اور اپنے اصل مرکز سے جدا ہو جانے کے بعد تمدن و حضارت کے بانی بنتے اور متمدن قومیں شمار ہوتے رہے ہیں۔

Marfat.com

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کی قوموں کے سب سے بڑے سرچشمے کہ جہاں سے سیلاب کی طرح امنڈ امنڈ کر انسانی آبادی پھیلی اور پھلی پھولی ہے اور مختلف ملکوں اور زمین کے مختلف خطوں میں جا کر بسی ہے صرف دو ہیں ایک حجاز اور دوسرا چینی ترکستان یا کاکیشیا کا وہ علاقہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور سطح زمین کا مرتفع اور بلند حصہ شمار ہوتا ہے

حجاز ان تمام اقوام وقبائل کا سرچشمہ ہے جو سامی النسل یا سمیٹک (Semetic) کہلاتی ہے یہ قبائل ہزاروں سال سے اس بے آب وگیاہ سرزمین سے طوفان کی طرح اٹھتے اور بگولہ کی طرح دنیا کے مختلف حصون پر پھیلتے رہے ہیں اور بدوی اور صحرائی زندگی کے گہوارہ سے نکل کر زبردست تمدن اور عظیم الشان حضارت وشہرت کے بانی قرار پائے۔

عادِ اولیٰ اور عاد، ثانیہ (ثمود) اسی سرزمین سے اٹھے اور اپنی عظیم الشان صناعی اور پرسطوت حکومت وصولت کے ذریعہ صدیوں تک تمدن وحضارت کے علمبردار رہے، جدیس، طسم اور اسی قسم کے دوسرے قبائل بھی جو آج امم بائد (ہلاک شدہ کہلاتے ہیں اسی خاک کے پروردہ تھے۔ اذواء یمن (شاہانِ حمیر) اور عمالقہ مصر وشام وعراق کے جلال وجبروت اور وسعت سلطنت کا یہ عالم تھا کہ ایک عرصہ تک فارس اور روم بلکہ ہندوستان کے بعض حصے بھی ان کے احکام کے محکوم اور انکی حکومت کے باج گذار رہ چکے ہیں۔ غرض سامی النسل اقوام وقبائل خواہ بدوی وصحرائی ہوں یا شہری ومتمدن شہری سب اسی خاکِ حجاز (عرب) کے ذرات تھے جو اپنی وسعت کے بعد آپس میں اس قدر اجنبی ہو گئے تھے کہ بدوی اور شہری بلکہ فراعنۂ مصر (عمالقہ) اور اذواء یمن (سلاطین حمیری) اور عرب مستعربہ اسمٰعیلی عربوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنی بھی مشکل ہو گئی تھی اور اگر نسلی امتیازات وخصوصیات اور زبان کی بنیادی یک رنگی انکے باہم پیوند نہ لگاتی تو تاریخ کے کسی گوشہ کی بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ ابھر کر انکی اخوت باہمی کا درس دے سکتا۔

اسی طرح قبائل واقوامِ عالم کا دوسرا سمندر اور بحرِ ناپیدا کنار چینی ترکستان اور منگولیا کا وہ علاقہ رہا ہے جو شمال مشرق میں واقع ہے اور سطح زمین کا بلند اور مرتفع حصہ ہے۔

اس مقام سے بھی ہزاروں سال کے عرصہ میں سینکڑوں قبائل اٹھے اور دنیا کے مختلف گوشوں تک پہونچے اور وہاں جا کر بس گئے۔ یہیں سے انسانوں کی موجیں اٹھیں اور وسطِ ایشیا میں جا گریں۔ یہیں سے یورپ پہنچیں اور یہیں سے ہندوستان اور شمالِ مغرب تک پھیلتی چلی گئیں۔ ہندوستان مین بس جانے والون نے اپنا تعارف آرین کے ساتھ کرایا وسطِ ایشیا میں بس جانے والوں نے ''ایریانہ''

Marfat.com

کہلا کر اپنے علاقہ کا نام ایران مشہور کیا۔ یورپ میں ہن گاتھ، ڈانڈیال وغیرہ ان ہی قبائل کے نام پڑے اور بحرِ اسود سے دریاءِ ڈینوب تک بسنے والے سنتھینین کہلائے اور یورپ اور ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر چھا جانے والے رشئین کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ قبائل جب اپنے مرکز سے چلے تھے تو صحرائی، وحشی اور بدوی تھے لیکن اپنے مرکز سے ہٹ کر جب دوسرے مقامات پر پہنچے اور تجارت و تمدن سے آشنا ہوئے یا ضرورت نے آشنا کرایا تو نئے نئے ناموں سے پکارے گئے۔ حتیٰ اپنے مرکز کی ابتدائی حالت سے اس قدر بعد ہو گیا کہ مرکز میں بسنے والے وحشی قبائل اور انکے درمیان کوئی یکسانیت باقی نہ رہی بلکہ ایک ہی اصل کی دونوں شاخیں ایک دوسرے کی حریف بن گئیں اور شہری اقوام کے لیے ان کے ہم نسل وحشی قبائل مستقل خطرہ ثابت ہونے لگے جو آئے دن شہریوں پر تاخت و تاراج کرتے اور لوٹ مار کر کے پھر اپنے مرکز کی جانب واپس ہو جاتے تھے۔

بہر حال تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں کہ عہد تاریخی کے قبل سے پانچوں صدی مسیح تک اس علاقہ سے جو آج کل منگولیا تاتار کہلاتا ہے اسی قسم کے انسانی طوفان اٹھتے رہے ہیں اور ان سے قریب اور ہمسایہ قوم "چینی" ان کے دو بڑے قبائل کو "موگ" اور "یوچی" کہتے رہے ہیں، پس یہی "موگ" ہے جو تقریباً چھ سو برس قبل مسیح یونان میں میگ اور میگاگ بنا اور عربی مین ماجوج ہوا اور غالباً یہی "یوچی" یونانی مین یوگاگ اور عبرانی اور عربی مین جوج اور یاجوج کہلایا لیکن جب یہ قبائل دنیا کے مختلف حصوں میں جا کر آباد ہوئے اور بہت سے قبائل پہلے کی طرح اپنے مرکز ہی میں وحشی اور صحرائی بنے رہے تو اس اختلافِ تمدن و معیشت نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ ان قبائل کے وحشی اور صحرائی جنگجو تو اسی طرح یاجوج (گاگ GOG) اور (ماجوج MAGOG) کے نام سے موسوم رہے مگر متمدن اور شہری قبائل نے مقامی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ساتھ اپنے ناموں کو بھی بھلا دیا اور نئے نئے ناموں سے شہرت پائی اور پھر یہ تقسیم اس طرح قائم ہو گئی کہ تاریخ کے عہد میں بھی اس کو باقی رکھا گیا اور وسطِ ایشیا کے ایرانی ایشیائی اور یوروپین روسی اور دیگر یوروپین قومیں اور ہندوستان کے آرین اصل کے اعتبار سے منگولین (یعنی موگ ماجوج اور یواگ یاجوج) نسل ہونے کے باوجود تاریخ میں ان ناموں سے یاد نہیں کیے جاتے اور یاجوج و ماجوج کا نام صرف ان ہی قبائل کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے جو اپنی گذشتہ حالتِ وحشت و بربریت اور غیر متمدن زندگی میں اپنے مرکز کے اندر موجود ہیں اور مختلف صدیوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے کے لیے اپنی ہم نسل متمدن اقوام پر حملے

Marfat.com

کرتے رہے ہیں اور ان ہی کے وحشیانہ حملوں کی حفاظت کے لیے اور مشرقی تاخت وتاراج سے بچنے کے لیے مختلف اقوام نے مختلف دیواریں اور سد قائم کین اور ان ہی میں سے ایک وہ سد ہے جو ذوالقرنین نے ایک قوم کے کہنے پر دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے سے ملا کر تیار کی تاکہ وہ یاجوج وماجوج کے مشرقی حملوں سے محفوظ ہو جائیں۔

یاجوج وماجوج کا ذکر توراۃ میں بھی ہے چنانچہ حزقیل علیہ السلام کے صحیفہ میں یوں کہا گیا ہے:

''اور خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سر زمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے سزا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں بنسیاں دیکھ مین تیرا مخالف ہوں اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار اور میں تجھے پلٹ دونگا۔

اور میں یاجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پرواہی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا۔ اور اس دن یون ہوگا کہ میں وہاں اسرائیل میں جوج کو ایک گورستان دونگا یعنی رہ گذروں کی وادی جو سمندر کے پورب ہے اور اس کے رہ گذروں کی راہ بند ہوگی اور وہ وہاں جوج کو اور اس کی جماعت کو گاڑ دیں گے اور اسے ہامون جوج کی وادی نام رکھیں گے'

ان حوالوں میں یاجوج ماجوج روش مسک اور توبال کا ذکر ہے اور ان کو خدا کا مخالف بتایا گیا ہے اور مظلوموں کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پھیرا دیگا اور ان کے جبڑوں میں بنسیاں ماریگا تاکہ وہ پلٹ جائیں اور یہ کہ قیامت کے قریب ان وحشی اور ظالم قبائل کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور ان کی موت سے عرصہ تک رہ گزروں کے لیے راہیں بند ہو جائیں گی۔

ان ناموں کی تفصیل میں توراۃ کے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ جوج سے مراد گاگ (GOG) ہے اور ماجوج سے میگاگ (MAGOG) اور روش سے (RUOSIA) اور مسک سے مراد ماسکو (MOSCOW) اور توبال سے بحر اسود کا بالائی۔۔۔۔۔۔ مراد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ توراۃ کی شہادت بھی اس سے اتفاق کرتی ہے کہ لفظ یاجوج وماجوج ان ہی قبائل کے لیے مخصوص ہو گیا تھا جو منگولیا اور کاکیشیا سے لے کر دور تک مشرق میں پھیلتے چلے گئے تھے اور یہ کہ حزقیل علیہ السلام کے زمانہ تک روس (Russia) کا علاقہ تہذیب وتمدن اور حضارت سے عاری اور وحشی قبائل کا موطن اور

Marfat.com

مسکن تھا اور قتل و غارت گری کا پیشہ کرتا تھا اور ظلم و ستم ان کا روزمرہ کا مشغلہ تھا لہٰذا حضرت حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئیوں میں یہ بشارت دی گئی کہ وہ وقت قریب ہے جب کہ ان قبائل کی تاخت و تاراج کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک کے لیے بند ہو جائے گا۔ اس پیشین گوئی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوج شمال کی جانب سے آئے گا تا کہ لوٹ مار کرے اور یہ کہ ماجوج پر اور جزیروں میں بسنے والوں پر سخت تباہی آئے گی اور یہ کہ اسرائیلی بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لینگے۔

اب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ پر یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ تقریباً ایک ہزار قبل مسیح سے بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ وحشی اور خونخوار قبائل کا مرکز بنا ہوا ہے جو مختلف ناموں کے ساتھ موسوم ہوتے رہے ہیں بالآخر ان میں سے ایک زبردست قبیلہ نمودار ہوتا ہے جو تاریخ میں سنتھینین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وسط ایشیا سے بحر اسود کے شمالی کناروں تک پھیلا ہوا ہے اور اطراف میں مسلسل حملے کرتا رہتا اور متمدن اقوام پر تباہی لاتا رہتا ہے۔ یہ زمانہ بابل و نینویٰ کے عروج اور اشوریوں کے تمدن کے آغاز کا زمانہ تھا پھر تقریباً ساڑھے چھ سو قبل مسیح میں ان کے ایک بڑے زبردست گروہ نے اپنی بلندیوں سے اتر کر ایران کا تمام مغربی حصہ تہ و بالا کر ڈالا۔

اب ۵۲۹ قبل مسیح میں سائرس (کیخسرو) کا ظہور ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب کہ اس کے ہاتھوں بابل کی تباہی، بنی اسرائیل کی آزادی اور میڈیا و فارس کی دو سلطنتوں کی ایک جا طاقت کا نظارہ سامنے آتا ہے اور ٹھیک حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئی کے خصوصی امتیازات اس کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور سنتھینین قبائل کے مغربی حملوں سے حفاظت کے لیے اس کے ہاتھوں سد قائم ہوتی ہے جس کا ذکر بار بار آ رہا ہے۔

بہر حال ان تمام تاریخی مصادر سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حزقیل علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق وہ یاجوج و ماجوج جن کی حفاظت کے لیے سائرس (ذوالقرنین) نے سد تیار کی، یہی سنتھینین قبائل تھے جو ابھی تک اپنی وحشیانہ خصائص و خصائل کے اسی طرح حامل تھے جس طرح ان کے پیش رو اپنے مرکز میں رہتے ہوئے ان امتیازات کے ساتھ یاجوج و ماجوج کہلاتے رہے تھے اور یہ دراصل ایک مزید ثبوت ہے اس دعویٰ کے لیے کہ ذوالقرنین ''سائرس'' (کیخسرو) ہی تھا۔

یاجوج و ماجوج کے متعلق جس قدر بحث اس وقت تک کی جا چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہین ہیں بلکہ دنیاء انسانی کی عام آبادی کی طرح وہ بھی حضرت نوح کی ذریت میں سے ہیں اور یہ کہ یاجوج و ماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا رہا ہے جو

Marfat.com

یورپ اور روس کی اقوام کے منبع ومنشا ہیں اور چونکہ ان کی ہمسایہ قوم ان قبائل میں سے دو بڑے قبیلوں کو موگ اور یوچی کہتی تھی اس لیے یونانیوں نے ان کی تقلید میں میک یا میگا گ اور یوگاگ کہا اور عبرانی اور عربی میں تصرف کر کے ان کو یاجوج وماجوج سے یاد کیا گیا۔

اب ان تاریخی حقائق کی تائید میں عرب مؤرخین اور محقق مفسرین ومحدثین کی تحقیق بھی قابل مطالعہ ہے تا کہ گذشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا اس کی تصویب ہو سکے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں تصریح فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: ''اور یافس تاتاریوں کا نسلی باپ ہے پس یاجوج وماجوج تاتاریوں کی ہی ایک شاخ ہیں اور یہ منگولیا کے قبائل کے منگولی ہیں اور دوسرے تاتاریوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ فسادی اور لوٹ مار مچانے والے ہیں۔''

اور اپنی تفسیر میں بھی اسی کی تائید فرماتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ قبائل یافث بن نوحؑ کی نسل سے ہیں اور ان کا مولد ووطن منگولیا کا وہی علاقہ ہے جہاں سے قوموں کے طوفان اٹھے اور اٹھکر یورپ وغیرہ میں جا کر بسے ہیں۔

اور ابن اثیر نے کامل میں یہ تحریر فرمایا ہے:۔

''یاجوج وماجوج کے متعلق مختلف اقوال ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ تاتاریوں میں ہی سے ایک قسم کے تاتاری ہیں۔ وہ بہت طاقتور ہیں اور ان میں شر وفساد کا مادہ بہت ہے اور وہ بہت بڑی تعداد رکھتے ہیں اور قرب وجوار کی زمین میں فساد پھیلاتے اور جس بستی پر قابو پا جاتے اس کو برباد کر ڈالتے تھے اور پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتے رہتے تھے''۔

اور سید محمود آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:۔

''یاجوج وماجوج یافث بن نوحؑ کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور وہب بن منبہ اسی پر یقین رکھتے ہیں اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے۔''

اور آگے چلکر تحریر فرماتے ہیں:۔

''اور بعض کہتے ہیں کہ ترک (تاتاری) ان ہی میں سے ہیں جیسا کہ ابن جریر اور ابن مردویہ نے سدی سے ایک قوی اثر نقل کیا ہے کہ ترک (تاتاری) یاجوج وماجوج کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہیں۔

اور عبد الرزاق نے حضرت قتادہ سے روایت کی ہے کہ یاجوج وماجوج بائیس قبائل کا مجموعہ

Marfat.com

ہیں۔"

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں یاجوج و ماجوج سے متعلق کچھ نقل فرمایا ہے وہ بھی نقولِ بالا ہی کی تائید کرتا ہے اور علامہ طنطاوی اپنی تفسیر جواہر القرآن میں لکھتے ہیں:۔

"یاجوج و ماجوج اپنی اصل کے اعتبار سے یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور یہ نام لفظ "اجیج النار" سے ماخوذ ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ اور شرارہ کے ہیں گویا ان کی شدت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے اور بعض اہلِ تحقیق نے ان کی اصل پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ مغلوں (منگولوں) اور تاتاریوں کا سلسلہ نسب یک شخص "ترک" نامی پر پہنچتا ہے اور یہی شخص ہے جس کو ابو الفداء ماجوج کہتا ہے پس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج سے مراد منگولین اور تاتاری قبائل ہی ہیں، ان قبائل کا سلسلہ ایشیا کے شمالی کنارہ سے شروع ہو کر تبت و چین ہوتا ہوا محیط منجمد شمالی تک چلا گیا ہے اور غربی جانب ترکستان کے علاقہ تک پھیلا ہوا ہے، فاکہۃ الخلفاء اور ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق اور رسائل اخوان الصفا، ان سب نے یہی کہا ہے کہ یہی قبائل یاجوج و ماجوج کہلاتے ہیں۔"

اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں یاجوج و ماجوج کے مستقر اور اس کی جغرافیائی حیثیت کو اس طرح واضح کیا ہے:

"ساتویں اقلیم کے نوے حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جن کو قفجاق اور چرکس کہا جاتا ہے اور مشرق کی جانب یاجوج کی آبادیاں اور ان دونوں کے درمیان کوہِ قاف حدِ فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے وہ بحرِ محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحرِ محیط (ATLANTIC) سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان "سد سکندری" واقع ہے۔ اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ "سد سکندری" ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے اور عبداللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ (خلیفہ عباسی) کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ "سد" کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافتِ حال کے لیے "سلام ترجمان" کو

Marfat.com

روانہ کیا اور اس نے واپس آ کر اسی ''سد'' کے حالات و اوصاف بیان کیے۔ اور ساتویں اقلیم کے دسویں حصہ میں ماجوج کی بستیاں ہیں جو مسلسل آخر تک چلی گئی ہیں، یہ حصہ بحرِ محیط کے ساحل پر واقع ہے جو اس کے مشرقی شمالی حصہ کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے، شمال میں تو طول میں چلا گیا ہے اور بعض مشرقی حصہ میں عرض میں گیا ہے۔''

ابن خلدون نے یاجوج و ماجوج اور سدّ متعلق اسی طرح اقلیم رابع، اقلیم خامس اور اقلیم سابع کی بحث میں بھی ضمناً بیان کیا ہے بلکہ اقلیم رابع میں یہ بھی تصریح ہے۔

''اور اقلیم رابع کے جزء عاشر کا ایک حصہ بحرِ محیط کے اوپر واقع ہے اور یہ جبل یاجوج و ماجوج ہے اور یاجوج و ماجوج تمام قبائل ترک ہیں۔''

گذشتہ بحث میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ منگولیا یا کا کیشیا کے یہ قبائل جب تک اپنے مرکز میں رہتے ہیں یاجوج و ماجوج کہلاتے ہیں اور جب وہاں سے نکل کر کہیں بس جاتے اور صدیوں بعد متمدن ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اس نام کو بھلا دیتے ہیں اور دوسرے بھی ان کو اس وحشیانہ امتیاز سے یاد نہیں کرتے کیوں کہ پھر یہ اپنے مرکز سے اس قدر اجنبی ہو جاتے ہیں کہ مرکز کے وحشی قبائل ان کو بھی اپنا حریف بنا لیتے اور ان پر غارت گری کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی اپنے ہی ہم نسل مرکزی وحشی قبائل سے اس طرح خوف کھانے لگتے ہیں جس طرح دوسرے قبائل، چنانچہ اس مسئلہ کی تائید حافظ عماد الدین ابن کثیر کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

''سدین سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان کے درمیان شگاف ہے اسی شگاف سے یاجوج و ماجوج ترکوں کے شہروں پر آ پڑتے اور ان میں فساد مچا دیتے اور کھیتوں اور نسلوں کو ہلاک اور برباد کر ڈالتے تھے۔''

یعنی یاجوج و ماجوج بھی اگرچہ منگولی (تاتاری) ہیں مگر پہاڑوں کے درّے جو تاتاری قبائل اپنے مرکز سے ہٹ کر آباد ہو گئے تھے اور متمدن بن گئے تھے ہم نسل ہونے کے باوجود دونوں مین اس قدر تفاوت ہو گیا کہ ایک دوسرے سے نا آشنا بلکہ حریف بن گئے اور ایک ظالم کہلائے اور دوسرے مظلوم اور ان ہی قبائل نے ذوالقرنین سے سد بنانے کی فرمائش کی۔

اور بعض عرب مؤرخین نے تو ''ترک'' کی وجہ تسمیہ ہی یہ بیان کر دی کہ یہ وہ قبائل ہیں جو یاجوج و ماجوج کے ہم نسل ہونے کے باوجود سدّ سے ورے آباد تھے اور اس لیے جب ذالقرنین نے سد قائم کی اور ان کو اس مین شامل نہیں کیا تو اس چھوڑ دیے جانے کی وجہ سے وہ ''ترک'' کہلائے۔

Marfat.com

یہ وجہ تسمیہ اگر چہ ایک لطیفہ ہے تاہم اس امر کا ثبوت ضرور بہم پہنچاتی ہے کہ متمدن قبائل تمدن وتجارت کے بعد اپنے ہم نسل مرکزی قبائل سے اجنبی ہو جاتے تھے اور وہ یاجوج و ماجوج نہیں کہلاتے تھے اور لفظ یاجوج و ماجوج صرف ان ہی قبائل کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں جو اپنے مرکز میں سابق کی طرح ہنوز وحشت و بربریت اور درندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

سَدّ:

یاجوج و ماجوج کے اس تعین کے بعد دوسرا مسئلہ ''سد'' کا سامنے آتا ہے یعنی وہ ''سد'' کس جگہ واقع ہے جو ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے فتنہ وفساد کو روکنے کے لیے بنائی اور جس کا ذکر قرآنِ عزیز مین بھی کیا گیا ہے۔

تعین سد سے پہلے یہ حقیقت پر نظر رہنی چاہیے کہ یاجوج و ماجوج کی تاخت وتاراج اور شر و فساد کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ایک طرف کاکیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم سے نالاں تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ان کی شمالی دستبرد سے محفوظ نہ تھے اس لیے صرف ایک ہی غرض کے لیے یعنی قبائل یاجوج و ماجوج کے شر وفساد اور لوٹ مار سے بچنے کے لیے مختلف تاریخی زمانوں متعدد ''سد'' تعمیر کی گئیں۔ ان مین سے ایک ''سد'' وہ ہے جو دیوارِ چین کے نام سے مشہور ہے، یہ دیوار تقریباً ایک ہزار میل طویل ہے، اس دیوار کو منگولی اتکودہ کہتے ہیں اور ترکی میں اس نام بوقورقہ ہے۔

دوسری سد وسطِ ایشیا میں بخارا اور ترمز کے قریب واقع ہے اور اس کے محلِ وقوع کا نام دربند ہے، یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ مین موجود تھی اور شاہِ روم کے ندیم خاص سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب مین کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلاچو نے بھی اپنے سفر نامہ میں کیا ہے، یہ ۱۴۰۳ء مین اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور صاحبقراں کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس جگہ سے گذرا ہے، وہ کہتا ہے کہ باب الحدید کی ''سد'' موصل کے اس راستے پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے۔

تیسری ''سد'' روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے، یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مؤرخین اس کو ''الباب'' بھی لکھ دیتے ہین، یاقوت حموری نے معجم البلدان میں، ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف مین اس کے حالات کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے:۔

Marfat.com

''داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے، یہ شہر بحرِ خزر (کاسپین) غربی کے کنارہ واقع ہے، اس کا عرض البلد ۳-۴۳ شمالاً اور طول البلد ۱۵-۴۸ شرقاً ہے اور اس کو دربند انوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے اور اس کے اطراف و جوانب کو قدیم زمانہ سے چہار دیوار گھیرے ہوئے ہیں جن کو قدیم مؤرخین ابواب البانیہ کہتے ہیں اور اب یہ خستہ حالت میں ہے اور اس کو باب الحدید اس لیے کہتے ہین کہ اس کی سد کی دیواروں میں لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے۔''

اور جب اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں بڑھتے ہیں تو ایک درّہ ملتا ہے جو درۂ داریال کے نام سے مشہور ہے اور یہ کاکیشیا کے بہت بلند حصوں سے گزرا ہے یہاں ایک چوتھی سد ہے جو قفقاز یا جبلِ قوقایا جبلِ قاف کی سد کہلاتی ہے اور یہ سد دو پہاڑوں کے درمیان بنائی گئی ہے۔ بستانی اس کے متعلق لکھتا ہے:

اور اسی کے قریب ایک اور ''سد'' ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہلِ فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیون کہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی اور بعض نے کسریٰ و نوشیرواں کی جانب اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تیار کی گئی ہے۔

اور انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی ''دربند'' کے مقالہ می اس آہنی دیوار کا حال قریب قریب اسی کے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لیے بنائی گئی ہیں، اس لیے ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد کے تعین میں سخت اشکال پیدا ہو گیا ہے اور اسی لیے ہم مؤرخین میں اس مقام پر سخت اختلاف پاتے ہین اور اس اختلاف نے ایک دلچسپ صورت اختیار کر لی ہے اس لیے کہ دربند کے نام سے دو مقامات کا ذکر آتا ہے اور دونوں مقامات مین سد یا دیوار بھی موجود ہے اور غرضِ بنا بھی ایک ہی نظر آتی ہے۔

تو اب دیوارِ چین کو چھوڑ کر باقی تین دیواروں کے متعلق قابلِ بحث یہ بات ہے کہ ذوالقرنین کی سد ان تینوں میں سے کون سی ہے اور اس سلسلہ مین جس دربند کا ذکر آتا ہے وہ کون سا ہے۔ مؤرخینِ عرب مین مسعودی، قزوینی، اصطخری، حموی سب اسی دربند کا ذکر کر رہے ہیں جو بحرِ خزر پر واقع ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے بھی دیوار ملتی ہے، اور شہر کے بعد بھی دیوار ہے اگرچہ ایک دیوار چھوٹی ہے اور دوسری بڑی، مگر شہر، سد یا دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور ایران کے

Marfat.com

لیے یہ مقام خاص اہمیت رکھتا ہے اور دیوار سے پرے بسنے والے قبائل کی زد سے بچا تا ہے، البتہ ابو الضیاء اور بعض اس سے ناقل مؤرخین کو یہ غلطی ہوگئی کہ انھوں نے بخارا اور ترمذ کے قریب دربند کو اور بحرِ خزر کے قریب دربند کو ایک سمجھ کر ایک کے حالات کو دوسرے کے ساتھ خلط کر دیا ہے۔

مگر ادریسی نے دونوں کی جغرافیائی حالت کو مفصل اور جدا جدا بیان کر کے اس خلط کو دور کیا اور اصل کو بخوبی واضح کر دیا۔

اس کے باوجود حال کے بعض اہلِ قلم کو اس غلطی پر اصرار ہے کہ سد ذوالقرنین یا سد سکندری کے سلسلہ مین جس سد کا ذکر آتا ہے اس سے بحرِ خزر یا بحر قزوین کا دربند مراد نہیں ہے بلکہ بخارا اور ترمذ کے قریب جو دربند حصار کے علاقہ میں واقع ہے وہ مراد ہے۔

بہر حال یہ مؤرخین بحرِ خزر اور کاکیشیا کے علاقہ دربند (باب الابواب) کی دیوار کے متعلق یہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن عزیز میں جس سد کا ذکر ہے وہ یہی ہے مگر یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ کوئی اس کو سد سکندری کہتا ہے اور کوئی سد نوشیروانی غرض دربند کے متعلق جب بھی مؤرخین کو خلط ہو جاتا ہے تو کوئی نہ کوئی محقق اس کو دور کر کے یہ ضرور واضح کر دیتا ہے کہ سد ذوالقرنین کا تعلق اس دربند سے ہے جو کاکیشیا میں بحر خضر کے کنارے واقع ہے، اس دربند سے نہیں ہے جو بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے۔

چنانچہ وہب بن منبہ فرماتے ہیں:۔

قرآن عزیز میں جو "بین السدین" آیا ہے تو سدین سے مراد جبلین ہے یعنی دو پہاڑ کہ جن کے درمیان سد قائم کی گئی ہے، پہاڑ کی یہ دونوں چوٹیاں بہت بلند ہیں اور ان کے پیچھے بھی آبادیاں ہیں اور ان کے سامنے بھی اور یہ دونوں منگولین سرزمین کے اس آخری کنارے پر واقع ہیں جو آرمینیہ اور آذربائجان کے متصل ہے۔

اور علامہ ہروی فرماتے ہیں:۔

یہ دو پہاڑ کے جن کے درمیان ذوالقرنین کی سد قائم ہے تاتاری قبائل کے درے واقع ہیں (یعنی سد انکو اس جانب آنے سے روکنے کے لیے بنائی گئی ہے)

اور امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

"زیادہ صاف بات یہ ہے کہ ان دو پہاڑوں کا جاء وقوع جانبِ شمال میں ہے اور (تعین میں) بعض نے کہا ہے کہ وہ دو پہاڑ آرمینہ اور آذربائجان کے درمیان واقع ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ

Marfat.com

تاتاری قبائل کی سرزمین کا جو آخری کنارہ ہے وہاں واقع ہیں۔

اور طربی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ شاہِ آذر بائجان نے جب کہ وہ اس کو فتح کر چکا تھا ایک شخص کو خزر (بحرِ فردین) کے اطراف سے بلایا کہ وہ صاحبِ آذر بائجان کو بالمشابہ سد کے حالات سنائے، اس نے بتایا کہ وہ پہاڑوں کے درہ مین ایک بلند سد ہے اور اس کے اس جانب ایک بہت بڑی خندق ہے جو نہایت گہری ہے۔

اور ابنِ خرداد نے کتاب المسالک والممالک میں بیان کیا ہے کہ واثق باللہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ گویہ اس نے اس سد کو کھول ڈالا ہے، اس خواب کی بناء پر اس نے اپنے بعض عمال کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجا تا کہ وہ اس کا معائنہ کریں سو یہ لوگ باب الابواب سے آگے بڑھے اور ٹھیک سد کے مقام پر پہنچ گئے انھوں نے واثق باللہ سے آکر بیان کیا کہ یہ سد لوہے کے ٹکروں سے بنائی گئی ہے جس میں پگھلا ہوا تانبا شامل کیا گیا ہے اور اس کا آہنی دروازہ مقفل ہے پھر جب انسان وہاں سے واپس ہوتا ہے تو راہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو ثمر قند کے محاذات میں واقع ہیں۔''

ابوریحان بیرونی کہتے ہیں کہ اس تعارف کا مقتضایہ ہوا کہ وہ زمین کے ربعِ شمال مغربی میں واقع ہے۔

اور سید محمود آلوسی روح المعانی لکھتے ہیں:۔

یہ دو پہاڑ ارض متعین جہت شمال میں واقع ہیں اور کتاب حزقیل علیہ السلام میں حرج کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ وہ شمال کی جانب سے آخری دنوں میں آئین گے اس سے بھی یہی مراد ہے اور کاتب چلپی کا میلان بھی اسی جانب ہے اور بعض کہتے ہین کہ اس سے آرمینہ اور آذر بائجان کے پہاڑ مراد ہیں، اور قاضی بیضاوی کی رائے بھی یہی ہے اور بعض نے تو یہان تک کہہ دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی روایت ہے اگرچہ اس قول کا تعاقب کیا گیا ہے اور اسکی صحت میں کلام ہے، ان اقوال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس کا مصداق باب الابواب (دربند بحر قزوین) ہے حالانکہ ان ہی مؤرخین کے نزدیک اس کا بانی کسریٰ نوشیرواں ہے۔

اور ابن ہشام ''ترک'' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت مسلمان ہوگئی تھی۔ اس لیے جب ذوالقرنین نے آرمینہ میں (یعنی ان پہاڑوں میں جو آرمینہ سے آگے دور تک چلے گئے ہیں) سد بنانی شروع کی تو ان کو سد کے اس جانب چھوڑ دیا پس اس سے ترک کرنے

Marfat.com

پروہ ''ترک'' کہلائے ''ترکھم فسمو االترك لذلك''

اور حضرتِ استاذ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (نور اللہ مرقدہ) عقیدۃ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں:-

''قرانِ عزیز نے ذوالقرنین کے تیسرے سفر کی جہت کا ذکر نہیں کیا اور قرینہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شمال کی جانب تھا اور اسی جانب اس کہ سد ہے جو قفقاز کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، اور جس غرض کے لیے ذوالقرنین نے سد بنائی تھی اس غرض کے لیے اور بادشاہون نے بھی سد تعمیر کی ہیں۔ مثلاً چینیوں نے دیوارِ چین بنائی، جس کو منگولین انکورہ اور ترک بوقور کہ کہتے ہیں صاحبِ ناسخالتواریک نے اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور اسی طرح بعض عجمی بادشاہون نے دربند (باب الابواب) کی سد کی تعمیر کی اور سد بھی ہین جو شمال کی جانب ہیں۔

اور انسائکلو پیڈیا آف اسلام میں کاکیشیا کے علاقہ یا بحرِ قزوین کے کنارہ واقع دربند (باب الابواب) کے متعلق جو مقالہ ہے اس میں تحریر ہے:-

یہاں جو دربند ہے یزدگرد اول نے دوبارہ صاف کرایا اور اس کی مرمت کرائی، اس دیوار کو سکندرِ اعظم کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

اور دوسری جگہ بحرِ خزر کے متعلق تحریر ہے:-

''رسالۂ اخوان الصفا میں جو بحرِ یاجوج و ماجوج کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد بحرِ کاسپین یعنی بحرِ خزر ہے۔''

پس عرب مؤرخین، محدثین، مفسرین، محققین تاریخ کے حوالجات سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:-

(۱) کوئی ایک مؤرخ بھی یہ صراحت نہین کرتا کہ دربند ضلع حصار کی سد ''سدِ سکندری'' ہے۔

(۲) ابولفداء اور بعض مؤرخین کو دربند کے متعلق یہ خلط ہو گیا ہے کہ بحرِ قزوین والے دربند کا ذکر شروع کرتے ہیں اور پھر ترمذ و بخارا والے دربند (حصار) کے ساتھ اس کو ملا دیتے ہیں، اور دونوں کے درمیان امتیاز کرنے سے قاصر رہے ہیں

(۳) باقی تمام محققین مؤرخین ہوں یا محدثین و مفسرین امتیاز کے ساتھ یہ تصریح کر رہے ہین کہ جو سد ''سدِ سکندری'' کے نام سے مشہور ہے وہ وہی ہے جو بحرِ قزوین کے قریب دربند (باب الابواب) میں واقع ہے۔

Marfat.com

چنانچہ انسائیکلو پیدیا برٹانیکا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اور دائرۃ المعارف بستانی مین بھی (جو کہ جدید وقدیم تحقیق کا ذخیرہ ہیں) یہی ہے۔ حتیٰ کہ برٹانیکا جلد ۱۳ ص ۵۲۶ طبع یازدہم میں جو در بند ضلع حصار کا مختصر حال بیان کیا ہے اس میں بھی اس سد کو سدِ سکندری نہیں بتایا بلکہ اس کے برعکس بحر قزوین والے در بند کی سد کے متعلق یہ کہا کہ اس کی نسبت سکندر کی جانب کی جاتی ہے اور اس لیے سد سکندری کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) وہب بن منبہ ابو حیان اندلسی صاحبِ ناسخ التواریخ (جو ایران کا درباری مؤرخ ہے) بستانی اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہؒ نے در بند ''بحر قزوین'' کے متعلق یہ توجہ دلائی ہے کہ سد ذوالقرنین اس در بند بحر قزوین مین نہیں ہے بلکہ اس سے بھی اوپر قفقاز کے آخری کنارہ پر پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، چانچہ مولانا ابوالکلام نے اپنی تفسیر میں اس درہ داریال کے نام سے ذکر کیا ہے۔

اب ان چاروں باتوں سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کر لیجئے اور اس مسئلہ میں بھی سابق کی طرح قرآن عزیز ہی کو حَکَم بنایئے تا کہ معاملہ واضح سے واضح تر ہو جائے۔

سدِ ذوالقرنین کے متعلق قرآن عزیز نے دو باتیں صاف صاف بیان کی ہیں: ایک یہ کہ وہ سدّ دو پہاروں کے درمیان تعمیر کی گئی ہے اور اس نے پہاڑوں کے درمیان اس ''درہ'' کو بند کر دیا ہے جہاں سے ہو کر یاجوج و ماجوج اس جانب کے بسنے والوں کو تنگ کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں تک کہ جب ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو ان دونوں کے اس طرف ایک ایسی قوم کو پایا جن کی بات وہ پوری طرح نہیں سمجھتا تھا، وہ کہنے لگے، اے ذوالقرنین بلاشبہ یاجوج و ماجوج اس سر زمین مین فساد مچاتے ہیں

دوسرے یہ کہ وہ سد چونے یا اینٹ گارے سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ لوہے کے ٹکڑوں سے تیار کی گئی ہے جس مین تانبا پگھلا ہوا شامل کیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مین تمھارے اور ان کے (یاجوج و ماجوج کے) درمیاں ایک موٹی دیوار قائم کر دوں گا تم میرے پاس لوہے کے ٹکرے لا کر دو یہاں تک کہ پہاڑ کے دونوں پھانکوں (چوٹیوں) کے درمیان جب دیوار کو برابر کر دیا تو اس نے کہا کہ دھونکو، یہاں تک کہ جب دھونک کر اس کو آگ کر دیا، کہا لاؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ کہ اس پر ڈالوں۔

قرآنِ عزیز کی بتائی ہوئی ان دونوں صفات کو سامنے رکھ کر اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ بغیر کسی تاویل کے ان کا مصداق کون سی سدّ ہو سکتی ہے اور کس سد پر یہ صفات ٹھیک ثابت آتی ہیں۔

Marfat.com

سب سے پہلے ہم اس سد پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو دربند (حصار) میں واقع ہے۔ اس سد کے حالات ساتویں صدی کے ایک چینی سیاح نے ہی نہیں بیان کیے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، شاہ رُخ کے جرمنی مصاحب سیلد برجر اور ہسپانوی سفیر کلاقچو نے بھی پندھرویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انھوں نے بھی یہ کہا ہے کہ یہاں آہنی پھاٹک لگے ہوئے ہیں، مگر مؤرخین یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ سد (دیوار) پتھر اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے اور آہنی دروازہ کے علاوہ دیوار کسی بھی جگہ لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی نہیں ہے اور لوہے کے پھاٹکوں کی وجہ سے اس کو بھی اسی طرح درہ آہنی کہتے ہیں جس طرح دربند (بحرِ قزوین) کو درہ آہنی کہا جاتا ہے۔

نیز یہ دیوار جس طرح پہاڑوں کے درمیان میں چلی گئی ہے اسی طرح اس کا ایک حصہ سطح زمین پر بھی بنایا گیا ہے، ایسا نہیں کہ وہ صرف دو پہاڑوں کی پھانکوں (چوٹیوں) کے درمیان ہی میں قائم کی گئی ہو۔

پس اس دیوار کو سدِ ذوالقرنین کہنا قرآنی تصریحات کے قطعاً خلاف ہے اور غالباً اسی وجہ سے کسی ایک مؤرخ نے بھی (جو کہ دربند) حصار اور دربند (بحرِ قزوین) کے درمیان امتیاز کر سکے ہیں، اس دیوار (سد) کو سدِّ ذوالقرنین یا سدِّ سکندری نہیں کہا۔

مگر تعجب ہے محترم مدیر صاحب صدق سے کہ انھوں نے قرآنی تصریحات کو سامنے رکھے بغیر تمام مؤرخین کے خلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ دربند (حصار) کی دیوار (سد) ''سد سکندری'' یعنی سد ذوالقرنین ہے شاید وہ اس جدت کے لیے اس لیے مجبور ہوئے ہیں کہ ایک تو ان کا مسلک یہ ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے اور دوسرے اس جانب میں سکندر کی فتوحات کی آخری حد اسی علاقہ تک ہے جیسا کہ ۱۸ اگست ۱۹۴۲ء کے صدق کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔

''سکندرِ اعظم اپنی تیسری فوج کشی میں اسی علاقہ تک گیا تھا۔''

ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کی صراحت کے بعد وہ مجبور ہیں کہ دربند (حصار) کی سد ہی سدِّ ذوالقرنین تسلیم کریں۔ مگر اس سے زیادہ یہ ظاہر ہے کہ اس سد پر نہ قرآنِ عزیز کی بیان کردہ صفات ہی کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ کوئی مؤرخ ہی اس کو سدِّ سکندری یا سد، ذوالقرنین کہتا ہے اور بالفرض اگر اس کو سکندر کی تعمیر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی وہ سدِ ذوالقرنین کسی طرح نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ قرآنی صفات کے مطابق نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا نمبر دربند (بحرِ قزوین) کی دیوار (سد) کو زیرِ بحث لانے کا ہے، اس کے

Marfat.com

متعلق یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کو عرب باب الابواب اور الباب کہتے ہیں اور اہلِ فارس دربند اور درہ آہنی نام رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بڑی کثرت سے مؤرخین اس دربند کی دیوار (سد) کو "سدِ سکندری" کہتے چلے آئے ہیں مگر محققین یہ بھی کہتے چلے آئے ہیں کہ بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہے البتہ اس کو سد سکندری بھی کہہ دیتے ہیں اور کاکیشین دال (کاکیشیا کی دیوار) اور دیوارِ نوشیرواں بھی۔

لیکن ہم "اس بحث کو مؤخر کرتے ہوئے کہ اس کے متعلق یہ اضطراب بیانی کیوں ہے" اس سد کو سد ذوالقرنین جب ہی مان سکتے ہیں کہ یہ قرآنِ عزیز کے بیان کردہ ہر دو صفات کے مطابق پوری اترے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ اس دیوار کہ عرض وطول اور اس کے حجم کی تفصیلات دیتے ہوئے تمام مؤرخین یہ تسلیم کرتے ہین کہ اس دیوار کا بھی بہت بڑا حصہ سطح زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اور آگے بڑھ کر پہاڑ پر بھی بنایا گیا ہیاور ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہین کہ اگرچہ یہ دیوار بعض جگہ دوہری بھی ہے اور اس میں متعدد لوہے کے پھاٹک بھی ہیں جن مین سے بعض بعض پہاڑوں کے درمیان قائم ہیں اور پہاڑوں پر اس کے استحکامات بھی بہت ہیں تاہم یہ دیوار لوہے کے ٹکڑوں اور تانبے سے نہیں بنائی گئی بلکہ عام دیواروں کی طرح پتھر اور چونا ہی سے بنائی گئی ہے اس کا بانی کوئی شخص بھی ہو اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اب اس کو "سدِ سکندری" کہنا سو ہمیں اس سے انکار کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اگر تاریخی حقائق اس دعویٰ کا ساتھ دیتے مگر حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی مؤرخین جب سکندر مقدونی کا ذکر کرتے اور اس کی وسعتِ فتوحات کو زیرِ بحث لاتے ہیں تو ان میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ سکندرِ اعظم کاکیشیا تک پہنچا ہے اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد کے

"لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلم بند کر دیے ہیں اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا تو پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابلِ اطمینان تسلیم کر لی جائیں۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سکندرِ اعظم کی جانب یہ انتساب صحیح ہے۔"

امریکہ کے ایک مشہور جغرافیہ داں کریم (CRAM) نے اپنے جغرافیہ کریمس یونیورسل اٹلس (CRAMES UNIWERSAL AITLAS) میں سکندرِ اعظم کی سلطنت ۳۳۱-۳۸۱ ق م قیام کا جو مکمل نقشہ تیار کیا ہے اس میں بھی کاکیشیا کا علاقہ اس کی فتوحات سے سیکڑوں میل دور نظر آتا ہے۔

بہر حال اکثر مؤرخین تو اس کا بانی نوشیرواں کو بتاتے ہیں اور جوزیفس سکندر کو اس کا بانی

Marfat.com

قرار دیتا ہے مگر بیان کردہ تاریخی حقائق کے پیشِ نظر نہ تو نوشیرواں کی نسبت صحیح ہے اور نہ سکندر اعظم کی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی کی نسبت بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس کو سد ذوالقرنین کہنا حقائقِ قرآنی سے آنکھیں بند کر لینا ہوگا، پس دربند (بحرِ خزر) دونوں کی ''سد'' سد ذوالقرنین نہیں ہے۔

تیسری قابلِ ذکر وہ سد ہے جو دربند (قزوین) یا کاسپین دال کے مغرب جانب میں ایک درہ کو بند کرتی ہے، یہ درہ بند سے مغرب کی جانب کا کیشیا کے اندرونی حصوں میں آگے بڑھتے ہوئے ملتا ہے اور درۂ داریال کے نام سے مشہور ہے اور قفقاز اور تفلس کے درمیان واقع ہے، یہ درہ کا کیشیا کے بہت بلند حصوں سے ہوکر گذرا ہے اور قدرتی طور پر پہاڑ کی دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے، اس کو فارسی میں درۂ آہنی اور ترکی میں دامر کپو کہتے ہیں

اس درہ کے متعلق گذشتہ صفحات میں امام رازی کی تفسیر سے اس تشریح کے بعد یہ دو پہاڑ جنکے درمیان سد واقع ہے ''قفقاز میں ہے'' ہم ابن خرداد کی کتاب المسالک کا یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ واثق باللہ نے جب اپنے خواب کی تعبیر کے پیشِ نظر سد، ذوالقرنین کی تحقیق کے لیے تحقیقاتی وفد (ریسرچ کمیشن) مقرر کیا اور اس نے باب الابواب (دربند) سے آگے چل کر جب اس کا مشاہدہ کیا ہے تو یہ تصریح کی ہے کہ یہ دیوار تمام کی تمام لوہے اور پگھلے ہوئے تانبے سے بنائی گئی ہے، اصل الفاظ یہ ہیں: ان ابو الاتمق باللہ رای فی اتمام کاتہ فتح ھذالروم فبعث الخدم اللہ لھانو فخر جومن باب الالواب حتی وصلواللہ و شاھدده فوصفو اانه بنائق لبن من حدید شدود بالخاص الحذاب وعلیہ باب تعفل

پس جب کہ آج کے مشاہدہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ داریال کا یہ درہ پہاڑوں کی دو چوٹیون کے درمیان گھرا ہوا ہے اور تاریخی حقائق بھی اس کو تسلیم کرتے اور واضح کرتے ہیں۔ نیز واثق باللہ کے کمیشن نے اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا ہیکہ یہ دیوار لوہے سے اور پگھلے ہوئے تانبے سے تیار کی گئی ہے، بلاشبہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ یہی دیوار سدِ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآنِ عزیز نے سورۂ کہف میں کیا ہے کیوں کہ قرآنِ عزیز کے بتائے ہوئے دونوں وصف صرف اسی دیوار پر منطبق ہوتے ہیں، اسی لیے وہب، ابو حیان، ابن خرداد، علامہ انور شاہ اور مولانا آزاد جیسے محققین کی یہی رائے ہے، کہ سدِ ذوالقرنین قفقاز کے اسی درہ کی سد کا نام ہے۔

ان تصریحات کے بعد اب ہم کو کہنے دیجیے کہ درۂ داریال کی یہ سد سائرس (گورش یا کیخسرو

Marfat.com

کی تعمیر کردہ ہے اور جیسا کہ ہم یاجوج وماجوج کی بحث میں بیان کر چکے ہیں، یہ ان وحشی قبائل کے لیے اس نے بنائی تھی جو کاکیشیا کے انتہائی علاقوں سے آ کر اور اس درہ میں سے گذر کر قفقاز کے پہاڑوں کے اس طرف بسنے والوں پر لوٹ مار مچاتے تھے اور یہ وہی سنتھینین قبائل تھے جو سائرس کے زمانہ میں حملہ آور ہو رہے تھے اور اس وقت کے یاجوج وماجوج کا مصداق یہی قبائل تھے اور ان ہی کی روک تھام کی ضرورت سے سائرس نے ایک قوم کی شکایت پر یہ ''سد'' تیار کی اور ارمنی نوشتوں میں اس سد کا جو قدیم نام ''پھاک کورائی'' (کور کا درہ) لکھا چلا آتا ہے، اس کور سے مراد غالباً گورش ہے جو سائرس ہی کا فارسی نام ہے۔

اور اس کے قریب دربند (بحر خزر) کی دیوار اس کے بعد اسی غرض سے کسی دوسرے بادشاہ نے بنوائی ہے اور نوشیرواں نے اپنے زمانہ میں اس کو دوبارہ صاف اور درست کرایا ہے جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے حوالہ سے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

اور ان تینوں دیواروں (سد) میں سے سکندر کی بنائی ہوئی کوئی ایک سد بھی نہیں ہے اس لیے کہ سکندر کی فتوحات کی تاریخ جو کہ سامنے ہے اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سکندر کو اس غرض کے لیے کسی سد قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو کیوں کہ اس کی حکومت کے سارے دور میں یاجوج و ماجوج قبائل کا کوئی حملہ تاریخ میں موجود نہیں ہے اور نہ دربند (حصار) تک پہنچنے پر کسی قوم کا اس قسم کے وحشی قبائل سے دوچار ہونا اور سکندر سے اس کی شکایت کرنا تاریخی حقائق میں کہیں نظر آتا ہے۔

البتہ یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ آخر دربند (بحر قزوین یا بحر خزر) کی دیوار کے متعلق سد سکندری کیوں مشہور ہوا سو اس مسئلہ کے تمام حقائق کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد با آسانی اس کا یہ حل سمجھ میں آجاتا ہے کہ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق یہود کی مذہبی روایات سے بہت زیادہ وابستہ ہے اور اسی لیے یہود کے سوال پر قرآن عزیز نے بھی اس کا ذکر کیا ہے تو اس بدعت اور غلط انتساب کی ابتدا بھی وہیں سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے جوزیفس نے اس کے متعلق یہ بلا دلیل بیان کیا کہ یہ سد سدِ سکندری ہے اور وہیں سے یہ روایت چل گئی اور مؤرخین اسلام میں سے محمد بن اسحٰق نے بھی چونکہ سکندر یونانی کو ذوالقرنین بتایا اس لیے مسلمانوں نے بھی اس سد کو سد سکندری کہنا شروع کر دیا اور آخر کار اس انتساب نے شہرت حاصل کر لی۔

مذکورہ بالا سد کے متعلق اگرچہ اکثر عرب مؤرخین یہی کہتے جاتے ہیں کہ وہ نوشیرواں کی بنائی ہوئی ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کے بانی کا صحیح علم حاصل نہیں ہوسکا البتہ تاریخی قیاسات سے

Marfat.com

یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اس کی مرمت اور درستی نوشیرواں نے اپنے زمانہ میں کرائی ہو اور اسی وجہ سے وہ نوشیرواں کی جانب منسوب کردی گئی ہو۔

بہر حال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس سد کو سدِ سکندری کہنا ایک افواہی انتساب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا نیز سکندر مقدونی جو انگریزی تاریخوں میں گریٹ الیگزینڈر کہا جاتا ہے، کسی طرح ذوالقرنین نہیں ہوسکتا اور نہ سد ذوالقرنین سے اس کا کوئی تعلق ہے

یاجوج وماجوج کا خروج:

ذوالقرنین یاجوج وماجوج اور سد کی بحث کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ یاجوج وماجوج کے اس خروج کا ہے جس کا ذکر قرآن عزیز نے کیا ہے اور اس مسئلہ کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق علاماتِ قیامت سے ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ خروجِ یاجوج وماجوج کا مسئلہ کہ جس کی خبر قرآن عزیز نے بطور پیشین گوئی کی ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ جس کو محض ظنی قیاسات سے حاصل کرلیا جائے اور جب کہ اس مسئلہ کا تعلق قرآن عزیز کے "اخبارِ مغیبات" سے ہے تو پھر اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بھی قرآن عزیز ہی کو پہنچتا ہے نہ کہ ظن وتخمین کو، قرآن عزیز نے اس واقعہ کو سورہ کہف اور سورۂ انبیاء میں بیان کیا ہے اور اس مسئلہ سے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ صرف ان دو صورتوں میں مذکور ہے۔

سورۂ کہف میں یہ واقعہ اسطرح مذکور ہے:

پس نہیں طاقت رکھتے وہ (یاجوج وماجوج) اس سد پر چڑھنے کی اور نہ وہ اس میں سوراخ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں (ذوالقرنین) نے کہا یہ میرے پروردگار کی رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو گرا کر ریزہ ریزہ کردیگا اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے۔

سورۂ انبیاء میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ زمین کی بلندیوں سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے اور خدا کا سچا وعدہ قریب آجائے تو اس وقت اچانک ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور پکار اٹھینگے، ہائے کمبختی ہماری کہ ہم بے خبر رہے۔

ان دونوں مقامات میں قرآن عزیز نے یہ تو بتایا ہے کہ جس زمانہ مین ذوالقرنین نے یاجوج وماجوج پر سد قائم کی تو اس کے استحکام کی یہ حالت تھی کہ یہ قومیں نہ اس کو پھاند کر اس جانب آسکتی تھیں اور نہ اس میں سوراخ پیدا کر کے اس کو عبور کرسکتی تھیں اور اس سد کی اس مضبوطی اور پائداری کو دیکھ کر

Marfat.com

ذوالقرنین نے خدائے تعالیٰ کا شکرادا کیا اور یہ کہا کہ یہ سب کچھ خدا کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے مجھ سے یہ نیک خدمت کرادی۔

اور دوسری بات یہ بیان کی ہے کہ جب قیامت کا زمانہ قریب ہوگا تو یاجوج وماجوج بے شمار فوج درفوج نکل کر دنیا میں پھیل جائیں گے اور لوٹ مار اور تباہی و بربادی مچادینگے۔

ان دونوں باتوں سے عام طور پر مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ یاجوج وماجوج ''سدذوالقرنین'' میں اس طرح محصور ہو گئے ہین کہ یہ ''سد'' قیامت تک اسی طرح صحیح وسالم کھڑی رہے گی اور جب یاجوج وماجوج کے خروج کا وقت آئے گا اور وہ قیامت کے قریب اور علاماتِ قیامت مین سے ہوگا تو اس وقت یکبارگی ''سد'' گر کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور اس لیے انھوں نے دونوں مقامات میں اسی کے مطابق آیات کی تفسیر کی ہے، چنانچہ انھون نے سورۂ انبیاء کی اس آیت کا ---------- یہ ترجمہ کرکے ''یہان تک کہ جب یاجوج وماجوج سد توڑ کر کھول دیے جائیں گے'' اس ارشادالٰہی کو ذوالقرنین کے اس مقولہ کے ساتھ جوڑ دیا جو کہف میں مذکور ہے: ---------- پھر میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اس کو ریزہ ریزہ کردیگا

مگر آیات کے سیاق وسباق اور ان کے مفہوم پر غائر نظر ڈالنے سے یہ تفسیر آیاتِ قرآنی کا حق ادا نہیں کرتی۔

اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے سورۂ کہف میں تو صرف اسی قدر ذکر کیا ہے کہ یاجوج وماجوج پر جب ذوالقرنین نے سد تعمیر کردی تو اس کے استحکام کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ جب میرے خدا کا وعدہ آجائے گا تو یہ سد ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور خدا کا وعدہ برحق ہے اور اس کے خلاف ہونا محال اور ممتنع ہے۔

مگر اس جگہ یاجوج وماجوج کے اس خروج کا کوئی ذکر نہیں ہے جو قیامت کے قریب وقوع میں آئے گا اور ہوتا بھی کیسے کیوں کہ یہ تو ذوالقرنین کا اپنا مقولہ ہے جو سد کے مستحکم اور مضبوط ہونے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے اور خروجِ یاجوج وماجوج ان اخبارِ مغیبات میں سے ہے جو علاماتِ ساعت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کیا گیا ہے اور انبیا کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اقوامِ عالم کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ خدا کی یہ زمین اپنے آخری لمحات مین ایک سخت اور ہولناک عالمگیر حادثہ سے دوچار ہونے والی ہے

اور سورۂ انبیاء میں صرف یہ مذکور ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا اور

Marfat.com

وہ بہت سرعت کے ساتھ بلندیوں پستی کی جانب فساد بپا کرنے کے لیے امنڈ پڑینگے اور اس جگہ سد کا اور سد کے ریزہ ریزہ ہوکر اس سے یاجوج وماجوج کے نکلنے کا قطعاً کوئی تذکرہ نہیں ہے اور لفظ "فتحت" سے ایسا سمجھنا محض قیاسی وتخمینی ہے جیسا کہ عن قریب واضح ہوگا۔ پس سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء دونوں میں اس واقع سے متعلق آیات کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ سورۂ کہف میں تو پہلے اس واقع کی تفصیلات سنائی گئی ہیں جنکے متعلق یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست یا مشرکینِ مکہ کے واسطہ سے سوال کیا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت کے متعلق اگر کوئی علم رکھتے ہو تو اس کو ظاہر کرو۔ قرآنِ عزیز یعنی وحی الٰہی نے ان کو بتایا کہ ذوالقرنین ایک نیک اور صالح بادشاہ تھا، اس نے تین مہمیں قابلِ ذکر سر کیں، ایک مشرقِ اقصیٰ کی اور دوسری مغربِ اقصیٰ کی اور تیسری شمال کی جانب اور اس تیسری مہم میں اس کو ایک ایسی قوم سے سابقہ ہوا جس نے یاجوج وماجوج کی تباہ کاریوں کا شکوہ کرتے ہوئے اپنے اور ان کے درمیاں سد قائم کردینے کا مطالبہ کیا، ذوالقرنین نے ان کے مطالبہ کو اس طرح پورا کیا کہ اس جانب وہ جس درہ سے نکل کر حملہ آور ہوا کرتے تھے اس کو لوہے کی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے بند کردیا۔ اور دو پہاڑوں کے درمیان درہ پر ایک بہترین سد قائم کردی اور ساتھ ہی شکرِ خدا بجا لاتے ہوئے اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہ سد اس قدر مستحکم اور مضبوط ہے کہ اب یاجوج وماجوج نہ اس میں سوراخ کرسکیں گے اور نہ اس پر چڑھ کر ادھر آسکیں گے، لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی طرح رہیگی بلکہ خدا کو جب تک منظور ہے یہ اسی طرح قائم ہے اور وہ چاہے گا کہ یہ روک باقی نہ رہے تو یہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور خدا کا "یعنی ہر شے کی طرح سد کا بھی فنا ہوجانا" پورا ہی ہوکر رہے گا

یہود نے چونکہ صرف ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا اس لیے سورۂ کہف میں اسی کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا اور یاجوج وماجوج کا محض ضمنی تذکرہ آگیا اور سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ مشرکین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو بستیاں ہلاک کردی گئیں، اب ان کے باشندے دنیا میں زندہ نہیں واپس آئیں گے، ہاں جب قیامت آجائے گی اور وہ جب آئے گی کہ اس سے پہلے یاجوج وماجوج کا فتنہ پیش آئے گا، تب البتہ میدانِ حشر میں سب دوبارہ زندہ کرکے رب العٰلمین کے سامنے جواب دہ ہونے کے لیے جمع کیے جائینگے۔

پھر چونکہ اس جگہ یاجوج وماجوج کے خروج کو قیامت کی علامت بیان کرکے اہمیت دی گئی ہے اس لیے اس کے نکلنے کو سد کے ٹوٹنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ سرے سے

Marfat.com

سد کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ جب ان کے خروجِ موعود کا وقت آجائے گا تو سرعت کے ساتھ بلندیوں سے پستی کی جانب امنڈ پڑینگے اور تمام اقطاع امصار میں پھیل جائے گے۔

پس ان مجموعۂ آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ ''سدِ ذوالقرنین'' یاجوج و ماجوج کے خروج سے پہلے ضرور ٹوٹ پھوٹ چکی ہوگی، دوسرے یہ کہ یاجوج وماجوج کے موعود خروج کا وہ وقت ہوگا کہ قیامت کا وقت بالکل قریب ہو جائے گا اور اس کے بعد ''نفخ صور'' ہی کا مرحلہ باقی رہ جائے، اس وقت یاجوج وماجوج کے تمام قبائل بےپناہ سیلاب کی طرح امنڈ پڑینگے اور تمام کائنات میں فسادِ عظیم برپا کرینگے۔

بہرحال ذوالقرنین کے مقولہ.................. میں ''وعد'' سے یاجوج وماجوج کا خروجِ موعود مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ بلاشبہ سد کا اندکاک ہوجائے گا اور وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور سورۂ انبیاء میں خدائے تعالیٰ کے ارشاد فتحت یاجوج وماجوج میں فتحت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ سد توڑ کر نکل آئینگے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کثرت سے فوج درفوج نکل پڑینگے گویا کہیں بند تھے اور آج کھول دیے گئے ہیں چنانچہ اہل عرب لفظ ''فتح'' کو جب جاندار اشیاء کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کہ یہ کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑی ہوئی تھی اور اب اچانک نکل پڑی اس لیے جب کوئی شخص کہتا ہے ''فتح الجراد'' تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ٹڈیاں کسی جگہ بند تھیں اور اب انکو کھول دیا گیا بلکہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں کہ ٹڈی دل کسی پہاڑی گوشہ میں الگ پڑا تھا کہ اب اچانک فوج درفوج باہر نکل پڑا۔

پس یہاں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ یاجوج وماجوج جیسے عظیم الشان قبائل جو عرصہ سے بائیں کثرت واژدہام دنیا کے ایک الگ گوشہ میں پڑے ہوئے تھے اس دن اس طرح امنڈ آئیں گے کہ گویا بند تھے اور اب اچانک کھول دیے گئے۔

سورۂ کہف اور سورۂ انبیا کی زیرِ بحث آیات کی تفسیر راس المحدثین حضرتِ استاد علامہ سید محمد انور شاہ نوراللہ مرقدہ نے بھی عقیدۃ الاسلام میں یہی فرمائی ہے اور بلاشبہ یہ تفسیر بغیر کسی تاویل کے صحیح اور درست ہے اور اس سلسلہ کے بہت سے خدشات کو دور کرنے کے لیے مفید۔

حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

اور یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ ذوالقرنین کا یہ قول ھذا رحمۃ من ربی اس کا اپنا قول ہے اور قرینہ سیاق وسباق میں ایسا موجود نہیں ہے جس سے سد کے ریزہ ریزہ ہونے کے واقعہ کو علاماتِ

Marfat.com

قیامت میں سے شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ علم بھی نہ ہو کہ اشراط ساعت میں سے خروج یاجوج ماجوج بھی ہے اور اس نے ''وعدربی'' سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا مراد لیا ہو پس اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''ہم نے کر چھوڑا ان کو اس دن سے اس حالت میں کہ بعض بعض پر امنڈ رہے ہیں استمرارِ تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہینگے حتیٰ کہ خروجِ موعود کا وقت آجائے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو کہ سورۂ انبیاء میں ہے۔ حتیٰ اذا فتحت تو البتہ یہ بلاشبہ علاماتِ قیامت میں سے ہے لیکن اس میں سد کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے پس اس فرق کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

اور پھر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہوئے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

میں نے ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ کہا، وہ قرآن میں تاویل نہیں ہے بلکہ قرآنِ عزیز کے کسی لفظ کو اس کے اپنے موضوع سے نکالے بغیر تاریخ اور تجربہ کے پیشِ نظر مزید اظہارِ حال ہے۔

عام مفسرین نے بیان کردہ تفسیر سے الگ سورۂ کہف اور انبیاء دونوں کی آیاتِ متعلقہ کے واقعات کو اشراطِ ساعت میں شمار کرتے ہوئے جو تفسیر فرمائی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے ترمذی اور مسندِ احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اور جس کا ترجمہ یہ ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج و ماجوج روزانہ ذوالقرنین کی سد کو کھودتے رہتے ہیں اور جب سورج غروب کا وقت قریب ہو جاتا ہے تو آپس میں کہتے ہیں کہ اب کام ختم کرو اب یہ اس قابل ہو گئی ہے کہ کل تم اس کو کھود کر گرا سکو گے، مگر جب اگلے روز وہ پھر اس کام پر واپس آتے ہیں تو سد کو اصلی حالت سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاتے ہیں، یہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے مگر جب انکی معین مدت کا وقت پورا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہو گا کہ اب وہ انسانی دنیا پر چھا جائیں تو اس روز بھی سابق کی طرح اس کو کھودیں گے اور جب سورج غروب کا وقت قریب ہو گا تو کام لینے والے کام کرنے والوں سے کہیں گے اب واپس جاؤ کل انشاء اللہ اس کو کھود کر برابر کر سکو گے، اور آج چونکہ انشاء اللہ کہہ دیا اس لیے جب واپس آئیں گے تو اپنی محنت کو درست پائیں گے اور اس وقت وہ باقی محنت کر کے سدّ کو گرا دیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے اور تمام روئے زمین کا پانی پی جائیں گے اور لوگ ان کے خوف سے قلعوں اور پناہ گاہوں میں چھپ جائیں گے اور پھر وہ دنیا کو مغلوب سمجھ کر آسمان پر تیر پھینکیں گے کہ خدا اور عالمِ بالا سے جنگ کر کے اس کو بھی مغلوب کریں، اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود

Marfat.com

کر کے واپس کرے گا تو وہ سمجھیں گے کہ ہم عالمِ بالا پر بھی غالب آگئے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں گلٹیاں پیدا کر دیگا جس سے وہ خود بخود مر جائیں گے (ترمذی و سورۂ کہف)

مگر ترمذی نے اس حدیث کو بیان کر کے حدیث کی حیثیت پر یہ حکم لگایا ہے کہ: ''یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اسی طریقہ سند سے ایسی ہی اچنبھی باتیں جانا کرتے ہیں۔''

یعنی ان کے نزدیک یہ روایت اپنے اعتبار سے منکر اور اچنبھی روایت ہے اور حافظ عماد الدین ابن کثیر اس روایت کو نقل کر کے اس پر یہ حکم لگا دیتے ہیں:

اس حدیث میں مضمون کے لحاظ سے نکارت (اچنبھا) ہے اور اس کو مرفوع کہنا یعنی رسول اللہ سے نقل کرنا غلط ہے، اصل بات یہ ہے کہ ٹھیک اسی قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے منقول ہے اور اس میں بھی یہ سب باتیں اسی طرح مذکور ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرتِ ابو ہریرہؓ نے جو کہ اکثر کعب احبار سے اسرائیلی قصے سنا کرتے تھے اس کو ایک اسرائیلی کہانی کے طور پر بیان کیا ہوگا، جس کو نیچے کے راوی نے یہ سمجھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، در حقیقت یہ راوی کا وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث کے متعلق میں نے یہ جو کچھ کہا ہے میرا اپنا خیال ہی نہیں ہے بلکہ امامِ حدیث احمد بن حنبل بھی یہی فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۵)

ترمذی، ابن کثیر اور امام احمد کی ان تصریحات کے بعد اس روایت کی حیثیت ایک اسرائیلی قصہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی، لہٰذا مفسرین کا محض اس روایت کی بنا پر سورۂ کہف کی زیرِ بحث آیات کی یہ تفسیر کرنا کہ سد ذوالقرنین ٹھیک اس وقت ریزہ ریزہ ہوگی جب کہ اشراطِ ساعت میں سے موعود خروجِ یاجوج و ماجوج پیش آئے گا صحیح نہیں ہے۔

اور اگر ان کی تفسیر کا یہ حصہ صحیح مان لیا جائے تو بھی وہ مذکورہ بالا روایت کے تسلیم کر لینے کے بعد قرآن عزیز کی آیت کے تعارض سے سبک دوش نہیں ہو سکتے اس لیے کہ قرآنِ عزیز (کہف) میں سد کے متعلق ذوالقرنین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے صما استطاعو ان یظھروہ وما استطاعو له نقبا اور اس کا مطلب تمام مفسرین نے بالاتفاق یہ بیان کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس سد میں کسی قسم کے ردو بدل پر قادر نہیں ہیں چنانچہ امام احمد اور ابن کثیر اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''بلاشبہ اب یعنی بناء سد کے وقت یاجوج و ماجوج اس میں سوراخ کرنے یا اس کے کسی حصہ کو بھی کھودنے پر قادر نہیں رہے۔''

Marfat.com

تو اب مفسرین اس روایت کے ان جملوں کے تعارض کو کس طرح دور فرمائیں گے جن میں یہ صراحت ہے کہ وہ اس کو کھود کر یا چاٹ کر گرنے کے قریب کر دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح حدیث کے تعارض کو کس طور پر دور کر دینگے جن کو امام بخاری نے بسند صحیح روایت کیا ہے:

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ یہ وسلم خواب راحت سے بیدار ہوئے تو یہ حالت تھی کہ چہرۂ مبارک سرخ تھا اور یہ ارشاد فرما رہے تھے۔

لا الہ اللہ عرب کے لیے ہلاکت ہے اس شر سے جو قریب آرہا ہے، آج یاجوج وماجوج پر قائم شدہ سد اس پر کھول دی گئی ہے اور انگوٹھے پر انگلی رکھ کر اور گول حلقہ بنا کر دکھایا۔ حضرتِ زینب بنت جحش فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جائیں گے جب کہ ہم میں صالحین امت بھی موجود ہونگے، ارشاد فرمایا بیشک ایسا ہوگا اگر امت میں خبائث کی کثرت ہو جائے گی"۔ (بخاری ومسلم عن الزہری باب الفتن)

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "سد میں حلقہ انگشت کی مقدار سوراخ ہو گیا ہے اور مفسرین کی اس تفسیر کے مطابق قیامت کے موعود وقت سے قبل ناممکن ہے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اس صحیح بلکہ اصح روایت میں "فتح" سے مراد شر اور فتنوں کا شیوہ ہے اور اس کو استعارہ کے طور پر فتح روم کہہ دیا گیا تو سورۂ انبیاء کی آیت میں "فتحت" کے معنی میں یہ اصرار کیوں ہے کہ اس سے سد ٹوٹ کر کھلنا مراد ہے حالانکہ اس جگہ روم یا سد کا تذکرہ تک نہیں اور کیوں نہ اس سے بھی استعارہ مراد لیا جائے اور کیوں وہ تفسیر نہ کی جائے جو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

اور اگر حدیث میں حقیقی نقب کا ذکر ہے تو یہ سورۂ کہف کی اس تفسیر کے خلاف اور معارض ہے جو مفسرین نے عام طور پر بیان کی ہے کہ سد کا یہ استحکام قیامت کے موعود وقت تک یوں ہی رہے گا اور سد کا اس سے قبل ٹوٹنا پھوٹنا ناممکن ہے۔

لیکن عام تفسیر کے برعکس اگر حضرت انور شاہ صاحب کی تفسیر کے مطابق ان دونوں مقامات کی تفسیر کی جائے جس کی فی الجملہ تائید امام احمد اور محدث ابن کثیر کے اقوال سے بھی ہوتی ہے تو یہ سب مشکلات خود بخود دور ہو جاتی ہیں اور آیات کا مطلب اور حدیث کا مقصد با آسانی سمجھ میں آجاتا ہے چنانچہ ابن کثیر آیت "__________ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

یعنی وہ (یاجوج و ماجوج) اس زمانہ میں سد کے متعلق ہر قسم کے ردوبدل سے بے بس ہو گئے ہیں اس لیے کہ استطاعو کا صیغہ زمانہ ماضی کی اطلاع کے لیے وضع کیا گیا ہے پس اس آیت میں اس بات کی ہرگز نفی نہیں نکلتی کہ زمانہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ ان کو اس پر قدرت دیں گے کہ وہ آہستہ آہستہ تدریجی طور پر اس سد کو توڑ پھوڑ ڈالیں تا کہ وہ وقتِ موعود آپہنچے جس کی خبر سورۂ انبیاء میں دی گئی اور امر مقدر پورا ہو جائے اور تب وہ یک لخت یلغار کر کے اس طرح نکل پڑیں گے جس طرح سورۂ انبیاء کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

غرض اس عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدۂ سے منقول ہو چکا ہے اور بغیر کسی تعمیل کے آیت و مستطاعو الآیہ کا صاف طور پر یہی مطلب متعین کیا جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین کے زمانہ کی کیفیت خود انھیں کی زبانی بیان ہو رہی ہے یہ مطلب کسی طرح بھی نہیں ہے کہ ذوالقرنین کی سد یاجوج و ماجوج کے خروج موعود سے پہلے ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔

اور یہ مطلب ہو بھی کیسے سکتا جب کہ یاجوج و ماجوج صرف ایک اس درہ سے ہی نکل کر غارت گری نہیں کرتے تھے بلکہ کاکیشیا کے اس کونہ سے چین کے علاقہ منچوریہ تک ان کے خروج کے بہت سے مقامات تھے پس اگر ان کے لیے سد ذوالقرنین نے درۂ داریال کی راہ ہمیشہ کے لیے مسدود کر دی تھی تو دوسرے مقامات سے ان کا خروج کیوں نہیں ہو سکتا تھا؟

اسی لیے حضرت شاہ صاحب نے آیت و ترکنا بعضھم یومیذ عوج فی بعض کی تفسیر یہ کی ہے کہ ذوالقرنین کے اس واقعہ میں چونکہ یاجوج و ماجوج پر اس جانب سے روک قائم ہو جانے کا تذکرہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے مقولہ کے بعد اپنی جانب سے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے مخاطبین تم جن یاجوج و ماجوج قبائل کے متعلق یہ باتیں سن رہے ہو یہ بھی سن لو کہ ہم نے ان قبائل کے لیے یہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ آپس میں الجھتے رہیں گے اور موج در موج باہم دست و گریباں ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جب کہ قیامت بپا ہونے میں نفخ صور کے علاوہ اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہے اور سورۂ انبیاء میں یہ ارشاد فرمایا کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی اشراط و علامات میں سے ایک شرط علامت یہ پیش آئے گی کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبائل اپنے نکلنے کے ہر مقام سے ایک ساتھ امڈ آئیں گے اور دنیا کی عام غارت گری کے لیے اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے من کل حدب نسلوں ''الحدب'' لغت میں اوپر سے نیچے جھکنے کو کہتے ہیں اس لیے ''حدب'' کے معنی اونچے مقام سے نیچے اترنے کے ہوتے

Marfat.com

ہیں اور ''نسلان'' عربی لغت میں پھسلنے کو کہتے ہیں اس لیے 'ینسلون'' کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اس سرعت کے ساتھ امڈ آئیں گے کہ یہ معلوم ہوگا گویہ وہ کسی ٹیلے سے پھسل رہے ہیں چنانچہ مفردات امام راغب اور نہایہ ابن اثیر میں ''حدب'' اور ''نسل ونسلان'' کی بحث میں یہی لغوی تفصیل مذکور ہے۔

لہٰذا اس تفسیر سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز نے یاجوج وماجوج کے خروجِ موعود کی کیفیت بیان فرمائی ہے وہ ان ہی قبائل پر منطبق ہوتی ہے جو بحر کاسپین سے لیکر منچوریہ تک پھیلے ہوئے ہیں اور جو دنیا کی بہت بڑی آبادی کے محور ہیں اور جائے وقوع کے اعتبار سے عام سطح آبادی سے اس قدر بلند حصۂ زمین پر مقیم ہیں کہ جب کبھی نکل کر متمدن اقوام پر حملہ آور ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اوپر سے نیچے کو پھسل رہے ہیں پس آئندہ بھی جب اشراطِ ساعت کی شکل میں ان کا آخری خروج ہوگا تو ان کے تمام قبائل کا سیلاب ایک ہی دفع امنڈ آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ انسانوں کے سمندر کا بند ٹوٹ گیا اور وہ اپنے مقامات کی ہر بلندی سے نیچے کی جانب بہہ پڑا ہے۔

قرآنِ عزیز کی آیاتِ زیرِ بحث کی یہ تفسیر، الفاظ وجملوں کو ان کے لغوی معنی سے اِدھر اُدھر ہٹائے اور ان میں تاویل کیے بغیر، اس قدر لطیف ہے کہ جس سے وہ بہت سے شکوک وشبہات یک قلم دفع ہو جاتے ہیں جو اس سلسلہ میں مفسرین کو پیش آئے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے غیر جاذب تاویلات کرنی پڑی ہیں نیز مدعیان نبوت کو ان تاویلات سے فائدہ اٹھا کر الحاد وزندقہ پھیلانے کا موقع میسر آ گیا ہے۔

سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کی آیات کی اس تفسیر کے بعد اب حدیث بخاری کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ تو حدیث ''ویل للعرب من شر قد اقترب'' اس بات پر تو صاف دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا میں ''جو نبی کے لیے وحی کی طرح صحیح اور حجت ہوتا ہے'' یہ دکھایا گیا کہ سدِ یاجوج وماجوج میں رخنہ پڑ جانے سے ایسا سخت حادثہ پیش آنے والا ہے جو عرب کے لیے ہولناک ثابت ہوگا لیکن یہ بات پوری طرح وضاحت کے ساتھ سامنے نہ آ سکی کہ ''فتح ردم یاجوج وماجوج'' میں لفظ ''فتح'' سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ واقعی یاجوج وماجوج کی سد میں سے انگوٹھے اور انگلی کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار میں شگاف ہو گیا ہے یا پیشین گوئیوں کی طرح اس پیشین گوئی میں بھی ''فتح'' اور ''حلق تسعین'' کو استعارہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اس جملہ کا پہلے جملہ ''ویل للعرب'' سے کوئی ربط ہے یا یہ الگ الگ دو مستقل باتیں ہیں اور دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔

ان دونوں مسئلوں کے متعلق اہل تحقیق کی رائے مختلف ہے اور چونکہ اس رویاء صادقہ کی کی

Marfat.com

تعبیر خود ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے بسند صحیح منقول نہیں ہے اس لیے محدثین اور ارباب سیر نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ وہ اس حدیث کی مصداق کو تقریبی طور پر متعین فرمائیں۔

شیخ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ ''ویل للعرب'' کے جملہ میں ان شرور و فتن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آپؐ کی وفات کے بعد ہی امت میں رونما ہونے شروع ہو گئے اور جنکا نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں سب سے پہلے عرب (قریشی رعب) کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جن کی ہلاکتوں کا پہلا شکار اہل عرب ہی ہوئے اور بعد میں ان کا اثرات تمام امتِ مرحومہ پر پڑے۔

اور ردم (سد) میں اور انگوٹھے کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار رخنہ پیدا ہو جانے کا ذکر تقریبی ہے یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی اتنا چھوٹا سا رخنہ پڑ گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سد ذوالقرنین کے استحکامات کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس میں رخنہ پڑنے کی ابتداء ہو چلی ہے گویا اب وہ آہستہ آہستہ شکست و ریخت ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رویاء صادقہ کے بعد قتل عثمان عفی اللہ عنہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر متواتر فتن اور شرور کا سلسلہ جاری ہو گیا جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب (قریشی حکومت) تمام اقوام کے لیے ایسے ہو گئے جیسا کہ کھانے کے پیالے پر کھانے والے جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں اس تشبیہ کا ذکر بھی موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''وہ زمانہ قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے بڑے پیالہ پر کھانے والے ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔'' (فتح الباری۔ ج ۱۳ ص ۹۱)

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخاطب عرب ہی ہیں اور رفتنہ سد کے متعلق دونوں محدثین کا رجحان اسی جانب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حقیقی رخنہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک تشبیہ ہے۔

ان ہر دو محدثین کی تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ''ویل للعرب'' والا جملہ جو شرور و فتن سے متعلق ہے اور ''فتح ردم'' کے جملہ میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں جملے اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ دونوں کو ایک ہی حادثہ سے متعلق سمجھا جائے۔

اور حافظ عماد الدین ابن کثیر اس بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے اور متردد ہیں کہ

Marfat.com

زیر بحث حدیث ''فتح من ردم یاجوج و ماجوج'' میں فتح سے حقیقی فتح (کھل جانا) مراد ہے یا استعارہ ہے کسی آئندہ ایسے حادثہ سے جو یاجوج و ماجوج کے ہاتھوں پیش آنے والا ہے اور جس کا اثر براہِ راست عرب (حکومت قریش) پر پڑیگا۔ لیکن کرمانی شارح بخاری بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اس پوری حدیث کو ایک ہی معاملہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں یاجوج و ماجوج کے ایسے حادثہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ظہور قیامت کی علامت سے جدا درمیانی وقفہ میں پیش آنے والا ہے اور جو باعث ہوگا عرب کے زوال کا اور ''فتح ردم'' استعارہ ہے اس بات سے کہ جو حادثہ آئندہ رونما ہونے والا ہے اس کی ابتدا ہوگئی ہے اور یہ وہ حادثہ تھا جو مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں ''فتنہ تاتار'' کے نام سے برپا ہوا اور جس نے عرب طاقت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ (اس کی تفصیلات اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں موجود ہیں)۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج قبائل کی اس تاخت و تاراج کے بعد جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ کے ضمن میں آیا ہے تاریخ میں ان قبائل کا پھر کوئی یادگار حملہ مذکور نہیں ہے

البتہ ساتویں صدی عیسوی میں ان کے لیے ذوالقرنین کی یہ روک بیکار ہوگئی اور انھوں نے بحرِ خزر اور بحرِ اسود کے اس درہ کے علاوہ جوان پر بند کر دیا گیا تھا بحیرۂ یورال اور بحرِ خزر کا درمیانی راستہ پا لیا، نیز ادھر سد ذوالقرنین کے استحکامات میں بھی فرق آنا شروع ہو گیا تھا اور اس طرح ذوالقرنین کے بعد اب یاجوج و ماجوج کے ایک نئے فتنہ کا آغاز ہو چلا تھا اور صدیوں سے ان خاموش قبائل فتنہ جو میں پھر حرکت شروع ہوگئی تھی۔

لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رد یا ئصادقہ میں یہ دکھا دیا گیا کہ اگر چہ ابھی وقت دور ہے جبکہ قیامت کے قریب تمام قبائل یاجوج و ماجوج عالمِ انسانیت پر چھائیں گے لیکن وہ وقت قریب ہے جبکہ ذوالقرنین کے بعد انکا ایک اہم خروج پھر ہوگا اور وہ عرب کی طاقت اور فرماں روائی کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، اور اسی خروج کو اس طرح حسیّ طور پر دکھایا گیا کہ گویا (سد) دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو گیا ہے اور آہستہ آہستہ وہ دیوار گر کر منہدم ہو جانے والی ہے۔

چنانچہ زمانہ نبوی میں یہ وہ وقت تھا کہ ان قبائل میں سے چند منگولین قبائل نے اپنے مرکز سے نکل کر قرب و جوار میں پھیلنا اور چھوٹے چھوٹے حملے کرنا شروع کر دیے تھا اور آخر کار چھٹی صدی ہجری مین چنگیز خان انکا قائد بن گیا اور اس نے منتشر قبائل کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا اور پھر اس کے بیٹے اوکتائی خاں نے ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اٹھ کر مغرب و جنوب پر حملہ کر دیا اور ۶۸۶ء میں

Marfat.com

آ کر ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی عرب خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور اس نے ''خلافتِ عربیہ'' کو تہ و بالا کر دیا۔

تو یوں سمجھیے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو علامات، قیامت مین سے سب سے بڑی علامت ہے یعنی آپؐ خاتم النبین ہیں اور پھر بھی قیامت کے وقت مین اور ذاتِ اقدس میں کافی غیر متعین فاصلہ ہے اسی طرح یہ فتنہ تاتار بھی علامت قیامت ''خروجِ یاجوج و ماجوج'' کا ایک ابتدائی نشان ہے اور جس طرح خروجِ دجال اور قتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی قریبی علامات ہیں اسی طرح سورۂ انبیاء میں ذکر کردہ خروجِ یاجوج و ماجوج بھی علامات قیامت میں سے قریبی اور آخری علامت یا آخری شرط ہے پس ''فتح ردم'' میں ان کی ابتدائی حرکت کی جانب اشارہ ہے جو رویائے صادقہ کے وقت شروع ہو چکی تھی اور ''ویل العرب'' سے اس نتیجہ کا اظہار ہے جو عرب حکومت کے خاتمہ پر منتج ہوا ہے۔

لیکن شیخ بدرالدین عینی نے بخاری کے شرح، عمدۃ القاری میں کرمانی کے بیان کردہ اس قول کی تردید کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تاتاری فتنہ کا بانی چنگیز خاں اور اس کا بیٹا ہلاکو خاں تھا اور ان کو یاجوج و ماجوج میں سے سمجھنا صحیح نہیں ہے لہٰذا اس حدیث کا مصداق اس فتنہ کو قرار دینا بھی غلط ہے بہر حال حدیث ''ویل العرب'' کی ان مختلف توجیحات سے جب کہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس روایت کے مصداق کا تعین خود حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ محدثین نے قرائین اور الفاظ حدیث کی نشست کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی جانب سے مصداق متعین کرنے کی سعی فرمائی ہے اور پھر اس میں بھی اختلاف رائے رہا ہے تو اب انھیں کے بتائے ہوئے اصول کو سامنے رکھ کر ہم بھی کچھ کہنے اور حدیث زیر بحث کے مقصد کو متعین کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگرچہ دوسرے اقوال کی طرح وہ بھی غیر منصوص اور قابل ردقبول ہو گا

حدیثِ زیرِ بحث میں مستقبل میں پیش آنے والے جس فتنہ اور شر کی خبر دی گئی ہے اس کے دو جملے بہت اہم ہیں، ایک ''ویل العرب من شر قد اقترب'' کے لیے ہلاکت ہے اس شر سے جو بلا شبہ قریب آ لگا ہے اور دوسرا ''فتح الیوم من ردم یاجوج و ماجوج وحلق تسعین'' آج کے دن یاجوج و ماجوج کی سد سے انگوٹھے اور انگلی کے گول دائرہ کی مقدار میں کھول دیا گیا ہے اور ان ہر دو جملوں کے درمیان واو عطف بھی نہیں ہے۔

لہٰذا الفاظِ حدیث پر کافی غور و خوض کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مسطورہ بالا ہر دو اقوال کی گنجائش ہے۔ یعنی حدیث کا پہلا جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے اہم

Marfat.com

شر کی اطلاع دے رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ عرب کے لیے سخت ہلاکت کا سامنا ہوگا اور ''خلافتِ قریش'' زوال پذیر ہو جائے گی۔

اور دوسرا جملہ یا پہلے جملہ کی تائید میں پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امت مین جو اہم فتنے بپا ہونے والے ہیں اور جن کا ابتدائی اثر یہ ہوگا کہ عرب کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ان فتنوں کے رونما ہونے کے لیے حسی علامت اس طرح سامنے آگئی ہے کہ یاجوج و ماجوج پر بنائی ہوئی مستحکم سد ذوالقرنین میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا اور اس کی شکست اور ریخت ہونے لگی۔ گا یا یہ رخنہ آئندہ اسلامی طاقت یا عرب طاقت میں جلد رخنہ پڑ جانے کے لیے ایک علامت ہے چنانچہ یہ فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہو کر مختلف فتنوں کے بعد چند صدیوں میں قریش کی ہلاکت و تباہی پر جا کر ٹھیرا اور اس طرح حدیث کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پس اس شکل میں فتح ردم آئندہ فتنوں اور شروں کے پیش آنے کی ایک علامت ہے جو امت اسلامیہ میں بپا ہو کر قربِ قیامت میں موعود خروجِ یاجوج و ماجوج پر جا کر ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد دنیا کے درہم و برہم ہو جانے سے قیامت ہو جائے گی۔

یا یوں کہیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی صرف تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے اور پہلا جملہ درحقیقت نتیجہ اور ثمرہ ہے دوسرے جملہ کا، اور مطلب یہ ہے کہ عرب (قریشی حکومت) کی ہلاکت کا وقت آپہنچا۔ گویا یاجوج و ماجوج کا وہ بند جو ذوالقرنین نے بہت مستحکم باندھا تھا اس میں اب رخنہ پڑ گیا اور معنیً اس میں شکست و ریخت شروع ہو گئی اور یہ تمہید ہے اس فتنہ کی جو اسی جانب سے اٹھے گا اور قریشی حکومت کا خاتمہ کر دیگا۔

پس اس تعبیر کے لحاظ سے تاتاری فتنہ کی وہ تاریخ سامنے لائی جائے گی جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حدیث کی بیان کردہ پیشین گوئی کے مطابق اس فتنہ کی ابتداء دورِ رسالت سے شروع ہو گئی تھی اور پھر کس طرح وہ خلیفہ عباسی مستعصم باللہ کے دورِ حکومت میں قریشی حکومت کے استیصال کا باعث ہوئی۔

پس اگر ان دونوں جملوں کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس میں اس قدر وسعت تسلیم کر لی جائے کہ وہ محدثین کی بتائی ہوئی توجیہ ''یعنی اہم شرور و فتنہ کا شیوع اور کرمانی کا بیان کردہ ایک قول کے مطابق توجیہ'' یعنی فتنہ تاتار کا وجود، ان دونوں توجیہات کو حاوی ہو سکے تو ایسا تسلیم کر لینے میں نہ شرعی قباحت لازم آتی ہے اور نہ تاریخی اور زیر بحث حدیث کا مصداق بہت زیادہ فہم کے قریب آجاتا ہے۔

Marfat.com

رہا شیخ بدرالدین نوراللہ مرقدہ کا یہ ارشاد کہ چنگیز خانی تا تاری یاجوج و ماجوج نہیں کہلائے جا سکتے تو یہ شیخ کا تسامح ہے اس لیے کہ یاجوج و ماجوج کے تعین کی بحث کے میں محققین، محدثین اور مؤرخین نے جن قبائل اور ان کے مواطن کو محقق قرار دیا ہے اور خود شیخ موصوف نے بھی جن کو بڑی حد تک تسلیم فرمایا ہے، ان ہی قبائل میں سے ایک شاخ ان تا تاریوں کی بھی ہے جو چنگیز خانی کہلائے اور یہ اپنے دورِ بربریت و وحشت میں ان ہی جگہوں میں آباد رہے ہیں اور وہیں سے ان کا خروج ہوا ہے جن پر سد ذوالقرنین قائم کی گئی تھی۔ بہر حال سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کی زیر بحث آیات کی اس تفسیر کے درمیان جو ہم نے حضرت علامہ انور شاہ نوراللہ مرقدہ اور حافظ حدیث عمادالدین ابن کثیر کے حوالجات سے بیان کی ہے اور اس حدیث کی پیشین گوئی کے مصداق متعین کرنے والی مسطورہ بلا توجیہات کے درمیان کسی قسم کا بھی تعارض پیدا نہیں ہوتا اور زیر بحث آیات و روایات کے مصداق اپنی اپنی جگہ صاف اور واضح ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے میں نہ رکیک تاویلات کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو تفسیر بالرائے یا قابل اعتراض جدت کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ جو کچھ بھی ہے سلفِ صالحین اور محدثین وارباب سیر کے مختلف اقوال نے ترجیح راجح کے اصول کو کارفرما بنا کر ایک ایسی معتدل راہ ہے جو نصوص قرآنی اور صحیح روایاتِ حدیثی کے درمیان تطبیق کی راہ دکھلائی جاتی اور سلفاً عن خلفاً مقبول ومحمود رہی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ حدیث بالا میں حلقہ کی مقدار بڑھ جانے کا جو تذکرہ ہے اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے کہ استعارہ و تشبیہ مراد ہو یا حسی رخنہ بہر دوصورت حلقہ کی مقدارِ رخنہ کا ذکر تقریبی ہے نہ کہ تحریری یعنی یہ مطلب ہے کہ سد میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا یہ مراد نہیں ہے کہ واقعی ایک حلقہ کی مقدار ہی رخنہ پڑا ہے، چنانچہ گزشتہ صفحات میں ہم ابنِ کثیر سے اس سلسلہ میں نقول پیش کر چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اور بعض دوسرے علماء نے کتبِ سیرت میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ سورۂ انبیاء کی ان آیات کا مصداق جن میں یاجوج و ماجوج کے موعود خروج کا ذکر کیا گیا ہے۔ ــــــــــــ ــــــــــــ فتنۂ تا تار کو بنا کر یہیں قصہ کو ختم کر دیں اور اس کا عمارتِ ساعت و علامت قیامت سے کوئی تعلق باقی نہ رہنے دیں۔

مگر ہمارے نزدیک قرآن عزیز کا سیاق و سباق ان کی اس تفسیر یا توجیہ کا قطعاً اباء اور انکار کرتا ہے اور یہ اس لیے کہ سورۂ انبیاء میں اس واقعہ کو جس ترتیب سے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

Marfat.com

اور مقرر ہو چکا ہے ہر ایک ایسی بستی پر کہ جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے کہ اس کے بسنے والے واپس نہ ہونگے یہاں تک کہ کھول دیے جائیں یاجوج و ماجوج اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے امڈ پڑیں اور قریب آ جائے سچا وعدہ پھر اس وقت آسانی سے کھلی کی کھلی رہ جائیں آنکھیں منکروں کی اور کہیں ہائے ہماری بدبختی کہ ہم بے خبر رہے اس (قیامت) سے بلکہ ظلم و شرارت میں سرشار رہے۔

ان آیات میں آیت زیر بحث حتی اذا فتحت (الآیہ) سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ مرنے والوں کی موت کے بعد اب ان کے لیے اس دنیا مین دوبارہ زندگی نہین ہے اور آیت زیر بحث مین یہ کہا گیا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کا وقت جن علامت و آیات کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے یا جن پر متعلق کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبائل اپنی پوری طاقت کے ساتھ بیک وقت اپنے مراکز سے نکل کر تیزی سے تمام دنیا پر چھا جائیں اور اس سے متصل آیت میں مزید یہ کہا گیا کہ پھر اس کے بعد قیامت بپا ہو جائے گی اور تمام شخص اپنی زندگی کے نیک و بد انجام دینے کے لیے میدانِ حشر مین جمع ہو جائیں گے اور ناکام اپنی ناکامی پر حسرت و یاس کرتے رہ جائیں گے۔

پس آیت زیرِ بحث کے سیاق و سباق میں یہ بات بخوبی واضح کر دی کہ اس مقام پر یاجوج و ماجوج کے ایک ایسے خروج کی اطلاع دی گئی ہے کہ جس کے بعد شر و رد فتن کا کوئی سلسلہ بلکہ دنیا کی ہستی کا کوئی سلسلہ باقی نہیں رہ جائے گا اور صرف قیامت بپا ہو جانے یعنی نفخ صور کی دیر باقی رہ جائے گی جو اس واقعہ کی تکمیل کے بعد عمل میں آ جائے گی۔

لہٰذا آیت کے سیاق و سباق سے قطع نظر کرتے ہوئے اور حدیث ''ویل العرب من شر قد اقترب'' کا مصداق ''فتنہ تاتار'' کو متعین کرتے ہوئے سورۂ انبیاء کی اس آیت کو آخری علامتِ ساعت سے نکال کر فتنہ تاتار پر محمول کر لینا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ نیز جمہور سلف صالحین کی مسلمہ توجیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

ممکن ہے کہ اس مین توجیہ کے ناقلین و قائلین ہمارے اس اعتراض کو ہم پر ہی پلٹ دیں اور یہ فرمائیں کہ اسی طرح سورۂ کہف میں بھی آیت اذا جاء وعد ربی میں وعد سے کیوں قیامت مراد لی جائے جب کہ اس کے بعد ہی آیت نفخ فی الصور موجود ہے جو بلاشبہ نفخ صور تک سب کے اندر محصور اور بند رہیں گے اور نفخ صور کے قریب یک بیک سد گر جائے گی اور وہ نکل پڑیں گے۔

تو اس کے متعلق ہماری یہ گزارش ہے کہ یہ اعتراض اپنی اس تقدیر کے ساتھ ہرگز ہم پر وارد

Marfat.com

نہیں ہوتا اس لیے کہ سورۂ کہف کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ ان آیات میں سب سے پہلے یسئلون ذی القرنین سے شروع کر کے وکان وعد ربی حقاً تک ذوالقرنین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی آیت فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاً میں ذوالقرنین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد نہین ہے اس لیے یہاں ''وعد'' سے ''وعدۂ قیامت'' مراد نہیں ہے بلکہ کسی تعمیر کی تخریب کا مقدور متعین وقت مراد ہے جس کے تعین کو ذوالقرنین نے اپنی جانب سے تخمینی طور پر متعین کرنے کی بجائے مردِ مومن اور مردِ صالح کی طرح خدا کی مرضی کے حوالہ کر دیا ہے۔

اور چونکہ ذوالقرنین کے واقعہ میں ضمنی طور سے یاجوج و ماجوج کا بھی ذکر آ گیا تھا اس لیے اس کے خاتمہ پر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی یاجوج و ماجوج کا مختصر ذکر فرمایا اور آیت وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض و نفخ فی الصور میں یہ بیان کی کہ جن یاجوج و ماجوج کا ذکر تم نے ابھی ذوالقرنین کے واقعہ میں سنا ان کو ہم نے شر اور فتنہ کی اس زندگی میں اس طرح کر چھوڑا ہے کہ وہ برابر فساد اور چپقلشِ باہمی میں مصروف رہیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا کہ صور پھونک دیا جائیگا اس دن وہ سب جمع کیے جائیں گے اور اس دن جہنم کافروں پر پیش کی جائے گی۔

گویا سورۂ انبیاء میں تو یاجوج و ماجوج کا ذکر مستقل حیثیت رکھتا ہے اور وہاں بتانا ہی یہ منظور ہے کہ ان کا اجتماعی خروج قیامت کی آخری علامات مین سے ایک نمایاں علامت ہے، اور سورۂ کہف میں ان کا تذکرہ صرف ضمنی ہے اور انکے فساد شر انگیزی کے خصوصی واقعہ کی مناسبت سے انکی باہمی فساد انگیزیوں اور مختلف اوقات موج در موج چپقلشوں کی وارداتوں کا ذکر اس انداز مین کر دیا گیا کہ انکے موعود خروج کی جانب بھی اشارہ ہو جائے۔

غرض سورۂ کہف کی زیرِ بحث آیات کا سیاق و سباق یعنی ان سے پہلی اور بات کی آیات کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ ذوالقرنین کے مقولہ اذجاء وعد ربی جعلہ دکا میں ''وعد'' سے مراد وعدۂ قیامت لیا جائے اور وہ معنی بیان کیے جائیں جو معترض نے ہماری بیان کردہ سورۂ انبیاء کی تفسیر کے مقابلہ میں پیش کیے ہیں۔

الحاصل جن معاصر مفسرین نے سورۂ انبیاء کی زیرِ بحث آیات کا مصداق فتنۂ تاتار کو بتایا ہے اور اس کی تائید مین بخاری کی مشہور حدیث ''ویل العرب'' ''من شر قد اقترب'' کو پیش کیا ہے ان کی یہ تفسیر غلط ہے اور حدیث سے اس کی تائید قطعاً بے محل ہے بلکہ بخاری و مسلم کی دوسری صحیح احادیث جو کتاب الفتن میں مذکور ہیں اس تفسیر کے خلاف صاف صاف یہ بیان کرتی ہین کہ علامات قیامت میں

Marfat.com

جب آخری علامات رونما ہونگی تو پہلے حضرت عیسیٰ علیہا لصلوٰۃ والسلام کا آسمان سے نزول ہوگا اور دجال کا سخت فتنہ برپا ہوگا اور آخر کار حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں وہ مارا جائے گا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یاجوج و ماجوج کا موعود خروج ہوگا جو تمام دنیا پر شر وفساد کی صورت میں چھا جائے گا اور پھر کچھ وقفہ کے بعد نفخ صور ہوگا اور یہ کارخانۂ دنیا درہم برہم ہو جائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری صحیح اور اصح روایات سے ان تینوں (جھوٹے مدعیانِ نبوت) کے دعووں کا بھی ابطال ہو جاتا ہے اور ان کے کذبِ صریح کی رسوائی آشکارہ ہو جاتی ہے جو اپنی نبوت کی صداقت کی تعمیر یہ کہہ کر تیار کرتے ہیں کہ انگریز اور روس یاجوج و ماجوج ہیں اور جب ان کا خروج ہو چکا اور وہ عالم کے اکثر حصوں پر قابض ہو چکے تو اب ''یسوع مسیح'' کی آمد ضروری ہوگئی لہٰذا وہ موعود مسیح (عیسیٰؑ) ہم ہیں کیوں کہ جب شرط موجود ہے تو مشروط کیوں موجود نہ ہو۔

اسی جھوٹے مدعی نبوت کی یہ دلیل اگرچہ خود تارِ عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی اور اس لیے درخورِ اعتناء بھی نہیں ہے تاہم عوام کو غلط فہمی سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس مدعی کے بیان کردہ یہ دونوں دعوے جو دلیل کے دو مقدموں کے طور پر بیان کیے گئے ہیں غلط اور ناقابل قبول ہیں اور اس لیے ان سے پیدا شدہ نتیجہ بھی بلاشبہ باطل اور مردود ہے۔

پہلا دعویٰ یا مقدمہ تو اس لیے غلط ہے کہ ہم نے یاجوج و ماجوج کی بحث میں تفصیل کے ساتھ حدیث و تاریخ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یاجوج و ماجوج کا اطلاق صرف ان ہی قبائل پر ہوتا رہا ہے جو اپنے اصل مرکز میں بہمہ طریقِ وحشت و بربریت مقیم ہیں اور ان میں سے جو افراد یا تاریخ کی نظر میں یاجوج و ماجوج نہیں کہلاتے بلکہ اپنے بعض امتیازاتِ خصوصی کے پیشِ نظر نئے نئے ناموں سے موسوم ہو گئے اور اپنے اصلی اور نسلی مرکز سے اس قدر اجنبی ہو گئے ہیں کہ وہ اور یہ دو مستقل جدا جدا قومیں بن گئیں اور ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اسی طرح قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ان ہی قبائل کو یاجوج و ماجوج کہتا ہے جو اپنی بربریت اور وحشت کے ساتھ عام دنیا سے الگ اپنے مرکز میں گوشہ گیر ہیں۔

اور اسی اصول پر دوسرا دعویٰ یا مقدمہ بھی باطل ہے کہ انگریز اور روس بلکہ یوروپین حکومتوں کا تسلط اور قبضہ یاجوج و ماجوج کا خروج ہے اور یہ اس لیے کہ ایک تو ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ متمدن اقوام کو یاجوج و ماجوج کہنا ہی غلط ہے دوسرے اس لیے کہ یاجوج و ماجوج کے اس فتنہ و فساد کے پیشِ نظر جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ میں سورۂ کہف میں مذکور ہے اور صحیح احادیث کی تصریحات کے مطابق

Marfat.com

ان کا وہ خروج بھی جس کا ذکر سورۂ انبیاء میں کیا گیا ہے اور جس کو علامت قیامت میں سے ٹھیرایا ہے ایسے ہی فساد و شر کے ساتھ ہو گا جس کا تعلق تمدن و حضارت سے دور کا بھی نہ ہو اور جو خالص وحشیانہ طرز و طریق پر برپا کیا جائے، کہاں سائنس کی ایجادات و آلات کا طریقۂ جنگ اور کہاں غیر تمدن وحشیانہ جنگ و پیکار؟ شتّان بینہما۔

اور یہ بات اس لیے بھی واضح ہے کہ تمدن اقوام کی جنگ و پیکار کتنی ہی وحشیانہ طرز و طریق اختیار کیے ہوئے کیوں نہ ہو بہر حال سائنس اور حرب و ضرب کے اصول کے مطابق ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ اقوام و امم مین ہمیشہ سے جاری ہے اس لیے اگر اس قسم کے جابرانہ و قاہرانہ تسلط اور قبضہ کے متعلق قرآن کو پیشین گوئی کرنی تھی تو اس کی تعبیر کے لیے ہر گز یہ طریقہ اختیار نہ کیا جاتا جو یاجوج و ماجوج کے خروج موعود کے سلسلہ میں سورۂ انبیاء مین اختیار کیا گیا ہے بلکہ ان کی ترقی نما بربریت کی جانب ضروری اشارات یا تصریحات کا ہونا لازم تھا۔

الحاصل احادیث صحیح اور آیاتِ قرآنی کی مطابقت کے ساتھ ساتھ جب مسئلہ زیرِ بحث پر غور و فکر کیا جاتا ہے تو با حصارت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علامت سے قبل حضرت عیسیٰؑ کا نزول از آسمان ضروری ہے نہ یہ کہ پہلے یاجوج و ماجوج کا خروج ہو گا اور پھر مسیح علیہ السلام کی آمد کا انتظار کیا جائے چنانچہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے:

واقعات یہاں تک پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریمؑ کو بھیجے گا اور وہ (جامع) دمشق کے سپید مشرقی منارہ کے نزدیک اس طرح اتریں گے کہ زعفرانی رنگ کی دو چادروں میں ملبوس اور فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھوں کا سہارا دیے ہوئے ہونگے جب سر کو جھکائیں گے تو پانی ٹپکنے لگیگا اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے پانی کے قطرات اس طرح گرنے لگیں گے گویا ہاتھ سے موتی ٹوٹ کر گر رہے ہیں یعنی آسمان پر غسل کر کے فوراً ہی نزول ہو گا، جہاں تک انکا سانس جائے گا کافر کی موت کا باعث ہو گا اور انکا سانس انکی حدِ نظر تک پہنچے گا پھر اتر کر وہ دجال کا پیچھا کرینگے اور اس کو بیت المقدس کے قریب بستی لُدّ کے دروازہ پر پائیں گے اور قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰؑ ان لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھیگا اور ان کے غبار آلودہ چہروں کو مس کرتے ہوئے ان کو جنت میں جو درجات ملیں گے اس سے متعلق باتیں کریں گے، حالات یہاں تک پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ پر وحی کریگا کہ اب میں اپنے بندوں میں سے ایک ایسی قوم کو نکالتا ہوں کہ جن سے جنگ کرنے کی دنیا میں کسی کے اندر طاقت نہیں ہے لہذا تم میرے تمام بندوں کو طور پر

Marfat.com

لے جاؤ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو نکالیگا جو تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ہر بلند جگہ سے نکل پڑیں گے۔"

(مرتب:۔ گویا دنیا میں اہل ایمان کی آبادی صرف اتنی ہی رہ جائیگی کہ کوہ طور پر سما جائے کیا یہ ممکنات میں سے ہے اور اگر ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہے)

پس یاجوج و ماجوج کا خروج کسی حال میں بھی ان اقوام پر صادق نہیں آسکتا جو تمدن اور حضارت کی راہوں سے قاہرانہ اور جابرانہ جنگ و پیکار کے ذریعہ سے دنیا پر غالب و قابض ہوتی رہی ہین اور کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یاجوج و ماجوج قبائل کی تاریخی بحث سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور جدید نبی بن کر اسلام کی اساسی اور بنیادی مسئلہ ختم نبوت کے خلاف تشکیل نبوت کی جدید طرح ڈالے اور اس طرح اسلام مین رخنہ انداز ہو کر دوست نما دشمن بنے۔

کیا ذوالقرنین نبی تھے:

ذوالقرنین کے تعین کے بعد یہ مسئلہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ ذوالقرنین نبی ہیں یا ایک نیک نہاد بادشاہ؟ سلفِ صالحین اور متاخرین کی اکثریت اس جانب ہے کہ ذوالقرنین صالحین میں سے ہیں اور نیک نفس بادشاہ اور وہ نبی یا رسول نہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں کہ جس میں ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے ان کا یہ قول مصرح موجود ہے:

"ذوالقرنین نہ نبی تھے نہ فرشتہ۔ وہ اہم انسان تھے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھا پس اللہ تعالیٰ نے بھی انکو محبوب رکھا"۔

حافظ ابنِ حجر نے اس روایت کو نقل کر کے اس کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ میں اس روایت کو حافظ حدیث ضیاء الدین مقدسی کی کتاب مختارہ کی احادیث سے بسند صحیح چنا ہے اور پھر فرماتے ہین کہ اس روایت میں ذوالقرنین کے متعلق یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قوم کی طرف بھیجا"۔

اس سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ لفظِ بعث تو نبوت و رسالت کے لیے بولا جاتا ہے پھر نبوت کے انکار کے کیا معنی؟ اس کے بعد خود ہی یہ جواب دیا ہے کہ "بعث" یہاں اپنے عام معنی میں جو نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے بولا جا سکتا ہے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بادشاہون میں سے ایک بادشاہ تھا اور اکثر کی یہی رائے ہے"۔

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی مسلک ہے کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے

Marfat.com

بلکہ ایک نیک اور صالح بادشاہ تھے۔ ''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نیک اور صالح بادشاہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال کو پسند فرمایا اور اپنی کتاب (قرآن) میں اس کی تعریف فرمائی اور وہ فاتح وکامیاب بادشاہ تھا''۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ بھی ذوالقرنین کو صالحین میں سے مانتے تھے۔ البتہ حضرت عمر بن العاص کی جانب یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ ذوالقرنین کو نبی مانتے تھے: ''عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نبی تھے''۔

اور حافظ ابن حجر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن کا ظاہر یہی بتاتا ہے مگر ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ کچھ نہیں دیتے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں: ''اور صحیح یہ ہے کہ ذوالقرنین عادل بادشاہوں میں سے تھا''۔

اور حضرت استاذ علامہ محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ کی تحقیق بھی یہی ہے چنانچہ عقیدۃ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں: ''کہ وہ ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا اور اسکا نسب قدیم سامیوں پر پہنچتا ہے''۔

پس ان نقول کے پیشِ نظر مولانا آزاد کا یہ فرمانا: ''تو صحابہ وسلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا۔ اپنے عموم کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ بیشتر سلفِ صالحین ذوالقرنین کی نبوت کے قائل نہین ہیں بلکہ ان کو ایک بادشاہ کی حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں البتہ بعض سلف کی رائے مین وہ نبی تھے۔

اسی طرح متاخرین میں ابن کثیر کے متعلق یہ کہنا بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ وہ ذوالقرنین کے نبی ہونے کی تائید مین ہیں اس لیے کہ سطورِ بالا میں ابن کثیر سے جو کچھ منقول ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ذوالقرنین اور خضر کا جو ایک جگہ ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اور اس مین خضر کی نبوت کی توثیق فرمائی ہے تو اس جگہ شاید ضمائر کے مرجع میں مولانائے موصوف کو مغالطہ ہو گیا ہے چنانچہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:۔

''اس لیے کہ اول (یعنی ذوالقرنین) ایک عبدِ مومن اور صالح تھا اور عادل بادشاہ اور اس کے وزیر خضر علیہ السلام تھے اور وہ (خضر) اس تحقیق کے مطابق جو ہم سابق میں بیان کر چکے ہین بے شک نبی تھے''۔

Marfat.com

بہر حال حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، امام رازیؒ، ابن کثیرؒ اور انکے علاوہ سلفِ صالحین اور متاخرین کی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ ذوالقرنین نبی نہین تھے بلکہ عادل صالح بادشاہ تھے پس جب کہ صحابہ اور سلف صالحین بلکہ متاخرین میں سے بھی اکثر اسی جانب ہیں کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے تو جمہور کا یہ رجحان بلاشبہ اس امر کی دلیل ہے کہ آیت قلنا ماذی القرنین میں خدائے تعالیٰ کی مخاطبت ذوالقرنین کے ساتھ اسی قسم کی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے قصہ میں ''اَوۡحَینَا'' کے اندر ہے:۔

''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ پر وحی کی کہ تو اس موسیٰ کو دودھ پلانا منظور کر لے''

اور یقیناً ان حضرات کا منطوق پر مفہوم کو ترجیح دینا بے وجہ نہیں ہے، خصوصاً جب کہ اس مخاطبت کو ''اَوۡحَینَا'' سے تعبیر کیا گیا اور نہ ''انزلنا'' اور نہ ''قلنا'' کے علاوہ ذوالقرنین سے متعلق آیات مین کوئی ایسا مؤید موجود ہے جو ''قلنا'' کی خطابت کو خطابت وحی قرار دیتا ہے۔ لہٰذا راجح مذہب یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی نہین تھے بلکہ عادل اور صالح بادشاہ تھے۔

بصائر

(۱) مطالبِ قرآن کی بصیرت کے لیے جس طرح لغتِ عرب معانی بلاغت و بیان صرف ونحو احادیث اور آثارِ صحابہؓ جیسے علوم کی معرفت ضروری ہے اسی طرح علم تاریخ کی معرفت ضروری ہے چنانچہ گزشتہ اقوام وامم کے حالات وواقعات کا علم حاصل کر کے انسے عبرت و بصیرت حاصل، کرنے کی ترغیب خود قرآن عزیز نے پرزور اسلوب بیان کے ساتھ دی ہے: ''کہہ دیجیے، زمین کی سیاحت کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا بلاشبہ تم سے پہلے (خدا کی مقرر کردہ) راہین گزر چکی ہین پس زمین کی سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والون کا انجام کیا ہوا۔

(۲) جہاں تک اسلام کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے اس مین سلف صالحین کا مسلک ہی بغیر چون وچرا دلیل راہ ہے اور اس سے تجاوز زیغ وگمراہی ہے لیکن جہان تک قرآن کے لطائف ونکات، معارف وعلوم، اسرار وغوامض اور علمی وتاریخی مطالب کا تعلق ہے اس کے لیے کسی زمانہ میں بھی درِ تحقیق بند نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: ''قرآن کے لطائف وحکم کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔''

خصوصاً جبکہ تاریخی مطالب کے حصول کے لیے آج کے ذرائع معلومات قدیم علوم تاریک کے ذرائع سے زیادہ وسیع ہو چکے ہیں تو سلف صالحین کے مسلکِ قدیم پر قائم رہتے ہوئے قرآنی حقائق اور اسکے تاریخی مباحث کی تفصیلات وجزئیات میں اقوال، سلف کا پابند نہ رہتے ہوئے قرآن کی

Marfat.com

تائید کے لیے قدیم تحقیق اٹھانا سلف صالحین کا اقتدا ہے نہ کہ ان کے مسلک سے انحراف، کیا کوئی اہل علم اور صاحبِ نظر اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے کہ ان مطالبِ تفسیری کے علاوہ کہ جن کے متعلق دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ارشاداتِ نبویؐ ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی اقوال کے خلاف یا ان سے جدا تابعین اور تبع تابعین کے اقوال بکثرت کتبِ تفسیر میں مذکور ہیں اور متاخرین علماء تفسیر، متقدمین کے اقوال پر نقد و جرح کرتے اور اختلاف رائے رکھتے نظر آتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص کی تحقیق قرآن عزیز کے مطالب کی خدمت ہی سمجھی جاتی ہے، البتہ اہلیت شرط ہے اور جو شخص بھی اس خدمت کے لیے اقدام کرے اس کا فرض ہے کہ فیما بینی وبین اللہ یہ غور و فکر کرے کہ وہ جس مسئلہ مین کوئی راہ اختیار کرتا ہے اس کے تمام مالہ اور ماعلیہ سے واقف ہے یا نہیں اور یہ کہ اس کی اس تحقیق سے قرآن کی مزید تائید ہی ہوتی ہے اور سلف صالحین کے بنیادی مسلک قدیم سے قطعاً تجاوز لازم نہیں آتا۔

(۳) عدل و ظلم کی حکومت کے درمیان ہمیشہ سے یہ امتیازی فرق چلا آتا ہے کہ عادل حکومت کا نصب العین اور عوام کی خدمت ہوتا ہے اور اس لیے عادل بادشاہ کا شاہی خزانہ رفاہ عام اور پبلک خدمات اور ان کی خوش حالی کے لیے ہوتا ہے اور وہ اپنی ذات پر ضروری حاجات سے زیادہ اس میں سے صرف نہیں کرتا اور نہ عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے اس کے برعکس جبر و ظلم کی حکومت منشاء بادشاہ اور حکومت کا اقتدار، ذاتی تعیش اور اس کا استحکام ہوتا ہے اور اس لیے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواہ کرتا ہے اور نہ انکی راحت و آرام کا خیال رکھتا ہے اور اس سلسلہ میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت کے مفاد و مصالح کے پیشِ نظر ضمنی ہوتا ہے نیز اس حکومت مین رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی اور اس ملک کی اکثریت افلاس و غربت ہی کا شکار رہتی ہے۔

ذوالقرنین چوں کہ ایک صالح اور عادل بادشاہ تھا اس لیے اس نے شمالی سیاحت میں اس قوم سے ٹیکس لینے سے انکار کر دیا جو یاجوج و ماجوج پر سد بنانے کے سلسلہ میں دینا چاہتے تھے اور اس نے صاف کہا کہ خدا نے مجھ کو حکومت و ثروت اس لیے۔ نہیں دی ہے کہ میں اس کو ذاتی تعیش پر صرف کروں بلکہ صرف اس لیے عطا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ سے مخلوقِ خدا کی خدمت انجام دوں۔ نیز اس نے جو ملک بھی فتح کیا اس کی رعایا پر عفو و کرم ہی کی بارش کی اور کبھی ان کو نہیں ستایا۔

Marfat.com

تجزیات مرتب

ابتدا میں ہم نے مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ترجمہ اس لیے دیدیا ہے کہ وہی سب سے زیادہ محتاط ترجمہ آیات ہے اگر چہ روانی سے محروم ہے۔ اس کے بعد ہم نے کسی تفسیر کے ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اس لیے کہ الفاظی اختلافات کے علاوہ بنیادی طور پر کسی بھی ترجمہ میں معنوی اعتبار سے کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے البتہ تفاسیر پر ہم کو اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا ہے۔ تجزیاتی تحریر میں میرے اپنے خیالات ہیں اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ اس سے متفق بھی ہوں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صدفی صد صحیح ہی ہو یہ میری اپنی رائے ہے اور میں انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی ممکن ہے۔ تاہم اگر کوئی صاحب میری کسی غلطی کی نشاندی کر سکیں تو میں ان کا ممنون ہونگا۔

میری اس کتاب کا محرک دراصل ایک کتاب ''فتنہ یاجوج ماجوج قران وحدیث کی روشنی میں'' مصنفہ جناب مولانا محمد ظفر اقبال صاحب استاد جامعہ اشرفیہ لاہور جس کے ناشر اریب پبلیکیشنز پٹودی ہاوس دریا گنج دہلی۔۱۱۰۰۰۲ نہیں ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فتنہ تاتار کی جسقدر تفصیلات اس میں جمع کر دی گئی ہیں وہ بہ یک وقت کسی ایک جگہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں تاہم اس میں بعض اعتبار سے تشنگی محسوس کی ہے خاص کر تفاسیر کی تفصیلات سے یہ کتاب کسی حد تک محروم ہے۔ مضمون لکھنا آسان ہوتا ہے لیکن دعوی اور جواب دعوی لکھنا مشکل ہوتا ہے اس میں مختصر مضمون میں ہی جامعیت پیدا کرنی ہوتی ہے۔ میری زندگی یا دفاتر کے فائلوں میں گذری ہے یا مقدمات کی جوابدہی میں خاص کر مسلم پرسنل لا بورڈ سے متعلق عدالتی مقدمات میں۔ بدیں وجہ مجھے از سر نو ترتیب پر یہ کام کرنا پڑا ہے۔ اکاہرین پر تنقید میں ممکن ہے کہ کسی جگہ قلم سے گستاخی ہوگئی ہو تنقید کا مطلب کسی طرح بھی میرے یہاں ان حضرات کے احترام میں کمی نہیں ہے۔

۱۔ تفسیر جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

بصد احترام گذارش ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ذوالقرنین کی تفسیر کا اکثر حصہ ان کے ذاتی قیاسات یا پھر اسرائیلی غیر مستند روایات پر مبنی ہے۔ دیوار میں سوراخ کو بر بنائے حدیث کہنا درست نہیں ہے یہ خالص اسرائیلی روایت ہے جسے لوگوں نے حدیث قرار دیدیا ہے اور یہ روایت قران کریم سے متضاد ہے۔ جب قران کریم میں بیان یہ ہے کہ یہ دیوار صرف حکم ربی سے اپنے وقت

Marfat.com

موعود پر منہدم ہوگی تو پھر کسی سوراخ کا تصور غیر قرآنی ہے کہ ایک اشارہ ہے قدرت الٰہی کا ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ حکم ربی ہو ہی جائے اس لیے یہ تصور کہ منہدم ہو ہی جائیگی نامناسب ہے۔

مزید براں یاجوج ماجوج کے خوف سے حضرت عیسی علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے جانے کی بات بھی ایک موضوع روایت محسوس ہوتی ہے اور یہ ایک نبی کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام دمشق میں وارد ہونگے اور یاجوج ماجوج کی دیوار وہاں سے جانب مشرق بہت فاصلے پر ہے اور کوہ طور اس کے مغرب میں بہت فاصلے پر ہے لہذا یہ امر غیر قیاسی ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا کوہ طور پر سمانا ممکن نہیں ہے۔

قرب قیامت پر اس دیوار کا انہدام متنازعہ فیہ ہے۔ وقت موعود کے سلسلے میں بعض مفسرین نے اس کے قرب قیامت ہونے سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے فتنہ تا تار کو اس سے تعبیر کیا ہے۔ فتنہ تا تار کی تفصیلات مولانا ظفر صاحب کی کتاب میں بہت واضح ہیں۔ خود مولانا انور شاہ کشمیری نے اقوام روس و یورپ کو یاجوج ماجوج کی نسلوں سے تعبیر کیا ہے اور اگر اس کو درست تسلیم کر لیا جائے تو صلیبی جنگوں کے واقعات ۱۸۵۷ کے بعد سے اقوام یورپ کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام کا پھیلاؤ جنگ عظیم کے بعد فلسطین کی تباہی اور کمیونزم کے پھیلاؤ کو لفظ فتحت کی تعبیر دینے پر مجبور ہونا پڑیگا۔ جس سے بعض حضرات نے شدید اختلاف کیا ہے اور اسے قرب قیامت کے قریب ہی کا واقعہ تسلیم کیا ہے جب کہ نزول عیسی علیہ السلام وجود میں آچکا ہوگا۔

مزید براں مولانا کی یہ رائے بھی مناسب نہیں ہے کہ دیوار ذوالقرنین ابھی تک نا معلوم ہے۔ اس ضمن میں جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفصیلی آراء جو ترجمان القران اور قصص القران میں تحریری شکل میں موجود ہیں کے بعد بہت واضح طور پر دیوار ذوالقرنین کی جگہ متعین ہو چکی ہے کہ وہ موجودہ داغستان میں طول البلد 43.1 اور عرض البلد 48.3 پر درہ داریال میں واقع ہے مولانا تھانویؒ کی اس رائے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک جغرافیائی معلومات بالعموم علماء کرام کی دسترس سے دور تھیں۔ ان کے مطالعات صرف علم ہیئت تک محدود رہتے تھے بلاشبہ علم ہیئت جغرافیہ کے علم کا بنیادی حصہ ہے لیکن خود جغرافیہ اس کے بعد شروع ہوتا ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج تک یہ جگہ روس کے قبضے میں ہے اور وہاں کے حالات ۳۰ سال پہلے تک آہنی پردہ کے پیچھے شمار ہوتے تھے اور مذہبی باتوں کی تو تحقیق کی وہاں کوئی گنجائش ہی نہیں تھی خاص طور پر مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کی کاوشوں پر تو حکومت کا سارا زور صرف ہوتا تھا۔

Marfat.com

ایک کمی اس تفسیر میں یہ بھی ہے کہ مولانا نے اپنے قیاسات کے لیے حوالہ جات تحریر کرنے سے گریز کیا ہے تاریخی واقعات تحقیقی حوالے مانگتے ہیں۔

مزید براں مولانا کے یہاں احادیث پر مضمون کے اعتبار سے ناقدانہ انداز کا فقدان نظر آتا ہے وہ ہر حدیث کو باوزن تسلیم کرتے ہوئے رائے قائم فرماتے ہیں۔

معارف القران از جناب مولانا مفتی شفیع صاحب:

مفتی شفیع صاحب نے بیشتر جگہوں پر جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی پر اعتماد کرتے ہوئے ان ہی کی رائے کو اپنی تفسیر کا حصہ بنالیا ہے تاہم بعض اموران کے اپنے قیاسات ہیں۔

مفتی صاحب نے ذوالقرنین کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ۔ ان سے ملاقات اور پاپیادہ سفر حج۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف اوران کے آنے کی خبر پر مکہ سے باہر نکل کر حضرت ابراہیم کا ذوالقرنین کے استقبال کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا ہے۔

مفتی صاحب نے معلوم نہیں کہ یہ بات کس طرح تحریر کردی کہ طوفان نوح کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں حالانکہ کشتی نوح میں اسی (۸۰) انسان مرد عورت تھے جن کی اولادیں اس زمین پر پھیلی پھولی ہیں ان میں حضرت نوح پر ایمان لانے والے بھی تھے۔ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کی تفصیلات پر مولانا نے دوسرے مفسرین پر اعتماد کیا ہے حالانکہ ان کے تضادات بھی اپنی تحریر میں مختلف جگہوں پر بیان کردئے ہیں پورے سمندر کا پانی پی کر خشک کردینا انسانی عمل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی سمندر کا پانی پینے کے قابل ہوتا ہے۔

وترکنا بعضہم کی آیات ۹۹ تا ۱۰۱ کو یاجوج ماجوج سے جوڑنا درست نہیں ہے یہ صرف صور پھونکنے کے بعد کے حالات کی تفصیل ہے جبکہ قبروں سے انسانوں کے غول کے غول برآمد ہونگے۔

وقت موعود اور فتحت یاجوج ماجوج کا قرب قیامت سے کوئی تعلق ہے یا نہیں ہے یہ مسئلہ احادیث سے مسلمہ ہے کہ تعلق ہے۔ مزید موت کے لیے سورہ یٰسین کی آیت ۵۱ کافی ہے اوراس مسئلے میں علامہ انور شاہ کشمیری ہی کی رائے کہ خروج کئی مرتبہ ہوگا کو بھی بالکل بے وزن کہنا درست نہیں ہے کہ یاجوج ماجوج روسی اور اقوام یورپ ہیں اور فتحت سے مراد ان کے دنیا پر حکومتوں کے غلبہ اور اسلام دشمنی مراد ہیں۔ البتہ اس سے اختلاف کے بھی امکانات کی گنجائش ہے۔

مفتی صاحب کی تحریر کا یہ حصہ قابل قدر ہے:

"زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسرائیلی قصوں کہاوتوں سے ہی پر ہیں جنکی نہ کوئی

Marfat.com

سند ہے اور نہ وہ کبھی کسی زمانے کے عقلاء وحکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں۔ حضرات مفسرین نے بھی اسی معاملے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب ان ہی تاریخی روایات کا مجموعہ ہے اسی لیے ان میں اختلافات بے شمار ہیں۔ قدیم وجدید علماء تفسیر نے بھی اپنی کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت سے ہی نقل کی ہیں''

ایک دوسری جگہ بھی تحریر فرمایا ہے یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں اور سد ذوالقرنین کہاں ہیں ان کے متعلق بہت بے سروپا عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں جن کو بعض مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کردیا ہے مگر خود ان کے نزدیک بھی قابل اعتماد نہیں ہیں۔

مجھے اجازت دیجئے کہ مندرجہ بالا تنقید سے جناب مفتی شفیع صاحب کو بھی بری نہیں کیا جاسکتا وہ بھی بکثرت ان روایات کو قبول کرتے ہیں اور تفسیر کا جز بناتے ہیں۔

تیسرے سفر میں مولانا کا سمت شمال کا تعین درست نہیں ہے بلکہ یہ سمت شمال ومشرق ہے تفصیل کے لیے آخر میں نقشہ ملاحظہ فرمائیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذوالقرنین اصلا ایرانی بادشاہ تھا۔

مزید براں مفتی صاحب کی یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ یاجوج ماجوج کی تعداد دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زاید ہے یا کم ازکم ایک اور دس کی نسبت سے ہے (یعنی یاجوج ماجوج بقیہ دنیا کی دوسری آبادی سے نوگنا ہیں) اور وہ انسان نہیں ہیں۔

بہرحال مفتی صاحب نے بھی بیشتر اسرائیلی روایات کو قبول کرتے ہوئے تفسیر تحریر فرمائی ہے۔ یہانتک کہ تمام سمندر کا پانی پی کر خشک کردینے کی بات کو بھی قبول کرلیا ہے۔

بخاری ومسلم کی حضرت زینب بنت جحش کی بیان کردہ حدیث کا یہ حصہ کہ دیوار ذوالقرنین میں سوراخ ہوگیا ہے موضوع معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس حصہ کو حدیث سے نکال دیا جائے تو ویل للعرب کے اشارے سے کلیتا فتنہ تاتار ہی قرار پایگا۔ اس لیے کہ فتنہ یاجوج ماجوج صرف عربوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ مفسرین نے غیر ضروری طور پر اس کی تاویلات فرمائی ہیں۔

علامہ کشمیری کا بغیر کسی حوالے کے یہ کہنا کہ اہل یورپ کا اس سد کے وجود سے انکار ہے درست نہیں ہے کسی محقق کی طرف سے ایسی بات نہیں کہی جاتی ہے وہ تو صرف اس حد تک کہدیتا ہے کہ اس کی تحقیق مجھے نہیں ہے مزید براں مولانا کشمیری کی یہ تحریر آج سے تقریباً اسی سال قبل کی ہے جبکہ اس پر تفصیلی تحقیقات بہت بعد میں اہل ایران اور اہل روس نے کی ہیں۔

آیات ۴ کلیتا قیامت کے وقت کے واقعات سے متعلق ہیں اور یاجوج ماجوج کے خروج

Marfat.com

سے ان کا کوئی تعلق ہے آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ قتل دجال اور خروج یاجوج ماجوج کے واقعات قرب قیامت سے منسوب ہی ہیں۔

ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لیے کافی ہوگا اور اس کے چھلکے کو چھتری بنا کر سایہ حاصل کرینگے۔ دودھ میں اسقدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگا ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کے لئے کافی ہوگا اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہوگا۔

مندرجہ بالا تمام باتیں اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں جن کو واضعین نے حدیث کا درجہ دیدیا ہے اور واضعین ہمیشہ ثقہ راویوں کا اظہار کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہر موضوع حدیث مرفوع شمار کر لی جاتی ہے۔

اگر ذرا بھی دانشورانہ انداز سے غور کیا جائے اور مولانا انور شاہ کی رائے کو باوزن تسلیم کر لیا جائے اور واثق باللہ کے خواب کو فتنہ تاتار سے تعبیر کر لیا جائے تو پھر مختلف خروج کے مفہوم میں اہل یورپ کی اسلام کے ساتھ صلیبی جنگیں کیمونزم کا پھیلاؤ اور جمہوریت اور سرمایہ دارانہ نظام کی عمومیت بھی خروج یاجوج ماجوج کا حصہ شمار کرنے کا بھی امکان ہوسکتا ہے بعض حضرات نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے اگرچہ یہ امر دوسرے حالات کی بنیاد پر درست نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ واقعات صرف ویل للعرب والے حصہ ہی کا جز شمار ہوتے ہیں۔

تفسیر ماجدی:

یہ عجیب بات مولانا ماجدی صاحب نے تحریر فرمائی ہے کہ

'روایات یہود میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے توریت لے کر واپس ہوئے ہیں تو آپ کے سر پر دو سینگ بھی نمودار تھے بلکہ آپ کی جو قدیم قلمی شبیہیں ملی ہیں ان میں سے بعض اسی صورت پر ہیں۔ (بحوالہ صفحہ ۱۵۰ ج ۳)

مولانا ماجد صاحب اپنی رائے کے مطابق سواد اعظم کی مطابقت میں سکندر رومی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں لیکن اسے موحد اور صاحب ایمان ہونے میں تذبذب اختیار فرماتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی تحریر ہے کہ وہ وقت کے دین توحید (یہودیت) کا ہمدرد تھا اور معبد یہود کی عظمت کرتا تھا۔

مولانا ذوالقرنین کے نبی ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ جب اسے صاحب ایمان ہی تسلیم نہیں کرتے تو نبی کس طرح تسلیم کر سکتے تھے۔

Marfat.com

یاجوج ماجوج کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں

بہ ظاہر یہ وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے اور کبھی کبھی موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔

وجہ تسمیہ یاجوج ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے اج سے کیا ہے جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے بعض نے انہیں اسماء عجمی کہا ہے۔

مندرجہ بالا آرا میں مولانا نے کسی حوالہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے ایسی حالت میں مولانا عبدالماجد صاحب کی مندرجہ بالا آراء کو قابل اعتبار شمار کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تلخیص تفہیم القرآن:

مولانا مودودی صاحب خورس بادشاہ ایران ہی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں تاہم ان کا خیال ہے کہ یہ موضوع مزید تحقیق کا موجب بنایا جاسکتا ہے۔

یاجوج ماجوج کے سلسلے میں ایشیا کی سنھنین اقوام جو قدیم زمانے میں متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی تھیں کو ہی مراد لیا جاسکتا ہے۔

موضح القرآن:

حاشیہ شاہ عبدالقادر صاحب ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب

میں بہت مختصر رائے کا اظہار کیا گیا ہے جو دوسروں سے قدرے مختلف ہے مثلاً ''ذوالقرنین اس بادشاہ کو کہتے اس واسطے ہیں کہ دنیا کے دونوں سروں پر پھر گیا تھا۔ ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ دیکھیں دنیا کیسی ہے اور کہاںتک ہے سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا۔ جہاں دلدل تھی نہ گذر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔

یاجوج ماجوج عرب کی زبان میں نام ہے ایک قوم کا جو دو دادوں کی اولاد ہے ایک کی یاجوج ایک کی ماجوج۔ نہیں معلوم ان کے ملک میں ان کا کیا نام تھا ترکوں کے ملک سے لگتے تھے۔ اور قوم میں ترکوں کے بھائی تھے۔

حضرت رسول ﷺ کے وقت میں اس دیوار میں ایک روپیہ کے برابر سوراخ پڑ گیا تھا حضرت عیسی علیہ السلام کے وقت ان کے نکلنے کا وعدہ ہے سب دنیا کو لڑائی سے عاجز کر دینگے۔ آسمان پر تیر چلائینگے وہ لہو بھرے لوٹ کر آئینگے۔ آخر حضرت عیسی علیہ السلام کی بددعا ہے وہ یکبارگی سارے

Marfat.com

مر جائینگے۔

مرتب: یہ حدیث موضوع محسوس ہوتی ہے۔

عہد نامہ قدیم (تورات) و عہد نامہ جدید (اناجیل اربعہ و مکاشفہ یوحنا):

اس کی تفصیلات سے یاجوج ماجوج کی تحقیق میں معاونت ملتی ہے بہ آسانی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ انسانی اقوام ہیں اور حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں آخر کتاب میں مرتبہ شجرہ بھی اسی عہد نامہ کی امداد سے تیار شدہ ہے مزید براں عہد نامہ جدید کے یوحنا کے مکاشفہ سے بھی یاجوج ماجوج کی تفصیلات پر روشنی پڑتی ہے۔

تفسیروں میں اسرائیلی روایات کتاب سے ہمارے مذکورہ بالا قیاسات کا جو ہم نے تفاسیر کے سلسلے میں کیے ہیں کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب بہت اہم ہے رسالہ راہ اسلام کے مضامین بیشتر مولانا آزاد کی تحقیقات پر مبنی ہیں لہذا ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے وہ بھی ایرانی بادشاہ کے خسرو ہی کو ذوالقرنین قرار دیتے ہیں۔

ترجمان القران از مولانا ابوالکلام آزاد:

قبل اس کے کہ ہم مولانا آزاد کی تفصیلات ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج پر کوئی تبصرہ کریں دوسری تفاسیر کے بارے میں مولانا آزاد کی درج ذیل آرا ہماری توجہ کی محتاج ہیں

اقتباس از مقدمہ ترجمان القران:

''چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا اور شواد ر و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ تقلید کی شاہراہ بن گئی اس داع عصال نے جسم تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اٹھاتا تھا کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا تھا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو ضروری ہے کہ نویں صدی تک کی تفسیروں میں وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کر کے معاملہ کی اصلیت کیا ہے۔ معلوم کریں۔

رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیہ دیکھو ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس قدر قوت تصنیف رائیگاں گئی ہے۔

اشکال و موانع کا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ کرام اور سلف

Marfat.com

کی روحیں لزرتی رہتی تھیں۔

مرتب: حاشیہ نگاری کے ذریعہ اپنی رائے کے مطابق تطبیق کی ایک ہی مثال آپ کے لئے کافی ہے۔ بخاری شریف باب فی غلبہ الروم میں رسول اللہ ﷺ کے ایک خواب کی بشارت ہے کہ قسطنطنیہ پر بحری راستے سے حملہ کرنے والے لشکر کا ہر شخص مغفور ہے مگر چونکہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہ ہے لہذا قسطلانی صاحب حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مغفرت اس وقت ممکن تھی جب یہ لوگ واجب المغفرت بھی ہوتے۔ غور فرمائیں کہ کیا باری تعالیٰ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ اس وقت واجب المغفرت ہونگے۔

اب ہم آپ کی توجہ بخاری شریف اور ترمذی شریف کی حدیث زینب جحش پر مبذول کراتے ہیں۔

واضح رہے کہ احادیث کے سلسلے میں مسائل کی احادیث پر تو جرح قدح اصحاب اسماء الرجال نے مکمل طور پر کی ہے لیکن فضائل اور دوسری احادیث کو ایسے ہی چھوڑ دیا ہے۔

مزید براں واضعین حدیث نے اپنی احادیث میں راوی سب ثقہ لیے ہیں جسکا ثبوت امام احمد ابن حنبل اور یحیٰ بن معین کا واقعہ ہے کہ ایک واعظ نے ان کے حوالہ سے حدیث بیان کی جبکہ انہوں نے یہ حدیث بیان بھی نہیں کی تھی امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین نے اس سے معلوم کیا کہ ہم نے تو یہ حدیث بیان نہیں کی ہے تو اس کا جواب تھا کہ سنتے تھے کہ یحیٰ بن معین بیوقوف ہیں آج معلوم ہو گیا میں بیس یحیٰ بن معین کو جانتا ہوں اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ لہذا کسی حدیث کو صرف راویوں کی بنیاد پر ہی تسلیم نہیں کیا جا سکتا نفس مضمون پر بھی غور ضروری ہے۔

اولاً تو یہ حدیث ہے ہی نہیں کعب احبار کی بیان کردہ اسرائیلی روایت ہے جو حضرت عمر کے عہد میں ایمان لائے اور اس سے پہلے یہودی عالم تھے اور امام مالکؒ کے پاس ان کی بیٹھک بہت تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بھی بیٹھتے تھے ان کے ذریعہ بہت سی اسرائیلی روایات کو بعض لوگوں نے حدیث بنا دیا۔ آپ زینب بنت جحش کی حدیث کی تنقید کو مولانا محمد ظفر اقبال صاحب کی کتاب کے حصہ میں اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ یہ حدیث قرانی آیت کے خلاف ہے قران کسی وقت مقررہ پر اس سد کے انہدام کی بات کہتا ہے تو پھر سوراخ کی بات درست ہو ہی نہیں سکتی اور ایک روپیہ کے برابر سوراخ کا حاصل کسی قوم کے فتحت ہونے کا حامل ہو ہی نہیں سکتا اور یہ انہدام قرب قیامت میں ہوگا بشرط وجود حکم ربی ہے یہ بھی تو

Marfat.com

ممکن ہے کہ حکم ربی صادر ہی نہ ہو ویل للعرب کی بات عرب قوم کے نقصان کے تذکرے سے متعلق ہے جبکہ یاجوج ماجوج کا حادثہ پوری دنیا کا حادثہ ہے جبکہ ویل للعرب۔ رسول ﷺ کے بعد ہونے والے قتل عمر قتل عثمان۔ اور بربادی بغداد بذریعہ تاتار کی پیشین گوئی ہے۔ دو علحدہ علحدہ چیزیں ہیں جو کسی غلطی کی بنا پر ایک حدیث بنادی گئی ہے اور سوراخ والی بات تو حدیث ہو ہی نہیں سکتی اسرائیلی روایت ہے۔

دراصل یہی حدیث تقاسیر میں غلط بیانیوں کا پیش خیمہ ہے۔

ترجمان القران از مولانا ابوالکلام آزاد:

ترجمان القران میں مولانا ابوالکلام آزاد نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اگر چہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ان کی بعض آرا سے اختلاف بھی فرمایا ہے۔ مولانا آزاد نے ایک طرف تو اس جگہ کی نشاندہی دلائل اور مشاہدات کے ساتھ کردی ہے جہاں ذوالقرنین نے یہ دیوار بنائی ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ دیوار آج بھی موجود ہے مزید براں انہوں نے فتحت یاجوج ماجوج کے واقعہ کو قرب قیامت کے وقت سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مردوں کے غول در غول اٹھ آنے کا یاجوج ماجوج کے کھل جانے کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ان کے نزدیک واقعہ تاتار ہی فتحت یاجوج ماجوج ہے۔ اور بہت وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ سنتھین اقوام کا غیر متمدن حصہ ہی یاجوج ماجوج تھا اگر چہ بعض حضرات نے اس سے شدید اختلاف کیا ہے۔

سب سے اہم چیز جو مولانا نے بہت یقین کے ساتھ تحقیق کی ہے وہ ہے کہ ذوالقرنین کی شخصیت ایرانی بادشاہ سائرس کی ہے جو کیخسرو کے نام سے بھی مشہور ہے ان کی تفسیر کا بیشتر حصہ سائرس کے ذوالقرنین ثابت کرنے پر ہے جو بہت مضبوط دلائل کی بنیادوں پر ہے مولانا نے ایک نقشہ کے ذریعہ دیوار کی جگہ کا تعین بھی فرمایا ہے۔

مولانا آزاد نے یاجوج ماجوج قوم کے تعین میں بھی بہت اہم شواہد پیش کیے ہیں اور متعین کیا ہے کہ سنتھین قوم کا وحشی طبقہ ہی یاجوج ماجوج ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارے مفسرین کی اکثریت قوموں کی تہذیبی تاریخ سے نابلد رہی ہے اور تقلید جامد کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ اور صرف فتحت یاجوج ماجوج کے بعد قیامت کے واقعات کے تذکرے کی وجہ سے اسے قرب قیامت کا واقعہ قرار دیدیا ہے حالانکہ اس کا مفہوم سورہ یٰسین کی آیت ۵۱ کے مطابق صور پھونکے جانے کے بعد قبروں سے مردوں کا نکلنا ہے۔ اس دیوار کی تعمیر کا مقصود اس وقت کے یاجوج ماجوج جو وحشی قبیلے تھے کے

Marfat.com

حملوں کا روکنا ہے۔ ذوالقرنین کا یہ قول کہ وقت موعود پر جب خدا چاہیگا تو یہ دیوار ٹوٹ جائیگی میں یہ مفہوم بھی تو مضمر ہے کہ خدا نہ چاہے تو یہ دیوار قیامت تک باقی رہجائے۔ مزید براں جو قبیلے تہذیبی ارتقا کے بعد وحشی نہ رہے تو ان پر یاجوج ماجوج کا اطلاق ہی نہ رہا لہذا بعض علماء کی یہ رائے کہ ان قبیلوں کی نسلیں روسی اور یوروپین اقوام ہیں اور ان کی حکومتوں کے سابقہ دوصدیوں کی وسعتوں کو فتحت سے تعبیر کرنے کو بھی بے وزن قرار نہیں دیا جاسکتا مزید براں تنہا تاتاری حملوں کو فتحت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا فتحت کا مفہوم صرف اس قوم کا پھیلاؤ ہی لیا جاسکتا ہے خود رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کی بعثت کے وقت اور وقت قیامت میں بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔

ایک اہم بات جو مولانا آزاد نے تحریر فرمائی ہے کہ وہ ہے کہ دین زرتشت اصلا ایک صحیح الہامی دین تھا جس کا پیرو اور مبلغ ذوالقرنین تھا اور بہت بعد میں یہ دین تحریفات کی نذر ہو کر ایک مشرکانہ دین بنا۔ یہ امر قابل غور ہے اور اس دین کی تحریفات کی تاریخ پر بہت کچھ کام کیا جانا چاہئے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں آریہ اسی محرف دین کو لیکر آئے ہیں جو بعد میں آتش پرستی اور بت پرستی کا دین بن گیا۔ آریہ دور میں یہ ویدک دین تھا سناتن دھرم بہت بعد میں برہمنوں کی دین ہے۔ اور انہوں نے ہی ویدوں میں تحریفات کی ہیں۔ بعض علماء فرنگی محل کی رائے میں ویدوں کے محرف صحائف ابراہیمی ہونے کا بھی امکان ہوسکتا ہے۔

کتاب ذوالقرنین اور یاجوج اور ماجوج مصنفہ مولانا ظفر اقبال صاحب:

اس کتاب میں سب سے اہم بات فتنہ تاتار کی تفصیلات ہیں۔

دوسری چیز ایک باب یاجوج ماجوج کا تعارف کرایا ہے کہ وہ حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں جس کی تفصیل ہم نے آخر میں شجرہ کے طور پر دی ہے۔

مصنف نے بیشتر معاملات پر مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی پر انحصار کیا ہے البتہ کسی جگہ ان سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کی حیثیت ابھی تک غیر تحقیق شدہ ہے۔ لیکن مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے کہ یاجوج ماجوج روسی اور اہل یورپ ہیں کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مناظر حسن صاحب گیلانی کے حوالے سے اس سے عدم اتفاق کیا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں یاجوج ماجوج کے حوالے سے کچھ عبارات نقل کی ہیں۔

رگ وید میں یاجوج ماجوج کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے۔

Marfat.com

ایک مفصل باب ذوالقرنین کون تھا پر دیا ہے۔

حضرت تھانوی کے بیان القران سے ان کا تفسیر حصہ نقل کیا ہے لیکن ان کا یہ فرمانا قطعاً قران کریم کی آیات سے متضاد ہے جس کے لیے نامناسب دلائل سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پھر ساتھ ہی دیوار ذوالقرنین کی جگہ کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ گیارہ احادیث اس میں نقل کی گئی ہیں جس میں سب سے اہم حضرت زینب بنت جحش کی حدیث بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ حدیث متصادم قران ہے لیکن محض روایت ثقہ ہونے کی بناپر اس کے لیے نامناسب دلائل اختیار کیئے گئے ہیں۔ میرے نزدیک ویل للعرب کے ساتھ یاجوج ماجوج کا اضافہ یا تو موضوعی ہے یا یہ ایک علحدہ حدیث ہے جس کو اس حدیث سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اور اگر اس کو نکال دیا جائے تو ویل للعرب سے مراد حضرت عثمانؓ سے لیکر فتنہ تا تارتک کے واقعات پر اس حدیث کا یہ حصہ پورے طور پر منطبق ہے اور خروج یاجوج ماجوج سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ دیوار میں سوراخ والا حصہ خلاف قران ہے اور یہ اسرائیلی روایت ہوسکتا ہے جس کو بعد میں اضافہ کردیا ہو بقیہ دس احادیث کی حیثیت بھی اسرائیلی روایت سے زیادہ نہیں مگر محض ثقہ راویوں کی بناپر ان کی تطبیق کی کوشش ناکام ہوئی ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ واضعین حدیث نے ہمیشہ ثقہ راویوں کے حوالے سے ہی احادیث وضع کی ہیں اس ضمن میں میں نے کسی کسی جگہ نوٹ مرتب کے عنوانات سے اپنی رائے درج کردی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حدیث معمولی حیثیت میں درایت پر پوری نہیں اترتی۔

اس میں خاکسار نے اپنی آرا کا اظہار اصل مضمون میں مرتب کی حیثیت مختلف جگہوں پر کردیا ہے لہذا کسی تفصیلی تجزیہ کی ضرورت یہاں محسوس نہیں ہوتی۔

ہمارا دوسرا سوال یہ کہ یاجوج ماجوج کون ہیں:

اس سلسلے میں مولانا حفظ الرحمٰن۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد ظفر اقبال صاحب کی کتاب کی تفصیلات بہت کافی ہیں جس کا مفہوم ہے کہ یہ قومیں آریانہ علاقہ کی خانہ بدوش قومیں تھیں البتہ یہ بات کسی طور پر درست نہیں ہے کہ ترک یاجوج ماجوج کی آبادی کا وہ حصہ ہیں جو سد کے پہلی طرف رہائش پذیر تھے۔ یہی بات مولانا سیوہاروی نے صفحہ ۱۹۵ پر فرمائی ہے۔

قرانی بیان واضح کرتا ہے کہ یاجوج ماجوج پہاڑ کے کسی ایک طرف رہائش پذیر تھے اور

Marfat.com

دوسری جانب وہ مظلوم قوم تھی جسکا سرمایہ بہت ہی تھوڑا ہوتا۔ اور جس کو یاجوج ماجوج لوٹا کرتے تھے ایسی صورت میں یہ داستان کہ یاجوج ماجوج کے ۲۲ قبیلے تھے ۲۱ ایک طرف اور ایک طرف اور یہ ایک طرف والے ترک کہلائے ناقابل قبول داستان ہے۔ اس لیے کہ ترک عربی زبان کا لفظ ترک یا ترِک کا مفہوم چھوڑنے والے یا چھوڑ دیئے گئے کے ہیں اور اس علاقہ کی زبان عربی نہیں ہے۔ موجودہ ترک آریا نسل کا ایک حصہ ہیں جو اپنے اجداد کے نام پر ترک اور منگول کہلائے۔ منگول جب ہندوستان کی سلطنت پر قابض ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو مغل کہلانا شروع کر دیا جبکہ اس سے قبل شہاب الدین غوری سے لیکر خلجی خاندان سب ترک نسل سے تھے۔ توریت اور حزقی ایل کی عبارت کے مطابق یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد کے کسی وقفہ کے لوگ ہیں مولانا آزاد کے مطابق یاجوج ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق (تورات) میں آیا ہے حزقی ایل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے صفحہ ۵۰۹ کے بعد مولانا آزاد نے نقشہ دیا ہے جس میں سد ذوالقرنین کی نشاندہی کی ہے بہر حال مولانا آزاد کی تحریر سے جناب مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے کہ روسی یاجوج اور اہل یورپ ماجوج کو تقویت ملتی ہے۔ خواہ قابل تسلیم نہ ہو سکے۔

مزید براں ۸۹ پر جناب حنیفہ بن اسعد کی حدیث میں زبان مبارک ﷺ نے آغاز قیامت میں دور قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کے خروج کی بات کی ہے اور خروج میں حصول اقتدار بھی آجاتا ہے اور اگر ہم ان تفاسیر سے اسرائیلی روایات کا حصہ نکال دیں تو مولانا انور شاہ کشمیری کی بات کسی حد تک باوزن شمار ہو سکتی ہے لیکن مولانا مناظر حسن گیلانی کی رائے میں مذکور دلائل سے انکار بھی آسان نہیں محسوس ہوتا ہے۔

اب تیسرا سوال ہے کہ یہ سد کہاں ہے:

مولانا آزاد نے اپنے نقشہ کے ذریعہ اسے کاکیشیا کے علاقہ میں بتایا ہے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بڑی تفصیلی بحث کے بعد اسے سمرقند کے محاذات میں بتایا ہے۔ اور صفحہ ۲۰۱ جلد ۳ میں درہ داریال کے قریب بتایا ہے یہی رائے مولانا آزاد کی ہے تفصیل کے لیے مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کو اسی کتاب میں پڑھیں۔ مولانا آزاد کی صفحہ ۵۲۷ کی تحریر اور راہ اسلام کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دیوار موجود ہے خود مولانا سیوہاروی کی تحریر صفحہ ۲۰۵ کے مطابق یہ دیوار موجود ہے اور کاکیشیا کے درہ داریال پر ہے اور فیض الباری ج ۴۔ صفحہ ۲۳ کی یہ تفصیل کہ یہ سد اب

Marfat.com

ٹوٹ ہو چکی ہے بے بنیاد ہے۔ یاجوج ماجوج کے پھیلنے اور فتنہ اٹھانے سے اس دیوار کا ٹوٹنا لازم نہیں آتا۔ اور حضرت قتادہ کی حدیث کہ کسی نے یہ دیوار دیکھی ہے اور ایسی ایسی ہے اور اس کے بعد اور رسول کریم کی اس کی بیان کردہ کیفیت کی توثیق تصدیق کے بعد تو اس دیوار کے وجود کا ہمارے اوپر اس کی تحقیق کر کے دنیا کے سامنے لانا فرض ہو جاتا ہے۔

اب چوتھا سوال یہ ہے کہ ویل للعرب کی حقیقت کیا ہے:

دراصل اس میں یاجوج ماجوج کا اضافہ موضوعی ہے اس لیے کہ یاجوج ماجوج کے فتنوں کا صرف عربوں سے ہی تعلق نہیں ہے بلکہ ساری دنیا سے ہے لہذا اس کا مفہوم کلیتاً رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جو فتنے قتل حضرت عمر، قتل حضرت عثمان قتل حضرت علی۔ جنگ جمل اور ان کے بعد تاتاریوں کا بغداد کی تباہی پر صادق آتا ہے تاتاری تباہی کی تفصیل مولانا محمد ظفر اقبال کی کتاب کے صفحہ میں دی ہوئی ہے جس کی تفصیل شامل کتاب ہذا ہے۔

میری رائے میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تفصیلات سے ذوالقرنین کی دیوار کا تعین ہو جاتا ہے اور مولانا ظفر اقبال صاحب کی تفصیلات سے مجوزہ موضوع احادیث کی مکمل کیفیت واضح ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کے اسرائیلی روایات ہونے کی تصدیق کتاب اسرائیلی روایات سے ہو جاتی ہے۔ نقشہ اٹلس میں اس جگہ کی جہاں دیوار ہے واضح نشاندہی کر دی گئی ہے اس طرح مضمون کی تشنگی کا ازالہ کما حقہ ہو گیا ہے تاہم زاید تحقیق کے دروازے کبھی بند نہیں ہوا کرتے لہذا میں درخواست گذار ہوں کہ دوسرے حضرات اس میدان میں توجہ فرمائیں کیونکہ میرا یہ دعوی قطعاً نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے تجزیاتی طور پر لکھا ہے وہ صدفی صد درست ہے۔ صرف میری بھرپور کوشش کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

قرب قیامت کے مفہوم پر ایک نوٹ

ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے واقعات میں بعض جگہ قرب قیامت کا ذکر آیا ہے۔قرب قیامت کا صحیح مفہوم کیا ہے اس مسئلہ پر ہمیں درج ذیل اقتباسات پر نظر ڈالنی چاہئے۔

ا۔مشکوۃ شریف جلد سوم۔ناشر کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔باب قرب ساعت فصل دوم صفحہ ۵۳

حدیث ۵۲۷۷۔حضرت مستورد بن شدادؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے" میں قیامت کی ابتدا میں بھیجا گیا ہوں۔پھر میں قیامت سے اتنا بڑھ گیا جتنا یہ انگلی (درمیانی انگلی) اس انگلی (یعنی شہادت کی انگلی) سے بڑھی ہوئی ہے۔یہ کہکر آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا (ترمذی شریف)

حدیث ۵۲۷۸۔حضرت سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ میری امت اپنے پروردگار کی نظر میں اتنی عاجز نہیں ہے کہ اس کا پروردگار اس کو آدھے دن کی مہلت اور دے دے اور قیامت قائم نہ کرے۔سعد بن وقاص سے پوچھا کہ آدھا دن کتنا ہوتا ہے جس کا ذکر نبی کریم ﷺ نے ؛فرمایا ہے۔انھوں نے کہا پانچ سو برس (رواہ ابوداؤد)

سیرت حلبیہ جلد اول (طباعت سلسلہ ماہانہ)

صحاح کے طریقے سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ دنیا سات دن کی ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ظہور آخری دن میں ہوا ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا عبارات سے ظاہری مفہوم درج ذیل سمجھ میں آتا ہے

درمیانی انگلی۔شہادت کی انگلی سے تقریبا چھٹا حصہ بڑھی ہوتی ہے۔اگر مشکوۃ شریف کی احادیث اور سیرت حلبیہ کے اقتباس پر اعتبار کرلیا جائے اور یوم قیامت کو ایک ہزار سال تسلیم کرلیا جائے تو یوم قیامت کا آغاز رسول اکرم ﷺ کی پیدائش (ظہور سے مراد اگر نبوت لی جائے) تو بعثت کے (۱۰۰۰÷۶=۱۶۷) سے ۱۶۷ سال بعد ہوگا۔اگر اس وقت تک نسئی کی آیات منسوخی کا نزول ہو چکا ہے تو یہ سال قمری شمار ہونگے اور وہ نزول آیات اس وقت کا ہے جب آیات نسی کی منسوخی کا حکم نازل نہیں ہوا ہے اور ہر تیسرے سال ایک ماہ کا اضافہ کرلیا جاتا ہے تو یہ سال شمسی شمار ہونگے قمری سال کے اعتبار سے یوم قیامت رسول کریم ﷺ کی پیدائش یا نبوت کے ۱۱۶۷ سال بعد ختم ہوگا اور اس میں مزید نصف یوم کے اضافہ کے بعد ۱۶۶۷ سال قمری پر قیامت کا دن ختم ہوگا۔ابھی ۱۴۳۰ ہجری ہے پیدائش

Marfat.com

کے اعتبار سے ۱۴۸۳/ھ اور بعثت کے اعتبار سے یہ ۱۴۴۳واں سال ہے یعنی نزول قیامت کے صور میں صرف ۲۲۴سال یا ۲۷۷سال قمری باقی ہیں (224=1667-1443) اور اگر ان آیات کا نزول اس وقت کا ہے جب کہ سال کے شمار میں نسئی کا طریقہ ممنوع نہیں ہوا ہے اور سال ۳۶۵ دن ہی کا شمار کرنے کے لئے ہر تیسرے سال ایک ماہ بڑھا کیا جاتا ہے تو یہ مدت مزید بڑھ سکتی ہے۔ لیکن یہ سب میرا اپنا قیاس ہے کوئی ضروری نہیں ہے کہ درست بھی ہو البتہ جب ہم دنیا کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں۔

ایجادات کی تیز رفتاری۔ تباہ کن ہتھیاروں کی افزائش۔ اخلاقیاتی قدروں کی پامالی۔ مذہب بیزاری اور اس کے نام پر دوسروں کی بربادیاں۔ زنا عام۔ جوا۔ شراب خوری عام۔ بنکوں کے توسط سے سودخوری عام۔۔ نااہل اور ناہنجار لوگوں کا حکومتوں پر قابض ہو جانا۔ فلسطینیوں اور یہودیوں کی جنگ کا آغاز جو شاید رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی والی جنگ بھی شاید ثابت ہو سکے اور دنیا کے بڑے حصہ کو تباہ کر کے دابۃ الارض کا کفر و اسلام کی نشاندہی کا کام آسان کر دے چاند پر انسان کا پہنچنا یعنی لترکبن طبقا طبقا کی تکمیل ہوا چاہتی ہے ملحدانہ عقائد دن بدن فروغ پا رہے ہیں خود مسلمان دین حق سے دور ہو رہے ہیں اس کے بعد ہمیں یقین کر لینا ہی ہوگا کہ قرب قیامت کی بقیہ پیشین گوئیاں بھی بہت جلد ظہور پذیر ہو جائینگی اور قحت کا مفہوم بھی شاید کچھ دوسرا سامنے آجائے۔

لہذا قرب قیامت کے مسئلے پر ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ ہم قرب قیامت کے آخری دور سے ہی گزر رہے ہیں۔

میری یہ کاوش تحقیقی ابتداء ہے اور ابتدا سے اختلاف ممکن ہوا کرتا ہے اور اس میں غلطیوں کا بھی امکان رہتا ہے۔ لہذا میرا یہ دعوی نہیں ہے کہ میں نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہی حرف آخر ہے۔ میں اپنے قارئین کو یہ حق دیتا ہوں کہ وہ مجھے جس خطاب سے نوازنا چاہیں نواز سکتے ہیں میں اس کا برا نہیں مانونگا۔ مجھ سے اگر کسی مسئلہ پر معلومات چاہیں تو میرا پتہ درج ذیل ہے۔

میری خواہش ہے کہ کوئی صاحب اس موضوع پر مزید تحقیق کریں۔

نیاز مند
حکیم ظل الرحمن

بی۔۲۹، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵
Ph.: 65357010, 9891084798

Marfat.com

شجرہ یاجوج ماجوج از روئے تورات باب پیدائش

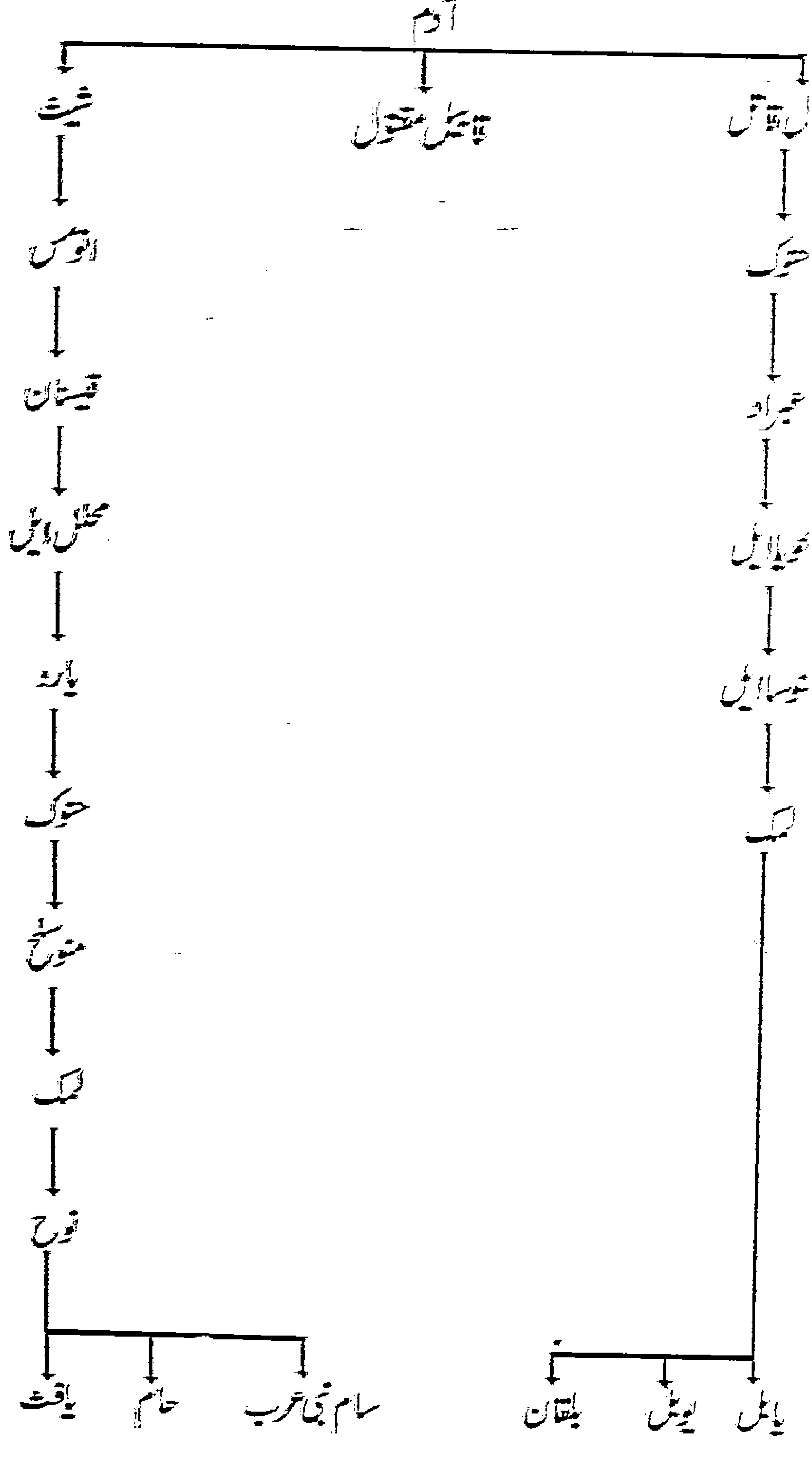

Marfat.com

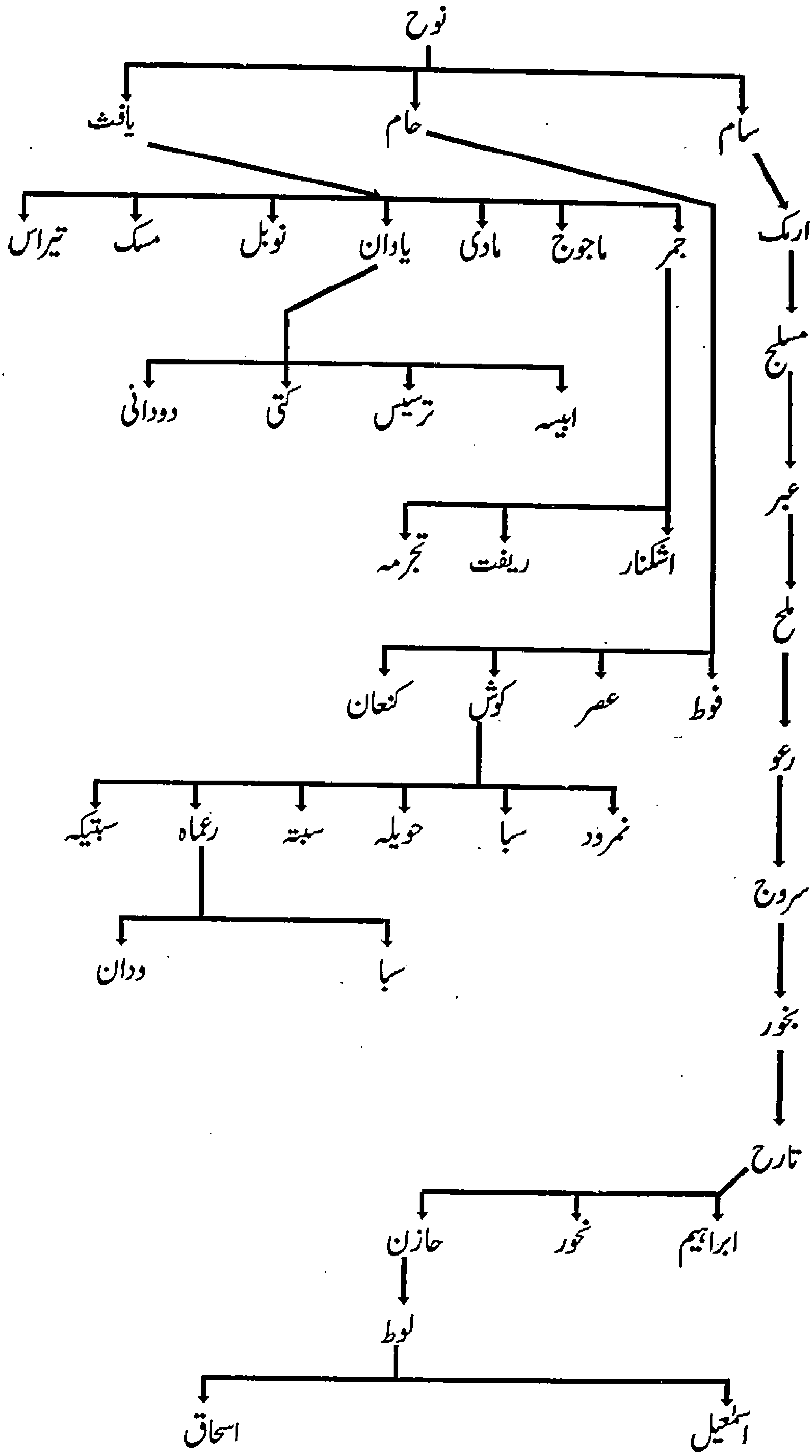
نوح
یافث
حام
سام
ارمک
تیراس
مسک
نوبل
یاوان
مادی
ماجوج
جمر
مسلج
دودانی
کتی
ترسیس
ابیسہ
عبر
تجرمہ
ریفت
اشکنار
ملح
کنعان
کوش
عصر
فوط
رعو
سبتیکہ
رعماہ
سبتہ
حویلہ
سبا
نمرود
سروج
ودان
سبا
بخور
تارح
حازن
نخور
ابراہیم
لوط
اسحاق
اسمٰعیل

Marfat.com

اعتذاز

محترم حضرات!

مجھے اس امر کا احساس ہے کہ مجھ جیسی کم علم شخصیت کو اکابرین کرام کی تفاسیر اور احادیث پر بحثیت مرتب قلم اٹھانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا اس لیے کہ میں تو ان حضرات کی جوتیاں سیدھی کرنے کا بھی اہل نہیں ہوں۔

لیکن قرانی تحقیقات پر جو جمود طاری ہو گیا ہے اور جس کو پہلی بار مولانا آزاد نے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر کی تفسیر میں توڑا ہے کے مشن کو آگے بڑھانا بھی امت پر فرض کفایہ ہے۔ نیک نیتی اور خلوص سے کی گئی اجتہادی غلطی قابل معافی ہوتی ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں دوسرں کو تحقیق کا اور صحیح بات کی تلاش کا موقعہ ملتا ہے اور تلاش صحت کی جستجو برقرار رہتی ہے۔

قرانی تحقیق کا کام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب ہم دوسری آسمانی اور مذہبی کتابوں کا بھی مطالعہ کریں۔ الحمد للہ میرے پاس چاروں انجیل۔ انجیل برناباس توریت۔ معہ صحائف موسیٰ۔ زبور یجر وید۔ رگ وید اردو میں اتھر وید ہندی میں گرو گرنتھ صاحب انگریزی میں اور اقوال نانک اردو میں موجود ہیں۔ ساتھ ہی قران کریم کی آیات کا شان نزول اور سیاق و سباق کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

اختلاف رائے کوئی نامناسب شے نہیں ہوا کرتی بشرطیکہ نیک نیتی سے ہو اور اپنی تحقیق کو حرف آخر نہ سمجھا جائے نیز اس میں کسی بھی صورت میں اکابرین کا احترام متاثر نہ ہو خواہ آپ نے ان کی رائے سے کتنا ہی عدم اتفاق کیا ہو۔

اس کتاب میں مختلف جگہ پر خصوصاً مولانا ظفر اقبال صاحب کی کتاب کے اقتباسات پر بحثیت مرتب میں نے نوٹ تحریر کیے ہیں جو میری ذاتی رائے ہیں کوئی ضروری نہیں کہ آپ ان سے اتفاق فرمائیں مگر عدم اتفاق کے لئے بھی کوئی دلیل ہونی چاہیے محض تقلیدی اعتقاد مناسب نہیں ہے۔

Marfat.com

ترجمہ متن معلومات بزبان انگریزی حاصل شدہ بذریعہ

انٹرنیٹ

نوٹ: انگریزی زبان میں ان کا حصول میرے صاحبزادے عبدالحنان صاحب اور اس کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سلطان صاحب دہلی۔ جناب موجی خانصاحب رٹائرڈ A.C.P دہلی اور جناب ڈاکٹر محمد مستقیم صاحب امروہہ کی محنتوں کا مرہون منت ہے۔ دعا گو ہوں کہ باری تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔

☆☆☆☆☆

شہر دربند۔ صوبہ داغستان مملکت روس

داغستان روسی وفاق کی سب سے بڑی قفقاز (کاکیشین) جمہوریہ ہے جس رقبہ ۵۰۳۰۰ مربع کلو میٹر اور آبادی ۲۱ لاکھ ہے اس جمہوریہ کی سرحدیں آذربائجان اور جارجیا کے ساتھ ہی روسی وفاق چیچنیا اور روس کی جمہوریتوں سے بھی ملتی ہیں۔

داغستان ایک طویل مگر قدرے منتشر تاریخ کے بعد ۱۹۲۰ء میں ایک خود مختار جمہوریہ کے طور پر وجود میں آیا اور آج یہ دنیا کا ایک انتہائی پیچیدہ نسلی گروہوں کا مجموعہ ہے اس میں ۳۲ مختلف نسلی گروہ شامل ہیں جن میں سے اہم اس طرح ہیں۔

۱-اوری ۲-روسی ۳-درغینی ۴-کومیکی ۵-لزگینی ۶-لاکی ۷-آزری

۸-تبسرانی ۹-چیچنی ۱۰-نوکائی ۱۱-رتومی ۱۲-زاخوری

داغستان جس کا بحر خزر (کیپین) کا ساحل تقریباً ۴۰۰ کلومیٹر ہے ۴۲۔ اضلاع دس شہروں اور ۱۴ قصباتی آبادیوں میں منقسم ہے سابق میٹرووسک بندرگاہ مخچکالا داغستان کا دارالسلطنت ہے اس کی سرحدیں آذربائجان اور جارجیا سے اور اندر کی طرف روسی وفاق چیچنیا سے ملتی ہیں۔

روسی جمہوریہ داغستان کی ایک خاصی آبادی (تقریباً ۸۰۰۰۰) آزری افراد کا وطن ہے وہ خاص طور پر دربند ضلع رایوں جو داغستان کے دارالسلطنت مخچکالا سے تقریباً ۱۲۵ کلومیٹر جنوب و مشرق میں واقع ہے میں آباد ہیں اور ایک کثیر آبادی تبار سارتسک ضلع میں بھی آباد ہے دربند روسی وفاق میں آخر جنوب میں واقع ہے اور یہ داغستان کا دوسرا انتہائی اہم شہر ہے جس کی آبادی نوے ہزار ہے۔ کثیر نسلی گروہ آزریوں کا ہے اس کے بعد لزگن اور تباسارن کا نمبر ہے۔ کسی اختلاط سے بچنے کے لئے براہ کرم ذہن نشین رکھیں کہ دربند نام کا

Marfat.com

ایک اور شہر ازبکستان کے جنوب میں صوبہ سرخنداریوں میں بھی واقع ہے۔

یہ شہر بحر (کیسپین) کے مغربی ساحل کے پاس دریائے روباس کے جنوب میں کوہ نیاسارن (جو کوہ قفقاز سلسلے کا ایک حصہ ہے کے ڈھلانوں پر واقع ہے دربند میں نقل وحمل کے معقول ذرائع مہیا ہیں اور اس کی اپنی بندرگاہ ہے اور ایک ریلوے لائن جو جنوب میں باکو کی طرف جاتی ہے اور ہان روسٹو کو جو۔ڈان شاہراہ پر واقع ہے)

قفقاز میں دربند ایک اہم کلیدی مقام کی حیثیت رکھتا ہے یہ شہر بحر خزر (کیسپین) اور کوہ قفقاز کے درمیان ایک پتلے اور لمبے زمینی لمبے خطے ۳ کلو میٹر پر مشتمل ہے جو جنوب مشرق یورپ اور مشرق وسطی کے درمیان زمینی نقل وحمل کا ذریعہ ہے۔

روسی وفاق میں دربند شہر کو سب سے قدیم شہر مانا جاتا ہے۔عہد عتیق سے ہی اس علاقے کی اہمیت باب قفقاز کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے اور دربند میں موجود آثار قدیمہ 5000 سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں ان کی جغرافیائی خصوصیات کے نتیجہ میں یہ شہر پہاڑوں سے لے کر ساحل سمندر تک پھیلی دو دیواروں کے درمیان ترقی پذیر ہوا ہے۔وقت کے ساتھ مختلف اقوام نے اس کو مختلف نام دیئے لیکن ان سب میں لفظ در (باب) مشترک رہا ہے۔

دربند کے علاقے میں پہلی کثیر مستقل آبادی کی تاریخ آٹھویں صدی قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔چوتھی صدی عیسوی تک یہ قفقازی البانیہ کا حصہ رہا۔اس وقت یہ ساسانی سلطنت کا ایک مضبوط قلعہ اور بندرگاہ بن چکا تھا۔پانچویں اور چھٹی عیسوی کے دوران دربند۔قفقاز کے علاقے میں عیسائی مذہب کی تبلیغ و ترویج کا اہم مرکز بھی رہا ہے

۶۳۰ء میں خضر خانخانان نے اس پر کئی حملے کیے ۶۵۴ء میں دربند عربوں کے قبضہ میں آ گیا جنہوں نے اس کو اپنی انتظامیہ کے ایک اہم مرکز میں تبدیل کر دیا اور اس خطے کو اسلام سے روشناس کرایا۔ دسویں صدی عیسوی میں زوال خلافت کے ساتھ دربند ایک امارت میں تبدیل ہو گیا۔اور ۱۲۲۹ء تک جب تک کہ منگولوں نے اس پر حملہ کیا بطور امارت برقرار رہا۔چودھویں صدی عیسوی میں اس پر تاتاری حکمران تیمور نے قبضہ کر لیا۔ ۱۴۳۷ء میں اس پر شیرواں خان نے قبضہ کر لیا۔سولہویں صدی کے دوران دربند ترکی اور فارس کی آزری صفوی قبیلہ کے حکومت کے درمیان جنگ کا سبب بنا سترہویں صدی کے اوائل میں صفوی شاہ عباس نے ترکوں کو ایک شکست دے کر دربند پر اپنا قبضہ جما لیا۔

۱۷۳۵ء میں گنجا کے ایک معاہدے کے تحت دربند ملک فارس میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۷۴۷ء میں

Marfat.com

دربند خانخاہی سلطنت کا دارالسلطنت بنالیا گیا۔ آخر کار ۱۷۹۶ء میں فارس کی دوسری مہم میں شامل روسی افواج نے اس پر قبضہ جمالیا بعد میں روس اور فارس کے درمیان ۱۸۱۳ء میں گلستان معاہدے کے تحت دربند روسی سلطنت کا حصہ ہوگیا۔

دربند شہر کی دیواروں کے بہت سے حصے اور بہت سی نگران میناروں کے آثار آج بھی معقول حالت میں محفوظ ہیں۔ ساحل سمندر تک پہنچنے والی دیوار جو چھٹی صدی عیسوی کے ساسانی بادشاہوں کے عہد میں تعمیر کی گئی تھیں شہر میں بہت اچھی حالت میں محفوظ ہیں شہر میں ایک عبادت گاہ موسومہ بہترین کلا جو ساڑھے چار ہیکٹر کے رقبہ پر مشتمل ہے بہت اچھی حالت میں ہے اور مضبوط دیواروں کے ذریعہ قلعہ بند ہے اس کے غسل خانے پانی کے حوض۔ پرانے قبرستان۔ قافلوں کی قیام گاہیں۔ اٹھارویں صدی کا خان کا مقبرہ۔ آرمینیائی گرجا گھر اوراس کے علاوہ بہت سی مساجد جس میں سب سے زیادہ کلیسائی باسلیقہ دور کی جامع مسجد جس میں ایک مدرسہ بھی ہے جاذب نظر ہے یہ سب قابل دید مقامات ہیں اور محفوظ رکھے گئے ہیں جامع مسجد اور مدرسہ پندرہویں صدی کی تعمیر ہے۔ سترہویں صدی کی کرلبار مسجد۔ بالا مسجد اور اٹھارویں صدی کی چرتیب مسجد زیادہ قابل دید زیب ہیں۔

یہ شہر مشین سازی۔ غذائی اشیاء۔ شراب و دیگر مشروبات۔ کپڑا صنعت۔ ماہی گیری اور اس سے متعلق سازوسامان۔ تعمیراتی سازوسامان اور لکڑی کی صنعت کا مرکز ہے۔ تعلیم کا یہاں معقول انتظام۔ یہاں ایک یونیورسٹی ہے اس کے علاوہ بہت سے تکنیکی تعلیم کے اسکول ہیں۔ ثقافتی اعتبار سے یہاں ایک بہت عمدہ تھیٹر ہے جولزگن ڈراموں کا مرکز ہے شہر سے تقریبا دو کلومیٹر فاصلے پر ایک تعطیلاتی رہائشی کالونی ہے۔

عملی طور پر دربند حقیقت میں ایک وسیع عجائب خانہ ہے اور اپنے عظیم الشان کوہساروں اور ساحل سمندر سے نزدیکی کی بناپر صنعت وسیاحت کی ترقی کے لئے زبردست امکانات رکھتا ہے۔ قدیم قلعہ اور شہر اور قلعہ بند فصیل شہر کو ۲۰۰۳ء میں یونسکو کی طرف سے عالمی تہذیبی میراث اور آثار قدیمہ کے طور پر تسلیم کئے گئے ہیں۔ اگر آپ دربند شہر جانا چاہیں تو روسی حکومت سے ویزا لینا ہوگا اور آذربائجان کے شہر باکو تک آپ کو ریل کی سہولت حاصل ہوگی۔

اکثر یہاں ایک منقش دروازے کو سکندر اعظم کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے دربند شہر مملکت روس کا قدیم ترین شہر ہے قدیم زمانے سے اس علاقے کی قدرو قیمت کوہ قفقاز کے درہ کی بناپر تسلیم کی جاتی رہی ہے۔

شہر کے جنوب میں دیوار (فصیل) ۵۰ میٹر لمبی کا ساحل سمندر کی جانب کا حصہ ہے جس کو فصیل

Marfat.com

سکندر کے نام سے جانا جاتا ہے جس سے آہنی دراز ہ کوروک لگتی ہے اس کے اندر درہ داریال ہے اور یہ فصیل درہ کے تنگ راستہ کو مسدود کر دیتی ہے اس کی بھی اونچائی ۲۹ فٹ اور موٹائی تقریبا دس فٹ ہے آہنی دروازوں اور متعدد نگراں مناروں کے ذریعہ فارس کی سرحد پر ایک قابل قدر تحفظاتی انتظام بن گیا ہے۔

تاریخ:

قفقاز میں دربند کو ایک اہم مقام عسکری نوعیت کا بن گیا ہے یہ شہر ایک تنگ تین کلومیٹر پتلے قطعہ آراضی پر واقع بحر خزر (کیپین) اور کوہ قفقاز کے درمیان واقع ہے تاریخی اعتبار سے دربند کے حکمرانوں نے شہر کی اس مقامیت کی بدولت یورپ اور ایشا کے وسیع گھاس کے میدان والے علاقوں اور مشرق وسطی کے درمیان نقل وحمل پر ہمیشہ ہی اپنا قابو برقرار رکھا طویل کوہ قفقاز کو پار کرنے کے لئے دوسرا قابل استعمال راستہ درہ داریال ہی تھا۔

دربند کے علاقے میں پہلی قابل ذکر آبادی کی تاریخ آٹھویں صدی قبل مسیح تک جاتی ہے وقفہ وقفہ سے جو چھٹی صدی قبل مسیح سے شروع ہو کر یہ علاقہ فارس کے بادشاہوں کے قبضہ میں رہا۔ چوتھی صدی قبل مسیح یہ قفقازی البانیہ کا حصہ رہا اور روایتی طور پر یہ دارالخلافہ البانیہ سے منسوب رہا ہے جدید نام دربند ایک فارسی نام ہے جس کے معنی میں بند دروازہ اور یہ نام غالبا پانچویں صدی عیسوی کے آخر یا چھٹی عیسوی کے اوائل میں مروج ہوا جب کہ یہ شہر فارس کے ساسانی حکمراں خاندان کے بادشاہ کاوس اول کے لڑکے خسرو اول نے اس کو ازسر نو تنظیم کے ساتھ آباد کرایا۔ ۲۹ فٹ فصیل بلند دیواریں اور تیس شمالی جانب مینار یں اسی بادشاہ کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں۔

آرمینیائی وقائع نگار جو ویسز گاناکا تو اسی رقم طراز ہے کہ یہ عجیب وغریب دیواریں ہیں جن کی تعمیر کے لئے فارسی حکمرانوں نے ہمارے ملک کا خزانہ خالی کر دیا۔ ماہرین تعمیرات کو جمع کرنا اور تعمیراتی ساز وسامان اکٹھا کرنا کہ جس کا مقصد ایک ایسی عظیم الشان اور گرانڈیں عمارت کی تعمیر تھا جو سلسلہ کوہ قفقاز اور عظیم مشرقی سمندر کے درمیان واقع ہوا اور دربند شہر ساسانی سلطنت کا ایک مضبوط عسکری اہمیت کا حامل قلعہ اور بندرگاہ بن سکے۔ پانچویں اور چھٹی عیسوی کے درمیان یہ قفقاز میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کا ایک اہم مرکز بھی بن گیا تھا۔

نوٹ:

دیوار ذوالقرنین کے جائے وقوع کے بارے میں انٹرنیٹ میں دی گئی تفصیلات تقریبا وہی ہیں جو مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کے مضامین میں درج ہیں نیز ان کی تکرار کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے ترک کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

موو شیز کنگا نگا تو اسی نے مغربی ترکی خاقانوں کے نونگ یا بگو فوجوں کے ذریعے ۶۲۷ء میں شہر دربند کے تاخت و تاراج کیے جانے کے واقعہ کو واضح طور پر تحریری طور پر بیان کیا ہے کہ وہ باپ کی فتوحات کو استحکام دینے میں نااہل ثابت ہوا اور یہ شہر دوبارہ فارس کے قبضہ میں چلا گیا ۶۵۴ء میں دربند پر عربوں کا قبضہ ہو گیا جنہوں نے اس کو ایک اہم انتظامی امور کے مرکز میں تبدیل کر دیا اور اس علاقے کو اسلام سے متعارف کرایا۔

شاہراہ ریشم کے شمالی خطے کی اہم پوزیشن ہونے کی وجہ سے خزر اور عرب جنگجوں میں قلعہ بندی کی مخالفت ہوئی اور جنگون کا باعث ہوئی۔

بحر کیسپین کے مشرقی حصے میں حالیہ کھدائی کے دوران جو شہر دربند کے مقابل پڑتا ہے گورکان کی عظیم دیواروں اور قلعہ بندیوں کے آثار جو ساسانی عہد کی تعمیرات کے مماثل ہیں ملے ہیں۔ مماثل قلعہ بندیاں۔ عظیم تر قلعے بند مستقل فوجی قیام گاہیں اور طویل دیواریں بحر کیسپین کے مشرقی ساحل پر دیکھی جا سکتی ہیں جو واقعتاً آب سمندر تک جاتی ہیں جو بحر کیسپین کے پانی کی سطح میں اضافے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے خاصا وقت دربند شہر میں قیام کیا ہے اور اسے ایک اہم تجارتی مرکز بنا دیا تھا۔ عرب خلافت کے اختتام کے وقت، جو نویں صدی عیسوی ختم اور دسویں صدی عیسوی ابتدا میں ظہور پذیر ہوئی دربند شہر کی آبادی پچاس ہزار سے زائد تھی اور یہ قفقاز کے علاقے کا سب سے بڑا شہر تھا دسویں صدی عیسوی میں کہ خلافت کے اختتام کے بعد امارت کا دارالسلطنت بن گیا۔ اس امارت سے اکثر ہاری ہوئی جنگیں لڑیں جو پڑوسی عیسائی سلطنت سریر سے رہیں سلطنت سریر کو اکثر و بیشتر دربند کی سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملا اس کے باوجود یہ امارت اپنے مدمقابل کے خلاف برسر اقتدار رہی اور ۱۲۳۹ء تک منگولوں کے حملوں تک باقی رہی۔

چودھویں صدی میں دربند پر تیمور کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا ۱۴۳۷ء یہ آذربائجان کے بادشاہ شیروانشاہ کے قبضہ میں چلا گیا سولہویں صدی کے دوران دربند ترکی اور فارس جو اس وقت صفوی خاندان کے زیر حکومت تھا کے درمیان جنگوں کا میدان بنا۔ ابتداء ستر ہویں صدی میں صفوی بادشاہ عباس نے ترکوں کو ایک زبردست شکست دی اور دربند پر قبضہ کر لیا جو اس سے قبل صدیوں تک صفوی حکمرانوں کا حصہ رہا تھا ۱۷۲۲ء میں روسیوں نے ایک جنگ کے ذریعہ اس کو چھین لیا۔ ۱۷۳۵ء میں دربند گانجا معاہدہ کے تحت ریاست فارس میں شامل کیا گیا تھا۔

۱۷۳۶ء میں نادر شاہی اقتدار دوبارہ تسلیم کر لیا گیا ۱۷۴۷ء میں دربند اسی نام سے سلطنت خاقان کا دارالسلطنت بن گیا ۱۷۹۶ء میں اس پر روسیوں نے پھر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور ۱۸۱۳ء کے ایک معاہدہ

Marfat.com

گلستان کے تحت جو روس اور ایران کے درمیان ہوا یہ روس کا حصہ تسلیم کر لیا گیا۔

ذوالقرنین کون تھا:

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورہ کہف میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے وہ کون تھے۔کیا آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب ہے کہ وہ آہنی دروازہ یا آہنی روک جس نے یاجوج ماجوج کو روک دیا آج بھی موجود ہے اور رہتی دنیا تک وجود میں رہے گا۔وہ کہاں ہے۔

جواب:-دوسینگوں والی شخصیت

اس موضوع پر مفصل جواب جوانٹرنیٹ میں دیا ہوا ہے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا ابوالکلام کی تفصیلات میں بعینہ موجود ہے لہذا اس حصہ کا ترجمہ کرنے سے گریز کیا جاتا ہے یہی صورت حال یاجوج ماجوج کی بھی ہے ان کا تفصیلی تذکرہ جوانٹرنیٹ میں ہے ہر دو حضرات کے مضامین میں موجود ہے۔

دیوار ذوالقرنین:

دنیا میں ایک ہی مقصد تحفظ یاجوج ماجوج کے تحت چار دیواریں تعمیر ہوئی ہیں

۱۔ دیوار چین یہ عظیم دیوار موشہنشاہ فیگفور نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کے ۳۴۶۰ سال بعد تعمیر کرائی۔

۲۔ وسط ایشاء میں بخارا اور ترمذ کے قریب دربند نام کے علاقہ میں دیوار تعمیر کرائی یہ شہر دربند ازبکستان کے علاقہ میں بھی ہے۔

۳۔ بحرخزر (کیپسن کے قریب روسی داغستان کے شہر دربند میں تعمیر ہوئی۔

۴۔ قفقاز کے علاقے میں تیسری دیوار کے مغرب میں کاکیشیا کے علاقہ میں تعمیر ہوئی۔

کیونکہ یہ سب دیواریں ایک ہی مقصد تحفظ از یاجوج ماجوج کے مقصد کے لئے تعمیر ہوتی ہیں اور دو علحدہ علحدہ شہر دربند نامی میں تعمیر شدہ ہیں لہذا ذوالقرنین کی دیوار کی تعین میں قدرے دشواری پیش آتی ہے۔

ان چاروں دیواروں میں سب سے بڑی دیوار چین کی عظیم دیوار ہے لیکن کسی بھی تحقیق کار کے خیال میں کہ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ مشرقی سمت میں واقع ہے اور قرآن مجید میں جو نشاندہی کی گئی ہے وہ شمالی سمت مں ہے۔

اب دیوار ۲، ۳ اور ۴ بچتی ہیں۔

مورخ مسعودی۔استخاری اور حموی حضرات کی رائے میں دیوار ۳ یا ۴ ہی ذوالقرنین کی دیوار ہوسکتی ہے کیوں کہ دیوار ۲ کو دیوار ذوالقرنین قرار دینے والے مورخین ایک دوسرے شہر دربند جو بخارا کے نزدیک ہے

Marfat.com

کی وجہ سے خلط ملط ہو گئے ہیں حالانکہ ایک مزید شہر در بند داغستان میں بھی موجود ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری صاحب اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام میں نمبر ۲۹۴ ہی کو دیوار ذوالقرنین قرار دیتے ہیں جو قفقاز کے علاقے میں ہے تاہم اس کے باوجود علامہ آلوسی کا فرمانا ہے کہ ہم اس دیوار کا محل وقوع نہیں جانتے اور یہ عین ممکن ہے کہ وسیع سمندر اور پہاڑ ہمارے اور دیوار کے درمیان حائل ہیں اور یاجوج ماجوج بھی باقی دنیا کے درمیان حائل ہوں۔

قرآن کریم میں مذکور عظیم سائرس (کے خسرو):

از واسکیڈ نا آزاد انسائیکلو پیڈیا۔ سائرس اعظم کا قرآن مجید میں تذکرہ ذوالقرنین (عربی زبان میں جس کا مطلب ہے دوسینگوں والا۔ ذوالقرنین کے بارے میں بیان ہے یہ آج بھی زبردست بحث کا موضوع ہے کہ تاریخی اعتبار سے وہ کون سی شخصیت ہے جو ذوالقرنین کی عکاسی کرتی ہے۔ روایتی طور پر بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سکندر اعظم پر ہی ذوالقرنین کا لقب صادق آتا ہے تاہم اس کے متبادل نظریات اور تاویلات پیش ہوئی ہیں ان میں سب سے اہم اور نمایاں یہی ہے کہ ذوالقرنین علاوہ سائرس (کے خسرو) کے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اس امر کی تصدیق مولانا ابوالاعلی مودودی۔ ہندوستانی وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد علامہ طباطائی۔ مولانا ناصر مکرم شیرازی نے فرمائی ہے۔ سائرس زرتشت مذہب پیروکار تھا جس کے عقائد میں اسلام اور یہودیت کے عقائد بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

ذوالقرنین ایک عظیم حکمران اور ایک عظیم فاتح رہا ہوگا جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک اور تیسری جانب شمال تا جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں قرآن مجید کے نزول سے پہلے متعدد تاریخی شخصیات رہی ہیں جو اس طرح عظیم المرتبت فاتح رہی ہیں ذوالقرنین کی شخصیت کی تلاش ان ہی شخصیات میں تلاش کرنے کی ضرورت تھی اور جب ہم اس طرح نظر ڈالتے ہیں تو سائرس کے شخصیت قران کی بیان کردہ شخصیت کے عین مطابق نظر آتی ہے۔

اس لقب کا کسی ایسے حکمران پر ہی اطلاق ہوسکتا ہے جس نے اپنی سلطنت کو یاجوج ماجوج کی در اندازیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی پہاڑی درے کے ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مضبوط دیوار تعمیر کرائی ہو۔ اس کی تحقیق کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ تعین کرنا ہوگا کہ یاجوج ماجوج کون تھے۔ اس بات پر؛ بھی غور کرنا ہوگا کہ اس طرح کی تاریخی دیوار اگر تعمیر کی گئی تھی تو کب اور کس ذریعہ سے اور کس خطے یا علاقے سے ملحق ہے۔

اس شخصیت کو مذکورہ خصوصیات کی حامل ہونے کے علاوہ خدائے واحد کا پرستار۔ ایک منصف مزاج حکمران ہونا چاہئے کیونکہ قرآن مجید نے پہلے سورہ کہف میں مذکورہ آیات میں ان خصوصیات کو کسی بھی

Marfat.com

دوسری خصوصیات کے مقابلے میں نمایاں کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان خصوصیات میں سے پہلی کا اطلاق سائرس (کے خسرو) پر بہ آسانی ہو جاتا ہے کیونکہ پیغمبر دانیال نے اپنے کشف وخواب میں متحدہ سلطنت میڈیا اور فارس کو یونانیوں کے عروج سے پہلے دو سینگوں والے گوسفند ا بھیڑ کے طور پر دیکھا تھا (بحوالہ دانیال آیت ۸-۳-۲۰) یہودی ذوالقرنین (دو سینگ والے) کا بہت احترام کرتے تھے کیوں کہ اسی کے حملہ کے نتیجہ میں بابل کی سلطنت کا زوال ہوا اور اسرائیلیوں کو آزادی ملی۔

دوسری خصوصیت کا سائرس پر مکمل طور پر تو نہیں مگر کافی بڑی حد تک اطلاق ہو جاتا ہے اگر چہ اس کی فتوحات کا سلسلہ مغرب میں شام اور ایشیاء کوچک (ترکی) اور مشرق میں بختا (بلخ) تک پھیلا ہوا لگتا ہے اگر چہ شمال اور جنوب کی جانب اس کی کسی عظیم مہم کا سراغ نہیں ملتا جب کہ قرآن مجید براہ راست اس کی تیسری مہم کا ذکر کرتا ہے تاہم بعض مورخ اس قسم کی مہم کے پیش آنے کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے اس تیسری مہم کو سرے سے خارج از امکان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سائرس کی حکومت شمال میں قفقاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب تک یاجوج ماجوج کا تعلق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ وسط ایشیا کے جنگلی قبائل تھے جو مختلف ناموں سے جانے جاتے تھے۔ سنتھینین یا رتھیز۔ تاتاری۔ منگول اور ہن جو ایک عرصہ قدیم سے بہت سی حکومتوں اور سلطنتوں پر اکثر حملے کرتے رہتے تھے اب یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ قفقاز کے جنوبی علاقے میں مضبوط دیوار پشت پناہیں یا دیوار بن تعمیر کی گئیں تھیں لیکن تاریخی طور پر اس کا تعین کرنا باقی ہے کہ کیا یہ سائرس نے تعمیر کرائی تھیں۔

جہاں تک آخری خصوصیت کا تعلق ہے قدیمی حکمرانوں میں سائرس ہی ایک ایسا شناسا فاتح ہے جس پر اس خصوصیت کا اطلاق ہو سکتا ہے کیوں کہ اس کے دشمن بھی اس کے عدل وانصاف کی تعریف کرتے ہیں اور بنی عزرا کو اس بات پر اصرار ہے کہ وہ ایک خدا کی عبادت کرتا تھا اور اس نے خدا ترسی اور خوف خدا وندی کے جذبے کے تحت اسرائیلوں کو آزاد کرایا تھا اور حکم دیا کہ خدا کی عبادت کے لئے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی جائے۔

اس طرح مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل مر چکے تمام حکمرانوں میں صرف سائرس (کے خسرو) ہی وہ حکمران ہے جس پر قرآن میں مذکور خصوصیات ذوالقرنین کا اطلاق ہو سکے۔

تاریخی سائرس فارس کا حکمراں تھا جس کا عروج تقریبا ۵۴۹ قبل مسیح شروع ہوا اور چند ہی سالوں میں اس نے میڈا اور لیڈیا کی سلطنتوں پر قبضہ کر لیا ۵۳۹ قبل مسیح تک اس نے بابل پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور کوئی

Marfat.com

طاقت ور سلطنت اس کے مقابلے میں نہیں رہ گئی تھی اس کی فتوحات مشرق میں ترکستان تک مغرب میں مونیا شمال میں کاسیشیا تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ تہذیبی دنیا کا بہت بڑا حصہ تھا۔

شمال کی طرف سفر اور یاجوج ماجوج:

وہ دو پہاڑ اس سلسلہ کوہ کے حصے ہونے چاہئیں جو بحر خزر (کیپین) اور بحر اسود کے درمیان واقع ہوں یہ وہی جگہ ہونی چاہئے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ ان کے پار یاجوج ماجوج کا علاقہ تھا ان کے ساتھ گفتگو ان کی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر مشکل تھی وہ کسی بیرونی زبان سے ناواقف تھے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ یاجوج ماجوج جو شمالی مشرقی ایشیاء کے جنگلی قبائل تھے اور جو عرصہ دراز سے ایشیاء اور یورپ کی مستقل آباد سلطنتوں میں دراندازی کرتے رہتے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے۔ کتاب جینین باب ۱۰ کے مطابق وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد تھے مسلم مورخوں نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور ایزیکل کی کتاب باب ۳۸-۳۹ ان کی آبادیاں مسبنگخ (موجودہ ماسکو) اور توبل میں تھیں۔ اسرائیل مورخین کے مطابق وہ سنتھنین تھے اور ان کی آبادیاں بحر اسود کے شمال و مشرق میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مورخ جیمس کے مطابق ان کی آبادیاں بحر کیپین کے قریب کاکیشیاس ہیں تھیں مورخ جروم کے مطابق ان کی آبادیاں کاکیشیا کے شمال میں بحر کیپین کے قریب تھیں۔

شمال کی جانب ذوالقرنین کا سفر اور یاجوج ماجوج:

یہ دو پہاڑ اس سلسلہ کوہ کے حصے ہونے چاہئیں جو بحر خزر (کیپین) اور بحر اسود کے درمیان واقع ہے یہ وہی جگہ ہونی چاہئے جہاں دونوں پہاڑوں کے پار یاجوج ماجوج کا علاقہ تھا۔ ان کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا بہت مشکل تھا۔ ان کی زبان ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کے لئے قطعی اجنبی تھی کیونکہ وہ مکمل طور پر وحشی لوگ تھے کوئی ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی دوسری زبان سے آشنا تھے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ یاجوج اور ماجوج شمالی مشرقی ایشیا کے جنگلی قبائل تھے جو عرصہ دراز سے ایشیا اور یورپ کی مملکتوں اور سلطنتوں میں دراندازی کرتے رہتے تھے اور ان کو لوٹ کر برباد کرتے رہتے تھے۔ کتاب جینسس (تورات) باب ۱۰ کے مطابق وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد تھے۔ اور مسلم مورخوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور کتاب ایزیگل باب ۳۸-۳۹ کے مطابق وہ میینخ (ماسکو) اور توبال میں آباد تھے۔ اسرائیلی مورخ جوف کے مطابق وہ سنتھنین تھے اور ان کا علاقہ بحر اسود کے شمال و مشرق میں پھیلا ہوا تھا۔ مورخ جیروم کے مطابق یاجوج ماجوج کاکیشیا کے شمال میں بحر کیپین کے قریب آباد تھے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ ان لوگوں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کے حملوں سے تحفظ کے لئے

Marfat.com

اس درہ پر ایک دیوار بنانے کی درخواست کی اور اس کے لئے خراج یا عطیہ دینے کا بھی اظہار کیا تو اس نے جواب میں کہا۔

ایک حکمراں کی حیثیت میں تمھارے دشمنوں سے تمھاری حفاظت کرنا میرا فرض ہے اس لئے میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس مقصد کے حصول کے لئے تمھارے اوپر کوئی محصول یا ٹیکس عائد کروں۔ وہ خزانہ جو اللہ نے مجھے بخشتا ہے اس مقصد کے لئے کافی ہے تاہم تم کو اس کام میں محنت کر کے میری مدد کرنی ہوگی۔

دیوار ذوالقرنین:

تعمیر دیوار کے بعد اس نے کہا اگر چہ میں نے جہاں تک ممکن تھا بہت مضبوط آہنی دیوار تعمیر کرائی ہے لیکن یہ ابدی نہیں ہے کیونکہ یہ دیوار اسی وقت تک برقرار رہیگی جب تک اللہ چاہیگا۔ جب میرے مولی کا حکم ہوگا تو یہ ریزہ ریزہ ہو جائیگی پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو منہدم ہونے سے نہیں روک سکے گی۔

بعض حضرات نے یہ غلط فہمی پیدا کرائی ہے کہ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار اصلا دیوار چین ہے جبکہ ذوالقرنین کی دیوار کوہ قفقاز میں داغستان کے شہر دربند کے درہ داریال کے دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کی گئی ہے اور یہ وہ علاقہ ہے جو بحر خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے درمیان میں ہے جن کے درمیان گہری گھائیاں ہیں اور درے ہیں جن سے کسی بڑی فوج کا گذر ممکن نہیں ہے تاہم اندر اس کے پہاڑ اور درے نہیں ہیں۔

زمانہ قدیم سے شمال کی جانب سے وحشی حملہ آور اور فوجی دستے۔ جنوبی علاقوں کو حملہ کر کے تاراج کیا کرتے تھے فارس کے حکمرانوں کو اس کا خوف تھا اس لئے انہوں نے ایسی دیواریں تعمیر کرائی جن میں ایک بڑی دیوار قلعہ بندی کے مقصد سے تعمیر کرائی جو پچاس میل طویل - ۲۹ فٹ بلند اور دس فٹ چوڑی جس کے آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر چہ تاریخی طور پر ابھی تک اس بات کو ثابت نہین کیا جا سکا ہے کہ اس دیوار کی تعمیر کس نے کرائی۔ مسلمان مورخ۔ ماہرین جغرافیہ اس کو ذوالقرنین سے منسوب کرتے ہیں کیونکہ اس کی مماثلت قرآن کریم میں بیان کردہ تفصیلات سے ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی پوزیشن یہ ہے دیوار ذوالقرنین کے ساتھ قلعہ بندی اور فصیل کی دیوار ذوالقرنین کے ایک ہزار سال بعد ساسانی عہد میں تعمیر ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری: اور ابن کثیر نے اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ اور یاقوت الحموی نے اپنی کتاب مجمع البلدان میں تحریر کیا ہے کہ ۲۲ھ ۶۴۳ء آزربائیجان کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے سراقہ بن عمر کو دربند کی تحقیق کی مہم پر بھیجا ۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن ربیعہ کو اپنے ہراول دستے کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ جب عبدالرحمنؓ آرمینیا میں داخل ہوئے تو وہاں کے حکمراں شہر باز نے بغیر کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیئے اس کے بعد جب عبدالرحمنؓ

Marfat.com

دربند کی طرف پیشقدمی کرنا چاہتے تھے تو شہر باز نے ان کو باخبر کیا کہ اس نے پہلے ہی سے ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی ہیں اور جس شخص کے ذریعہ اس نے یہ معلومات کی ہیں جو آپ کو ضروری معلومات فراہم کردے گا اس کو عبدالرحمٰنؓ کے سامنے پیش کیا (طبری جلد سوم صفحات ۲۳۵ تا ۲۳۹)۔البدایۃ والنہایہ جلد ہفتم صفحات ۱۲۲ تا ۱۲۵۔مجمع البلدان زیر باب الابواب (دربند)

دوصدی بعد عباسی خلیفہ الواثق نے پچاس حضرات پر مشتمل ایک وفد بہ قیادت سلام الترجمان دیوار ذوالقرنین کی تحقیق اور مشاہدہ کے لئے ارسال کیا جس کی تفصیلات یاقوت الحموی نے اپنی کتاب مجمع البلدان میں نیز ابن کثیر نے البدایہ میں بہت تفصیل سے بیان کی ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ مہم پہلے سمارہ پہنچی جہاں سے پھر تبلسی اور اس کے بعد براہ السریر اور علان وہ فلنشاہ پہنچے جہاں سے وہ بحر کیسپین کی وادی کی حدود میں داخل ہوئے اور اس کے بعد وہ دربند پہنچے۔اور اس دیوار کا نظارہ کیا (البدایہ جلد دوم صفحہ ۱۱۱ مجمع البلدان صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۵ باب الابواب یہ واقعہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی تک مسلم علماء اس یقین کو پہنچ چکے تھے کہ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار دربند کوہ قفقاز نزد بحر کیسپین ہی ہے۔

یاقوت نے اپنی مجمع البلدان میں اس نظرئے کی متعدد مقامات پر مزید توثیق کی ہے مثال کے طور پر بحر خزر (کیسپین) کے عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں۔

یہ علاقہ باب الابواب کے عین عقب میں ہے اور دیوار ذوالقرنین سے ملحق ہے جسے دربند کہا جاتا ہے۔اسی ضمن میں وہ مزید ایک رپورٹ کا ذکر فرماتے ہیں جو احمد بن فضلان نے دی ہے جس کو خلیفہ المقتدر نے بحر کیسپین کی وادی کی مکمل تفصیلات کے لئے ارسال کیا تھا اپنی رپورٹ میں فرماتے ہیں کہ کیسپین ایک ملک کی وادی کا نام ہے جس کا صدر مقام موجودہ استرخان کے نزدیک جس کے بالکل قریب سے دریائے اتل گذرتا ہے جو بحر کیسپین کے ساحل روس اور بلغار کے سمندر میں گرتا ہے۔

باب الابواب کے تعلق سے وہ کہتے ہیں کہ اس شہر کو الباب اور دربند دونوں ناموں سے پکارا جاتا ہے اور یہ شمالی علاقوں سے جنوب کی جانب آنے والے لوگوں کے لئے انتہائی دشوار گذار راستہ ہے۔ایک بار یہ علاقہ نوشیرواں کی سلطنت کا بھی حصہ رہا ہے۔ایرانی حکمراں اس طرف سے اپنی سرحدوں کے تحفظ کے لئے خصوصی توجہ دیتے رہے ہیں۔

ذوالقرنین کے بارے میں مورخ محمد علی فرماتے ہیں کہ لفظ قرن کے معنی سینگ کے ہیں اور ایک نسل اور ایک صدی کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔یہاں پر معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کا حوالہ دانیال کے

Marfat.com

کشف کے دوسینگوں والے مینڈھے کے لئے دیا گیا ہے جس کو انہوں نے بطور میڈیا اور فارس کے سلطنت سے تعبیر کیا ہے جو ایک واحد حکمراں سائرس (کے خسرو) کے دور میں ایک سلطنت میں ضم کردیئے گئے تھے۔

یہی وہ سائرس ہے جس کو انجیل میں سہوا دارنوس (دارا) کہدیا گیا ہے دانیال کے کشفی خواب میں حوالہ داریوس اول کی طرف ہے نا کہ سائرس کی طرف (ہائس ٹسپیس (۵۲۱-۴۸۵ قبل مسیح) جس نے یہودیوں کو اپنی عبادت گاہ کو دوبارہ بنانے کی اجازت دی نبر واہی ج ۵ صفحہ ۵و۴۲- ہگ ۱-۱-۲-۱۰- ریخ ۱-۷ اور غالبا پنچ میں بھی صفحہ ۱۲ تا ۲۲ اس کا حوالہ موجود ہے اس کے یہودیوں کی طرف میلان اور احجانات ہمارے علم ہیں جو اس کے ملک کے عوام کے مذہب سے متعلق عام پالیسیوں کے بارے میں موجود ہیں۔

اور یہ کہ دوسینگوں والا مینڈھا میڈیا اور فارس کا بادشاہ ہے دانیال کی کتاب (۸-۲۰) میں وضاحت سے بیان شدہ ہے جس میں خواب کی تعبیر اس طرح دی گئی ہے۔

وہ مینڈھا جو تم نے دیکھا ہے جس کے دوسینگ ہیں وہ فارس اور میڈیا کا بادشاہ ہے۔

انجیل میں قرآن مجید کے مذکور ذوالقرنین کی تاریخ سہواً داریوس اول کی طرف ہے۔ داریوس (دارا) سلطنت فارس کا آرگنائزر ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ مملکت آرمیا۔ قفقاز اور ہندوستان تک ہے اور تورانین اور بلند کا کیشیا اور مرکزی ایشیا تک وسیع رہا ہے (یہودی انسائکلو پیڈیا داریوس اول تک ہے)۔

یہی تفصیلات انسائکلو پیڈیا برطانیہ میں بھی اسی طرح ہیں۔ لیکن دارا ذوالقرنین کے بعد کا حکمراں ہے۔

دارا اپنے نقوش اور کتبوں سے زرتشی مذہب کا پیرو نظر آتا ہے لیکن وہ ایک عظیم مدبر۔ دانشمند سیاست داں اور منتظم بھی تھا۔ فتوحات کا دور ختم ہو گیا دارا نے جو جنگیں لڑیں وہ آگسٹس کی طرح سلطنت کی مضبوط سرحدوں کے حصول کے مقصد کے پورا کرنے کے لئے تھیں اور وحشی قبائلوں کو سرحدوں سے باہر رکھنے کے لئے۔ اسی طرح دارا نے قفقاز کی جنگی فوجوں کو زیر کیا۔ اسی وجہ سے اس نے سیس اور دیگر تورانی قبائلوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ مندرجہ بالا تفصیلات بہت آسانی سے اس کے ذوالقرنین ثابت نہ ہونے کے کافی ہیں۔

ذوالقرنین کے تین جنگی سفر اور جنگین بھی اپنی سلطنت کی سرحدوں کے محفوظ کی خاطر تھیں دارا پہلے بحر اسود سے مغرب کی طرف جاتا ہے۔ (آیات ۸۵-۸۶) اس کے بعد مشرق کی جانب سفر کرتا ہے یعنی طلوع آفتاب کے علاقہ میں۔ یہاں پائے جانے والے لوگوں کا حلیہ ایک ایسی قوم کے افراد کا ہے جن کے پاس سورج کی روشنی (دھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ یہ صورت حال ان جنگلی بحر خزر کے ساحلوں پر رہنے والے اصلا آبائی باشندوں پر مشتمل قبائل کا حلیہ ہے (انسائکلو پیڈیا برطانیہ) میں اس کے

Marfat.com

مضمون میڈیا میں مذکور ہے کہ اسیریوں کی کندہ عبارتوں میں مذکور ناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ زغروس اور میڈیا کے شمالی حصوں کے قبائل نہ تو ایرانی تھے اور نہ انڈو یورپین بلکہ ایک اصل آبائی قوم تھی جو آرمینیا کے باشندوں کی طرح شاید کوہ قفقاز کے متعدد قبائل سے متعلق تھی۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح ایرانی عناصر نے رفتہ رفتہ غلبہ حاصل کر لیا ایرانی ناموں والے شہزادے اکثر ان قبائل کے حکمراں نظر آئے ہیں لیکن شمالی میڈیا میں گلائی۔ چتوری۔ قدوسی۔ امردی۔ اتلی۔ اور دوسرے قبائل۔ شمالی میڈیا اور بحر کیسپین کے ساحل پر آباد ایرانی نہیں تھے۔ علامہ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ابتدائی مفسرین قرآن کا عام طور پر رجحان یہ یقین کرنے کی طرف تھا کہ یہ ذوالقرنین سکندر اعظم تھا لیکن قرآن کریم میں مذکور صفات کا اطلاق سکندر اعظم پر نافذ ہی نہیں ہو پاتا۔

جدید تاریخی شواہد کی روشنی میں قرآن مجید کے ہمعصر مفسرین کا رجحان اس یقین کرنے کی طرف ہے کہ ذوالقرنین ایرانی بادشاہ سائرس (کے خسرو) کی ہی دلالت اور نشاندہی کرتا ہے اور یہ بات زیادہ قرین قیاس اور قابل قبول ہے تاہم معلومات ذوالقرنین کی یقینی شناخت سے متعلق بعض حضرات کو بھی کوئی حتمی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں بتاتی۔

کلیدی نکات:

دو سینگوں کا لقب اور اس کی تفصلات یہودیوں کے علم کے لئے عام تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مکہ کے باشندوں سے حضرت محمد ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے کہا تھا اس لئے اس کی تحقیق کے لئے ہمیں یہودی لٹریچر پر ہی انحصار کرنا چاہئے تاکہ معلوم ہو سکے کہ دو سینگوں والے کی سلطنت کون سی تھی۔

مودودی صاحب کی رائے میں چند ہی لوگ ایسے ہیں جو ان تفصیلات پر پورے اترتے ہیں۔

ذوالقرنین کا لقب ایک ایسے حکمران کے لئے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے جو یاجوج ماجوج کے حملوں سے اپنی سلطنت کی حفاظت سے سروکار رکھتا ہو۔ اور جس نے پہاڑی درے کے آر پار ایک مضبوط تحفظی دیوار تعمیر کرائی ہو اور وہ ایک خدا ترس انسان بھی ہو۔

مزید اشارے:

کتاب قرآن وحدیث مصنفہ علی المتقی میں مذکور ہے کہ قرآنی آیات میں مذکور صفات کی ایک دیوار درہ داریال جو کاکیشیا میں ہے موجود ہے اور وہاں ایک چشمہ آب بھی جس کو وہاں کے لوگ چشمہ سائرس کہتے ہیں

Marfat.com

آرمینیائی لوگ اس دیوار کو بے باگ گرانی کہتے ہیں جس کا مفہوم ہے سائرس کا راستہ۔

توریت کے عربی تراجم میں لفظ ذوالقرنین دانیال کی کتاب ۸:۲۰ میں آیا ہے ترجمہ از عربی جو مینڈ ھاتم نے دیکھا ہے جس کے دوسینگ میں میڈیا اور فارس کے شہنشاہ کی ترجمانی کرتا ہے۔

ذوالقرنین نے اتنی سلطنت کو تین سمتوں میں وسعت دی مشرق، مغرب اور شمال جو بالکل سائرس کی وسعتوں کی طرح ہی ہیں جب کہ اس نے جنوب کی طرف پیش قدمیاں نہیں کی ہیں۔ تورانی جنوبی پیش قدمیاں سائرس کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہیں یہ بھی ذہن میں رہے کہ سکندر کی پیش قدمیاں جنوب ومشرق کی طرف کی تھیں۔

حوالہ جات:

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا موضوع ذوالقرنین

۲۔ تفسیر المیز ان جلد ۲۶

۳۔ تفسیر برگزیدہ جلد سوم ص ۶۹

۴۔ آرمینائی بی، بی، سی نیوز

۵۔ یوسی بر کے ماہر آثار قدیمہ ڈیوڈ اسٹروچ

۶۔ ایرانیاں در قرآن و روایات سید نور الدین اسطی

۷۔ کتاب دانیال نبی باب ۸۔

نوٹ مرتب:

دوسینگوں والے (ذوالقرنین) نام کا سبب اصلاً یہ ہے کہ اس کے تاج پر دوسینگ بنے ہوئے تھے۔ تاج کے فوٹو سے یہ امر ثابت ہے جو اس کتاب میں موجود ہے لہذا اس نام کے لئے دوسری قیاس آرائیاں خود بخود مسترد ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

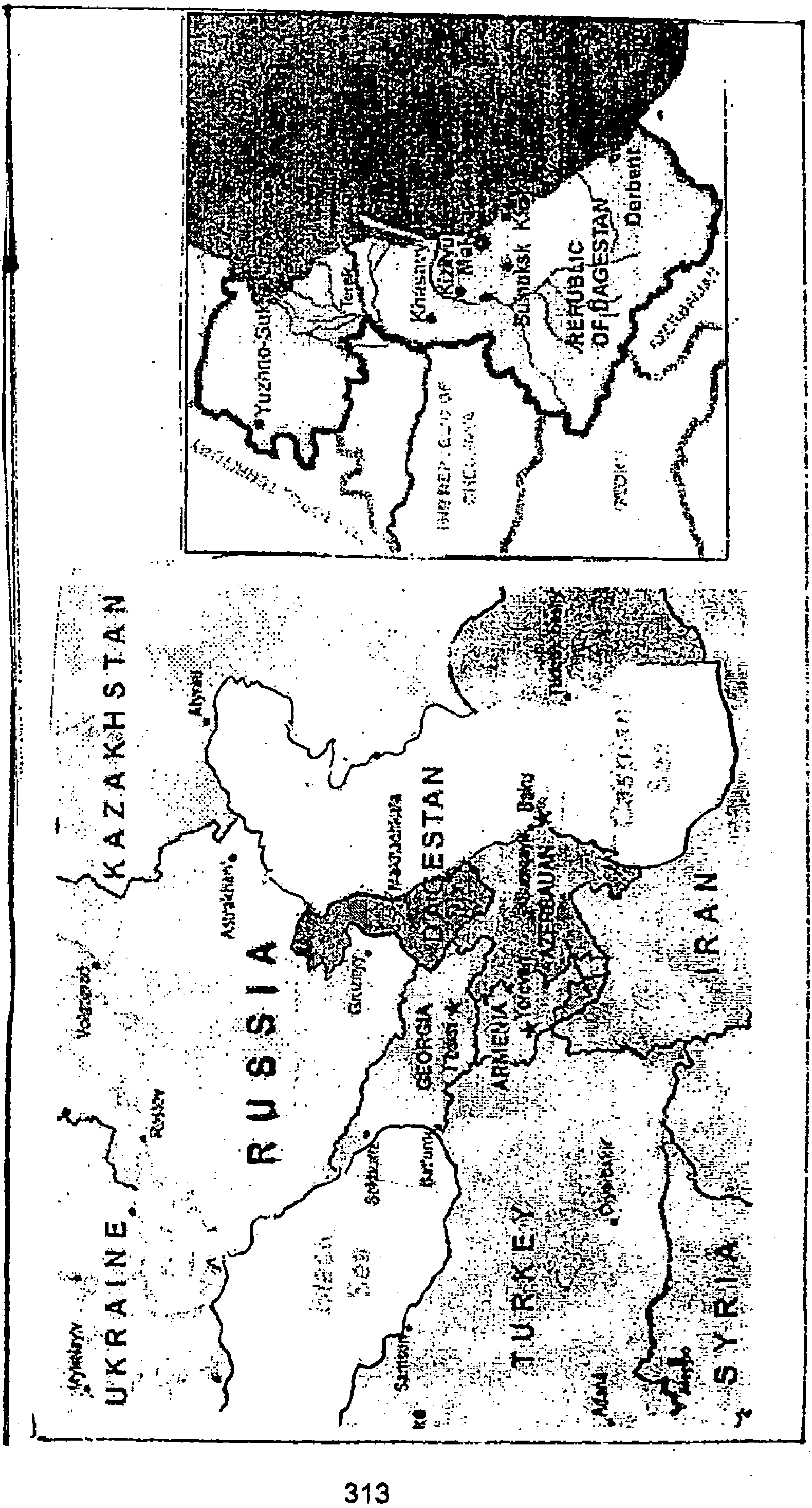
UKRAINE
RUSSIA
KAZAKHSTAN
GEORGIA
ARMENIA
AZERBAIJAN
DAGESTAN
TURKEY
SYRIA
IRAN
Volgograd
Astrakhan
Atyrau
Grozny
Makhachkala
Baku
Tbilisi
Yerevan
Batumi
Samsun
REPUBLIC OF DAGESTAN
Derbent
Terek
Khasavyurt

Marfat.com

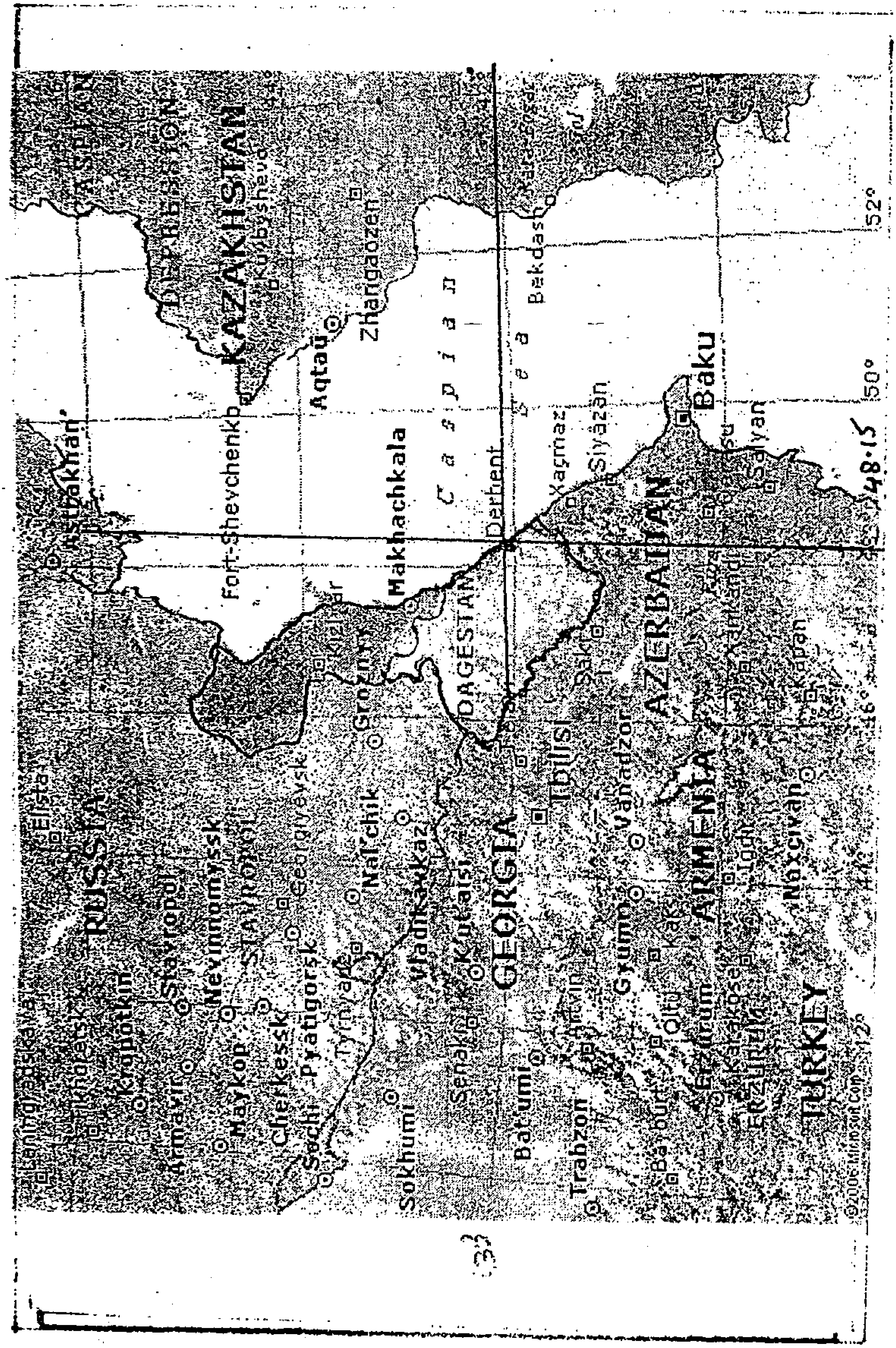
RUSSIA
KAZAKHSTAN
GEORGIA
AZERBAIJAN
ARMENIA
TURKEY
DAGESTAN
Caspian Sea
Astrakhan
Fort-Shevchenko
Aqtau
Zhangaozen
Bekdash
Makhachkala
Derbent
Baku
Grozny
Nalchik
Vladikavkaz
Stavropol
Nevinnomyssk
Pyatigorsk
Cherkessk
Maykop
Armavir
Kropotkin
Elista
Sochi
Sokhumi
Kutaisi
Batumi
Tbilisi
Trabzon
Gyumri
Vanadzor
Erzurum
Naxcivan
Kapan
Siyazan
Salyan
Georgiyevsk
50°
52°

Marfat.com

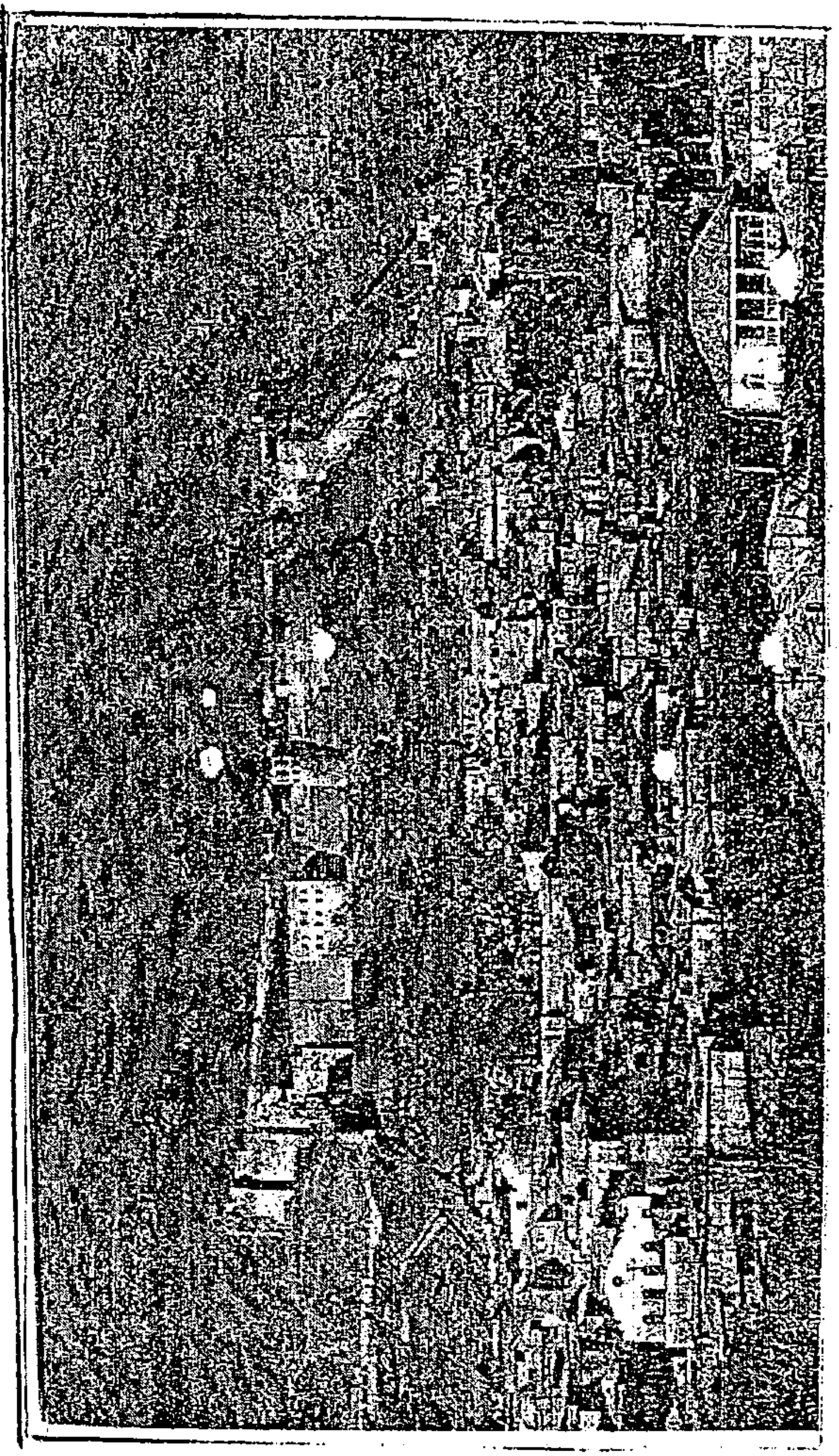

شہر مدینہ

Marfat.com

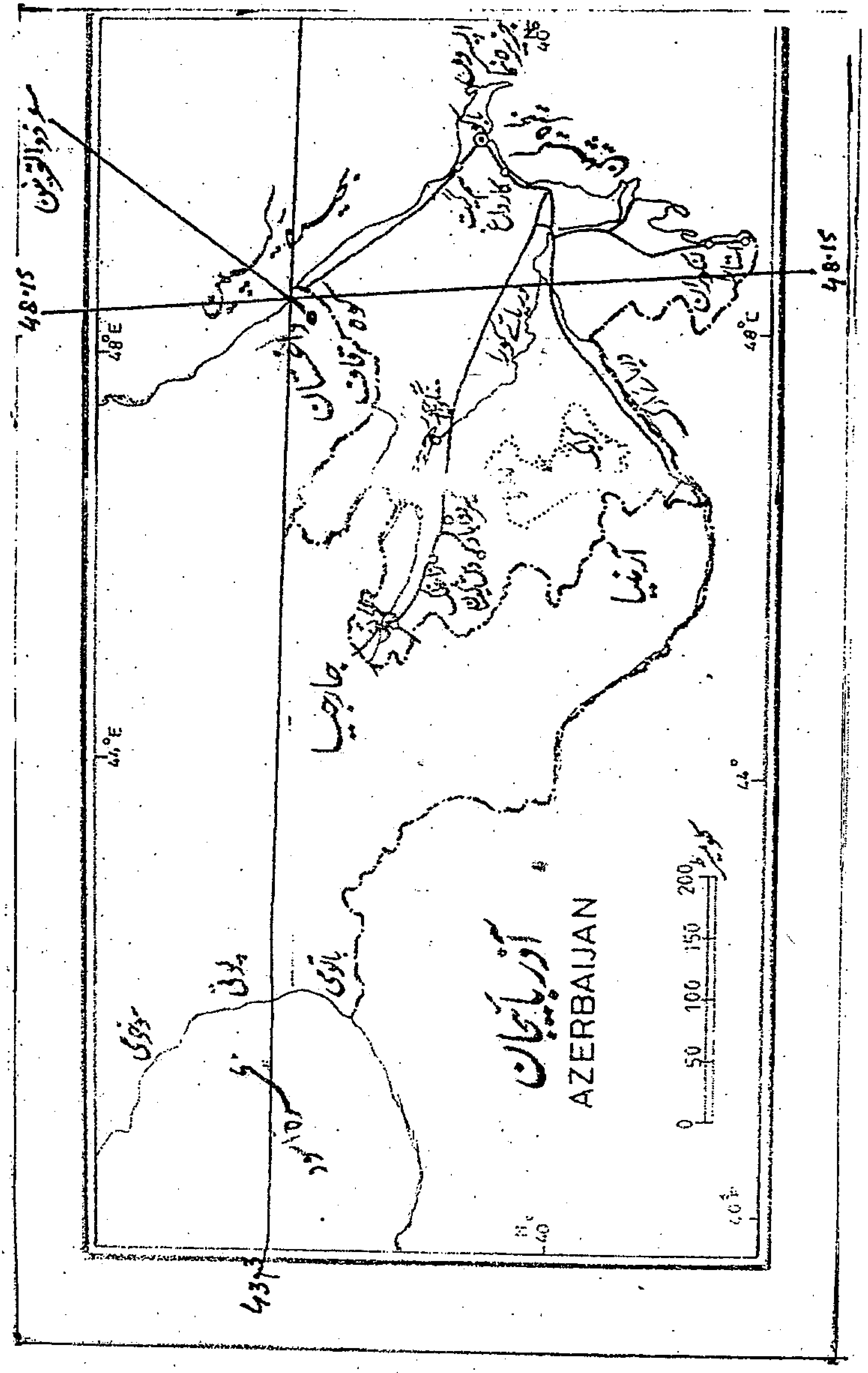

Marfat.com

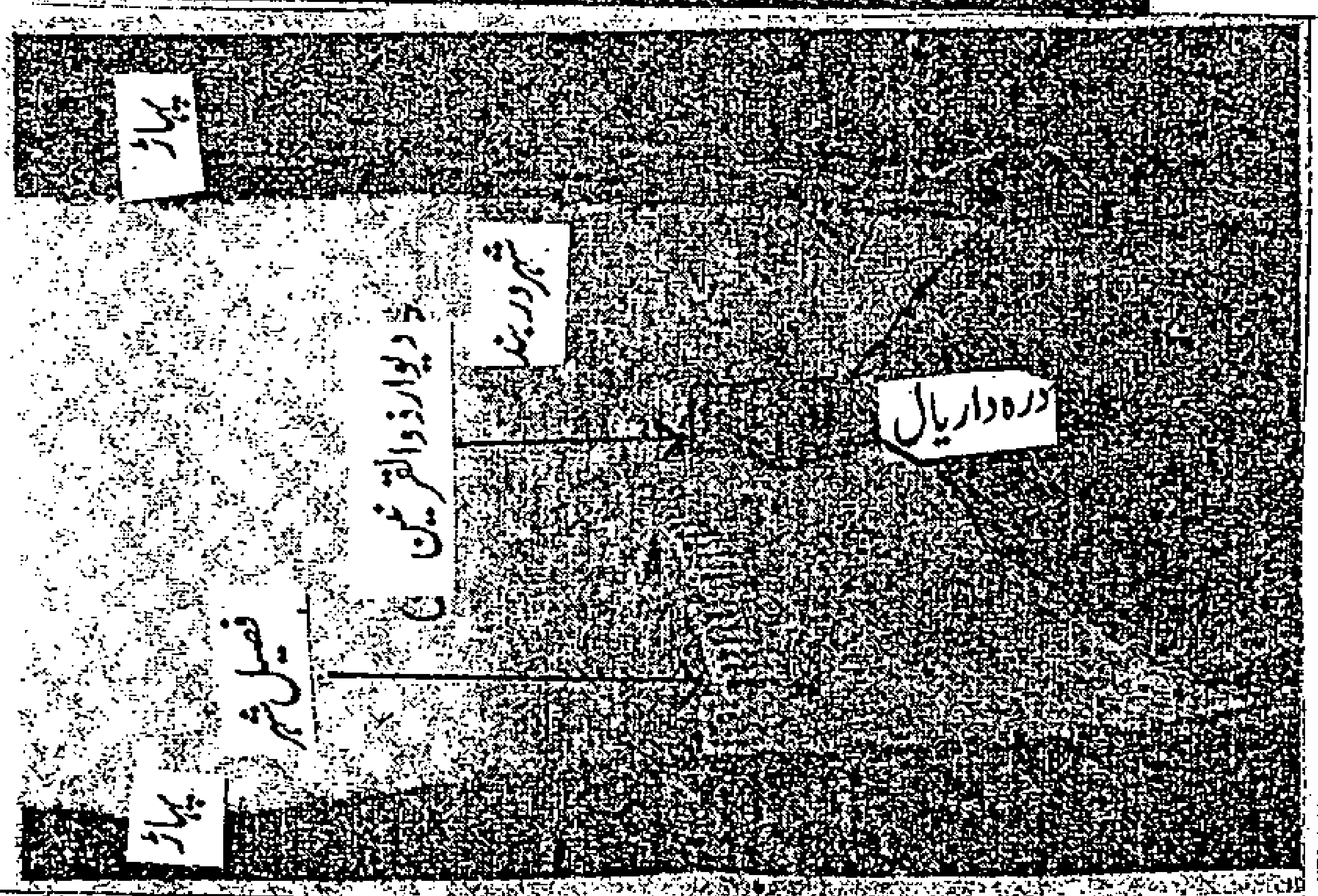

مجسمہ ذوالقرنین

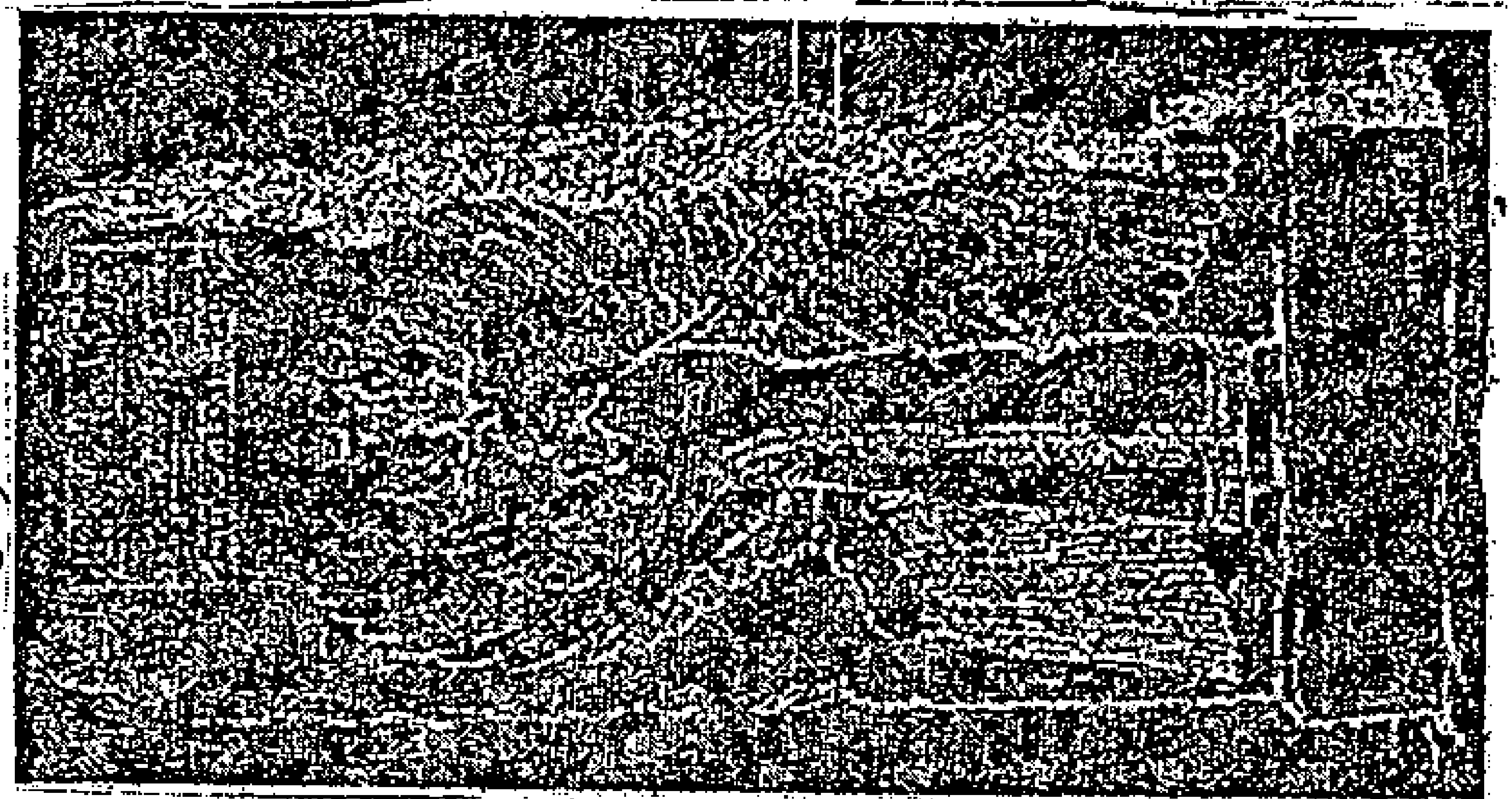

Dhul-Qarnayn is thought to refer to Cyrus by many Qur'anic commentators.

ذوالقرنین کا تاج

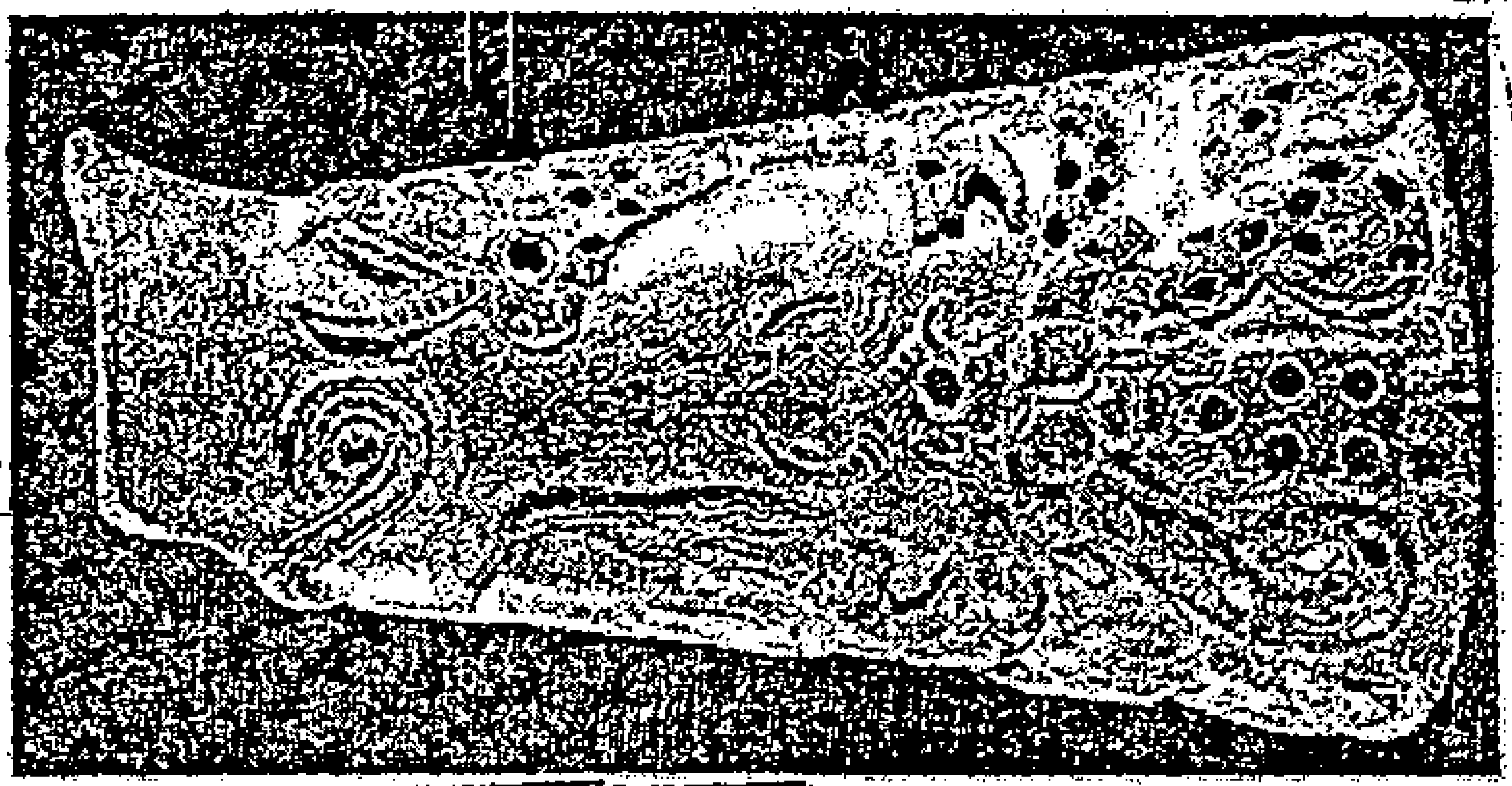

A "two horned" Elamite figure wrestling with serpents.

Marfat.com

DERBENT

The Hebrew University ... National & University Library

Marfat.com

27.12.2008

Hakeem Zillur Rahman
B-29, Johri Farm, Extn.
Jamia Nagar, N. D.-110025

Ph.: 65357060
9891084798

Honable President
Islamic Jamhooria of IRAN

Sub: Research in respect of Zul Qurnain in Holy Quran-i-Karim Para 16-Surah Alkahaf-Ayah 94-on words

Attention: (1) A Archeological Dept. of Iran
(2) Historical Dept. of Iran

Through
The officer incharge Iranian cultural house with Respect Sir.

Respect Sir,
Assalam-o-Alaikum va Rahmatulla va Barkatulha.

I am doing research work about Zul Qarnain who is none else but the king ciros of Iran about 500 years B.C. as per researches of Molana Abul Kalam Azad and Molana Hifzur Rahman of India. Molana Azad's book's Persian Translation "Zul Qurnain or Corvash Azam" has been published in Iran.

An article Zul Qurnain had also been published in "Rah-e-Islam, Oct. 90 S. No. 79, Oct. 90 S. No. 80, Jan. 91 S.No. 82 published by Iranian Cultural Centre Delhi.

Many Mufassareen have written different details in this respect which are still controversial I require some authentic literature and a photo of this wall. Which exist Daryal Dagistan al done Daryal (longitude No. 48-15 and latitude 43-3.)

I shall be highly obliged of you will be kind enough to direct your archeological & historical dept. to provide me some literature and a photo of this wall.

With regards
Sincerely yours

Hakeem Zillur Rahman

Copy to
Officer Incharge
Iranian Cultural House
18 Tilak Marge, New Delhi-110002

Marfat.com

27.12.2008

Hakeem Zillur Rahman
B-29, Johri Farm, Extn.
Jamia Nagar, N. D.-110025

Ph.: 65357060
9891084798

Honable Ambassador of Russia
New Delhi India

Sub: Research in respect of Zul Qurnain in Holy Quran-i-Karim Para 16-Surah Alkahaf-Ayah 94-on words

Attention:. (1) A Archeological Dept. of Russia
(2) Historical Dept. of Russia

Respect Sir,

I am doing research work about Zul Qarnain who is none else but the king ciros of Iran about 500 years B.C. (as per researches of Molana Abul Kalam Azad and Molana Hifzur Rahman of India).

Many writers have written different details in this respect which are still controversial I require some authentic literature and a photo of this wall. Which exist Daryal pass of Dagistan of your state (longitude No. 48-15 and latitude 43-3) map enclosed.

I shall be highly obliged of you will be kind enough to direct your archeological & historical dept. to provide me some literature and a photo of this wall. Or refer this letter to your capital at Mascow.

With regards
Sincerely yours

Hakeem Zillur Rahman

Marfat.com

Derbent has archaeological structures over 5000 years old. As a result of this geographic particularity the city developed between two walls, stretching from the mountains till the sea. Along the times different nations gave the city different names, but all connected to the word 'gate'.(باب)

The first intensive settlement in the Derbent area dates from the 8th century B.C. Until the 4th century A.D. century it was part of Caucasian Albania, when it became part of the Sassanid empire as a strong military outpost and harbour. During the 5th and 6th centuries Derbent becomes also an important centre for spreading the Christian faith in the Caucasus.

During the 630s it was invaded by the Khazar khanate. In 654 Derbent was captured by the Arabs, which transformed it in an important administrative centre and introduced Islam to the area. In the 10th century, with the collapse of the Arab Caliphate Derbent becomes an emirate, until

it's invaded by the Mongols in 1239.

In the 14th century it was occupied by the hordes of the Tatar warlord Timur. In 1437 it falls under the control of the Shirvan Khan. During the 16th century Derbent is the arena for wars between Turkey and Persia ruled by the Azeri Sefevid dynasty. By the early 17th century the Sefevid Shah Abbas inflicted a serious defeat on the Turks and recoverd Derbent.

By the 1735 Ganja treaty Derbent falls within the Persian state. In 1747 Derbent became the capital of the khanate of the same name. Finally in 1796 it was occupied by Russian forces involved in the 2nd Persian campaign. As a consequence of the Gulistan treaty of 1813 - between Russian and Persia - Derbent became part of the Russian empire.

A large portion of the walls and several watchtowers have been preserved in reasonable shape till our days. The walls, reaching until the sea, date from the 6th century, Sassanid dynasty period. The city has a well preserved citadel (Narin-kala), comprising an area of 4.5 hectares, enclosed by strong walls. It's worth

Marfat.com

Derbent (Dagestan)

DAGESTAN (DAGHESTAN)

Largest caucasian republic in the Russian Federation, with an area of 50.300 sq. km and a population of 2.1 million. The republic has borders with Azerbaijan, Georgia but also with the Russian republics of Chechnya and Russia.

With a long and troubled history Dagestan became an autonomous republic in 1920 and today is one of the world's most complex ethnic patchworks: it has 32 different ethnic groups, the main being: Avars, Russians, Darghins, Kumyks, Lezgins, Laks, Azeris, Tabassarans, Chechens, Nogais, Rutuls, Aguls, Tsakhurs and Tats.

With a Caspian coast line of about 400 kms, Dagestan is divided into 42 districts, 10 cities and 14 urban settlements. The capital is Makhachkala, ex-Petrovsk-Port. It borders Azerbaijan and Georgia and inside the Russian Federation Chechnia,

The Russian republic of Dagestan is home to a sizeable Azeri community, numbering about 80.000 people. They are mainly in the Derbent district ('rayon'), about 125 kms southeast of Dagestan's capital Makhachkala with a lot also living in the Tabasaransk district.

Derbent is the southernmost city in the Russian Federation, and it is the second most important city of Dagestan, with a population of over 90.000, the Azeris are the main ethnic group, followed by Lezgin and Tabasaran. (To avoid confusion, please note that there is another town called Derbent, located in the southern part of Uzbekistan, Surkhondaryo province).

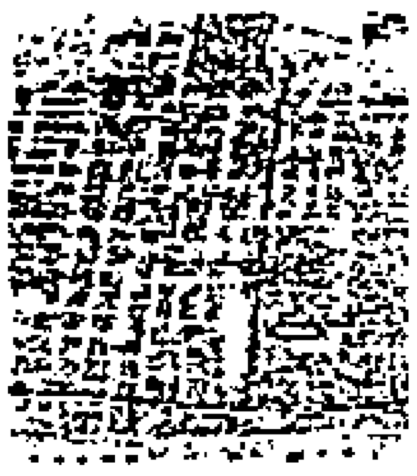

The city is built near the western shores of the Caspian sea, south of the river Rubas, on the slopes of the Tabasaran mountains (part of the Bigger Caucasus range). Derbent is well served by transportation, with its own harbour, a railway going south to Baku and the Baku to Rostov-on-Don road

Derbent has a unique strategical location in the Caucasus: the city is situated on a thin strip of land (3km) between the Caspian sea and the Caucasus mountains, controlling land traffic between south-eastern Europe and the Middle-east.

Derbent claims to be the oldest city in the Russian Federation. Since antiquity the value of the area as the gate to the Caucasus has been understood and

Marfat.com

Geography

* Name as inscribed on World Heritage List.
** Region as classified by UNESCO.

The modern city is built near the western shores of the Caspian Sea, south of the Rubas River, on the slopes of the Tabasaran mountains (part of the Bigger Caucasus range). Derbent is well served by transportation, with its own harbour, a railway going south to Baku, and the Baku to Rostov-on-Don road.

To the north of the town is the monument of the Kirk-lar, or forty heroes, who fell defending Dagestan against the Arabs in 728. To the south lies the seaward extremity of the Caucasian wall (fifty metres long), otherwise known as Alexander's Wall, blocking the narrow pass of the Iron Gate or Caspian Gates (*Portae Athanae* or *Portae Caspiae*). This, when entire, had a height of 29 ft (9 m) and a thickness of about 10 ft (3 m), and with its iron gates and numerous watch-towers formed a valuable defence of the Persian frontier.

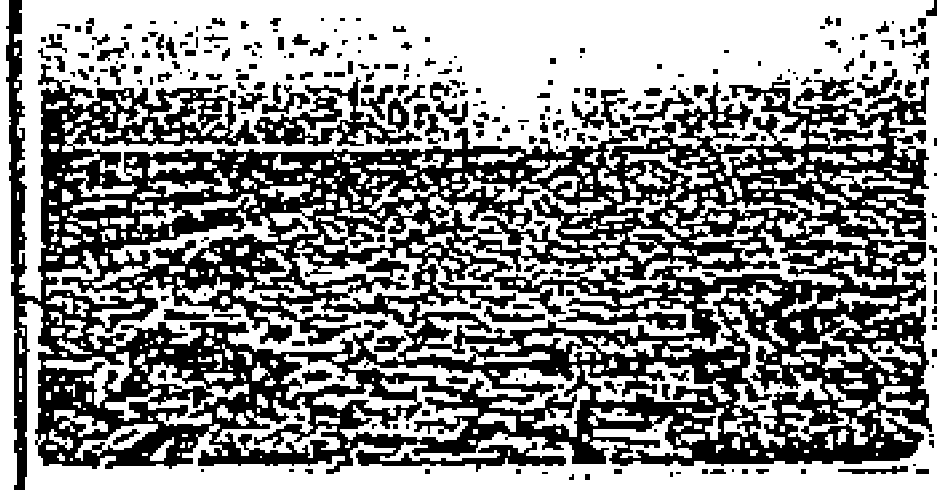

View of the city from Naryn-Kala, 1910s

History

Derbent has an important strategic location in the Caucasus: the city is situated on a narrow, 3-kilometre strip of land between the Caspian Sea and the Caucasus mountains. Historically, this position allowed the rulers of Derbent to control land traffic between the Eurasian Steppe and the Middle East. The only other practicable crossing of the Caucasus ridge was over the Darial Gorge. دره داریال.

The first intensive settlement in the Derbent area dates from the 8th century BCE; the site was intermittently controlled by the Persian monarchs, starting from the 6th century BCE. Until the 4th century CE it was part of Caucasian Albania, and is traditionally identified with Albana, the capital. The modern name is a Persian word (دربند *Darband*) meaning "closed gates", which came into use in the end of the 5th or the beginning of the 6th century AD, when the city was refounded by Kavadh I of the Sassanid dynasty of Persia.

The twenty-metre-high walls with thirty north-looking towers are believed to belong to the time of Kavadh's son, Khosrau I of Persia. The Armenian chronicler Movses Kagankatvatsi wrote about "the wondrous walls, for whose construction the Persian kings exhausted our country, recruiting architects and collecting building materials with a view of constructing a great edifice stretching between the Caucasus Mountains and the Great Eastern Sea". Derbent became a strong military outpost and harbour of the Sassanid empire. During the 5th and 6th centuries Derbent becomes also an important centre for spreading the Christian faith in the Caucasus.

Movses Kagankatvatsi left a graphic description of the sack of Derbent by the hordes of Tong Yabghu of the Western Turkic Khaganate in 627. His successor, Buri-sad, proved unable to consolidate Tong Yabghu's conquests, and the city was retaken by the Persians. In 654 Derbent was captured by the Arabs, who transformed it in an important administrative centre and introduced Islam to the area. Because of its strategic position on the northern branch of the Silk Route, the fortress was contested by the Khazars in the course of the Khazar-Arab Wars.

Marfat.com

visiting the **baths**, the **cisterns**, the old **cemeteries**, the caravanserai, the 18th century Khan's mausoleum, the Armenian Church as well as several **mosques**: t! › most interesting built from a 6th century Christian basilica is the Juma Mosque (with a 15th century madrassa); the 17th century Kyrhlyar mosque, the Bala mosque and the 18th century Chertebe mosque.

The city is home to machine building, food (even a brewery and wineries!), textile, fishing and fishery supplies, construction materials and wood industries.

The education infrastructure is quite good, there is a university as well as several technical schools. On the cultural front, don't miss the Lezgin drama theatre (known as the S.Stalsky theatre). T.iere a nice vacation colony about 2km from the city ('Chayka' - Seagull).

Derbent being in practice a huge museum and with magnificent mountains and shore nearby, a great potential for development of the tourism industry exists, further increased by **UNESCO**'s classification of the Citadel, Ancient City and Fortress as 'world heritage' in 2003, however instability in the region hasn't allowed further development (Russian visa procedures are also not very helpful).

If you plan to travel to Derbent probably you will require a Russian visa. There are trains to Baku and a consulate of Azerbaijan is

Derbent

From Wikipedia, the free encyclopedia

Derbent (Russian: Дербент; Azeri: *Dərbənd*; Lezgian: Дербент; Avar: Дербенд; Persian: دربند; Judæo-Tat: דארבאנד *Дербенд*[1]) is a city in the Republic of Dagestan, Russia. It is the southernmost city in Russia, and it is the second most important city of Dagestan. Population: 101,031 (2002 Census); 78,371 (1989 Census). The Azeris are the main ethnic group (42%), followed by Lezgins (25%) and Tabasarans (20%).

Often identified with the legendary Gates of Alexander, Derbent claims to be the oldest city in the Russian Federation. Since antiquity the value of the area as the gate to the Caucasus has been understood and Derbent has archaeological structures over 5,000 years old. As a result of this geographic particularity the city developed between two walls, stretching from the mountains to the sea. These fortifications were continuously employed for a millennium and a half, longer than any other extant fortress in the world. Over the years different nations gave the city different names, but all connected to the word 'gate'. (باب در)

Citadel, Ancient City and Fortress Buildings of Derbent

UNESCO World Heritage Site

Marfat.com

A large portion of the walls and several watchtowers have been preserved in reasonable shape till our days. The walls, reaching to the sea, date from the 6th century, Sassanid dynasty period. The city has a well preserved citadel (Narin-kala), comprising an area of 45,000 m², enclosed by strong walls. Historical attractions include the baths, the cisterns, the old cemeteries, the caravanserai, the 18th century Khan's mausoleum, as well as several mosques. The oldest mosque is the Juma Mosque, built over a 6th century Christian basilica; it has a 15th century madrassa. Other shrines include the 17th century Kyrhlyar mosque, the Bala mosque and the 18th century Chertebe mosque.

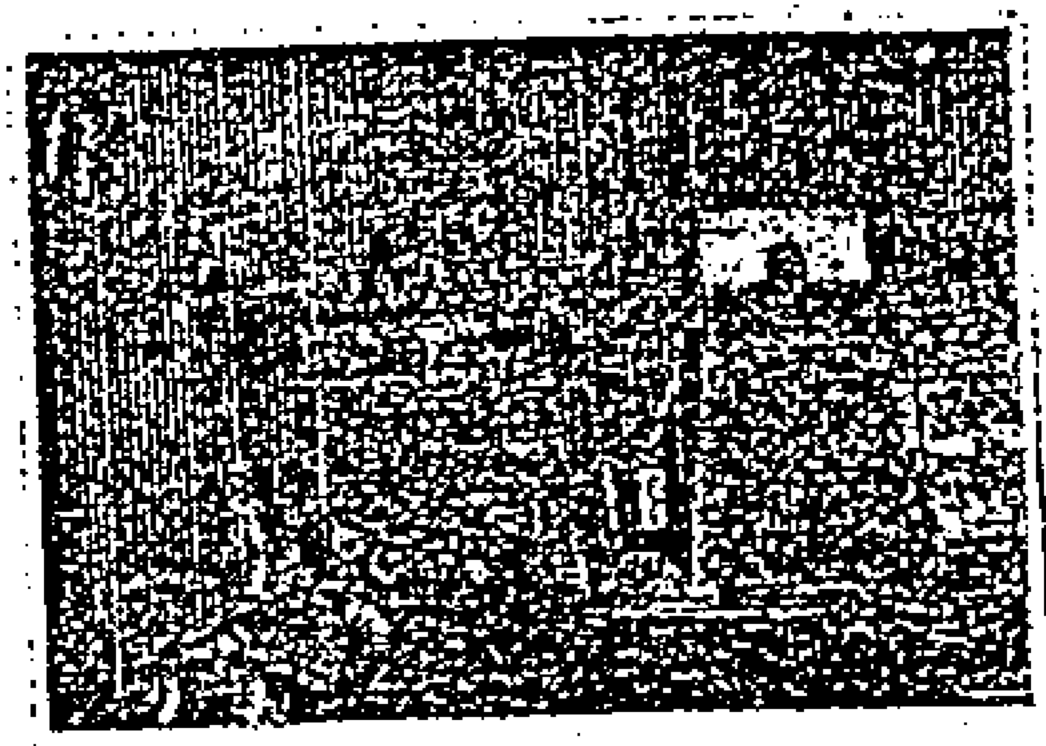
The Caspian Gates.

Economy and culture

The city is home to machine building, food, textile, fishing and fishery supplies, construction materials and wood industries. It is the production centre of Russian brandy. The education infrastructure is quite good; there is a university as well as several technical schools. On the cultural front, there is a Lezgin drama theatre (S. Stalsky theatre). About two kilometres from the city is the vacation colony of *Chayka* (Seagull).

Derbent being in practice a huge museum and with magnificent mountains and shore nearby, a great potential for development of the tourism industry exists, further increased by UNESCO's classification of the Citadel, Ancient City and Fortress as a World Heritage Site in 2003; however, instability in the region has not allowed further development.

A gate in the old city of Derbent.

A gate of the citadel.

View on the Caspian Sea.

References

1. ^ Its etymology derives from the Persian *Darband* ("closed gate"); it was known to the Arabs as *Bāb al Abwab* ("Gate of Gates") and to the Turks as *Demirkapı* ("Iron Gate").

- *This article incorporates text from the* Encyclopædia Britannica *Eleventh Edition, a publication now in the public domain.*
- *Some text used with permission from www.travel-images.com. The original text can be found here.*

Marfat.com

The recent excavations on the eastern side of the Caspian Sea opposite to Derbent, have revealed the eastern counterpart to the wall and fortifications of the city in the Great Wall of Gorgan. Similar Sasanian defensive fortifications--massive forts, garrison towns, long walls--are seen on the eastern shores of the Caspian extending literally into the sea as they are witness emerging from the rising waters of the Caspian in the west at Derbent.

The Caliph Harun al-Rashid spent time living in Derbent, and brought it into great repute as a seat of the arts and commerce. According to Arab historians, Derbent, with population exceeding 50,000, was the largest city of the 9th-century Caucasus. In the 10th century, with the collapse of the Arab Caliphate,

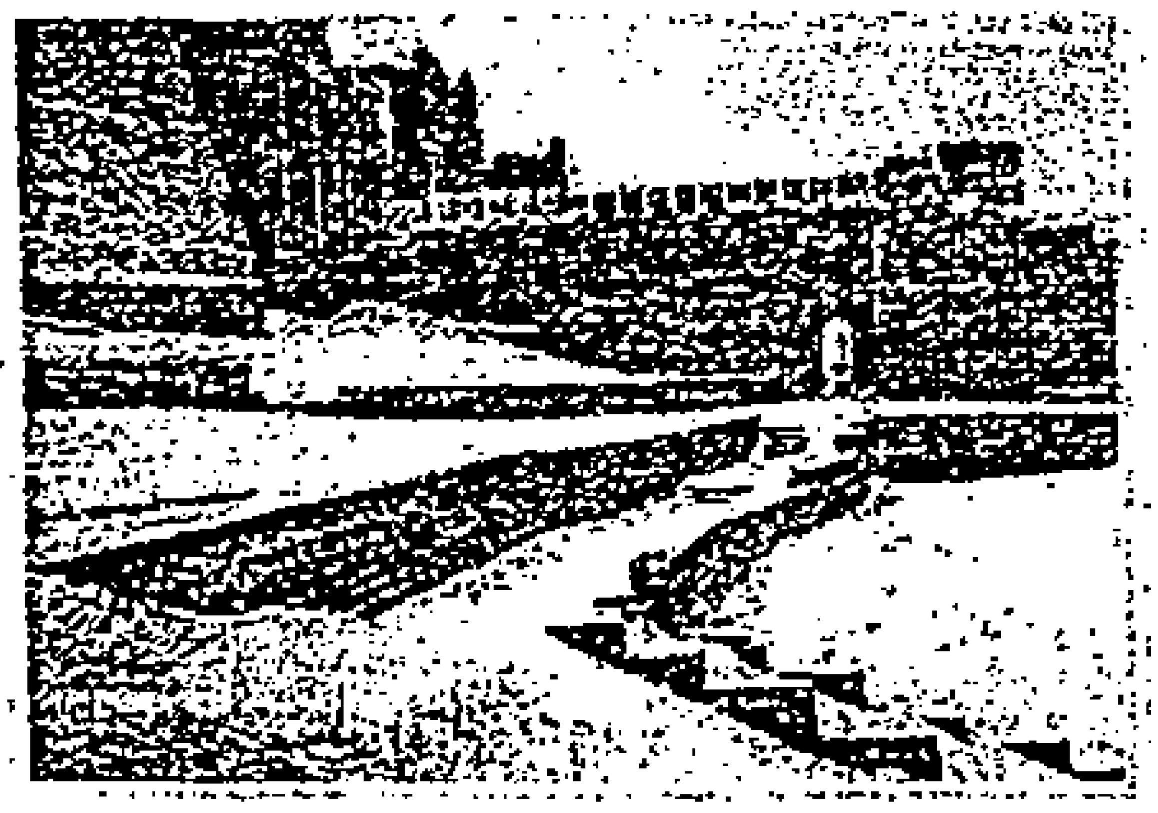

Sassanian fortress in Derbent.

Derbent became the capital of an emirate. This emirate often fought losing wars with the neighboring Christian state of Sarir. allowing Sarir to occasionally manipulate Derbent politics. Despite that, the emirate outlived its rival and continued to flourish at the time of the Mongol invasion in 1239.

In the 14th century Derbent was occupied by Tamerlane's armies. In 1437 it fell under the control of the Shirvanshahs of Azerbaijan. During the 16th century Derbent was the arena for wars between Turkey and Persia ruled by the Iranian Safavid dynasty. By the early 17th century the Safavid Shah Abbas I inflicted a serious defeat on the Turks and recovered Derbent, which had been a part of Safavid Empire for centuries previous.

By the 1735 Ganja treaty Derbent fell within the Persian state. In 1722 during the Russo-Persian War, Peter the Great of Russia wrested the town from the Persians, but in 1736 the supremacy of Nadir Shah was again recognized. In 1747 Derbent became the capital of the khanate of the same name. During the Persian Expedition of 1796 it was stormed by Russian forces under Valerian Zubov. As a consequence of the Treaty of Gulistan of 1813—between Russian and Persia—Derbent became part of the Russian Empire.

Marfat.com

kingdom of Judea in sixth century B.C and the Jews were taken to Babylon as captives. The temple of Jerusalem was plundered and desecrated. From then onwards the Jews remained in Babylon as captives for seventy years. During this time the Prophet Daniel was appointed in Jews. He was the Prophet who at one time, after receiving revelation from God in a dream, announced the coming of a savior of Jews—the one who would release them from the captivity of the Babylonians. In that dream the Prophet Daniel saw this savior as a ram with two horns (Zulqarnain---one with two horns) (Daniel 8:1-4). The two horns metaphorically showed the two kingdoms of Media and Persia united and ram depicting the savior himself showed him to be the conqueror and king of this united kingdom. This king was Cyrus. He was the one who afterwards conquered the Babylonian kingdom and released the Jews from captivity and allowed them to go back to their homeland and build the temple. It was because of these reasons that Jews held him in very high esteem and considered him as their savior as predicted by the Prophet Daniel. Apart from Prophet Daniel, Prophet Isaiah and Jermiah also foretold the destruction of Jerusalem, captivity of Jews and then release with the coming of Cyrus as the savior (Isaiah 44:26-28, 45:1-3) (Jermiah 50:1-3, 29:11). With this explanation it becomes clear that Jews had great regard for the Persian king Cyrus. This answers our second question that out of the three main groups who were the direct addressees of Qur'an—Quraish, Jews, Christians---Jews had a personality in their history who fits the description of Zulqarnain and they had great regard for him. This personality (Cyrus) happens to be the same, which we have alluded to, in the first question. This discussion makes it clear that Cyrus comes very close to the Zulqarnain of Qur'an.

Another interesting thing in this regard is that the commentators of the Qur'an have also generally believed that the Jews instigated the question. The above discussion verifies this notion also and it seems quite possible that actually the Jews instigated the question and the Quraish asked it on their behalf.

However, it would be pertinent to mention in brief the three expeditions and the wall built by Zulqarnain (Cyrus). Cyrus's western expedition was the one, in which he conquered Lydia and the Lonian city-states on the western coast of Asia Minor. It is in all probability this expedition which the Qur'an mentions as the one in which he reached a place where he saw the sun sinking in water, metaphorically explaining the western direction of his conquest and his experience while standing at the shore of Mediterranean in western Asia Minor (modern Turkey). He must have had the same vision in front of him at that time. Next, Cyrus turned his attention towards the barbaric nomadic tribes of the eastern part of the Iranian plateau. It is probably this expedition which the Qur'an mentions as the one in which he conquered a people who had no cover for the rising sun, metaphorically explaining their nomadic life style and the eastern direction of the conquest. Lastly, the Qur'an talks about his third expedition. This is probably when Cyrus went to the northeastern part of his empire (Caucasus mountain range between the Black Sea and the Caspian sea) and built barriers to protect his people against the incursion of nomadic tribes who lived on the other side of the Caucasus range, and referred to as Gog and Magog in the Qur'an. As for the iron wall itself, its remains probably can still be found in the area of the Caucasus region called Dariel Pass.

With this discussion in view we can conclude that in our opinion there is a greater likelihood that Cyrus the Persian king was the person mentioned as Zulqarnain in the Qur'an. However, it should always be kept in mind that Qur'an has not specifically mentioned any name, so we should also avoid saying that our opinion is final and the personality we found out to be Zulqarnain is exactly the one which Qur'an calls Zulqarnain. We should always talk about it in terms of our own understanding and knowledge, as the door for further research is always open.

Marfat.com

Who Was Zulqarnain?

Can you tell me who is Zulqarnain cited in the Koran (Surah Al Kahaf 18). Have you an answer about the Iron gate or the iron dam that stopped Gog and Magog and [is] still in work until the end of time. Where is-it?

Reply

The Qur'an relates the story of Zulqarnain (one with two horns) in Surah Kahaf. In fact the Qur'an relates three incidents in this Surah, and the story of Zulqarnain is one of them. These were apparently revealed in response to three questions asked by the Quraish. But actually the Qur'an responded to serve its own purpose of admonition. As to who was Zulqarnain, the Qur'an does not specifically mention any name or personality in history to be Zulqarnain. However certain hints are given which can be helpful in arriving at a decision as to who actually was Zulqarnain.

The first question in this regard is that which is the personality in history who fits the beliefs and characteristics of Zulqarnain and his different expeditions as mentioned in the Qur'an. Secondly, what was the importance of Zulqarnain for Quraish who asked about him? And if not for the Quraish then for any other group which was the direct addressee of Qur'an — Jews and Christians. In fact these two questions are interrelated and cannot be viewed in isolation, that is, if a personality from history fits the charecteristics of Zulqarnain then we will also have to find out about his importance for any of the three groups mentioned above, for without any historic importance it seems illogical that any of the three groups instigated the question. Specially when the Qur'an responded with the words 'they ask thee concerning Zulqarnain'. Only a personality with these specifications have a greater chance to be Zulqarnain.

There are apparently two personalities in history before Islam who were great conquerors and ruled over vast empires as mentioned by Qur'an. These were Alexander the Greek conqueror and Cyrus the Persian conqueror. As far as Alexander is concerned the extent of his expeditions was towards the east and south, whereas Qur'an mentions Zulqarnain's expeditions towards west, east and a third direction. Secondly when Qur'an talks about Zulqarnain, it shows him as a person believing in one God and the hereafter. He is also depicted as a kindhearted and just ruler. Now it is known about Alexander that he was a polytheist and no incidents of his kindness and justice are explicitly recorded in history. But as far as Cyrus is concerned we find out that the extent of his expeditions was towards west, east and north that is, after becoming the king of Persia, Cyrus went on different expeditions, ultimately conquering almost eighty percent of the civilized world at that time. He became the king of this vast empire stretching from Lydia (west) to India (east) and Bactria (north) to Babylon (south). Secondly history has explicitly recorded incidents of Cyrus's extreme kindness and justice towards his subjects. In fact, these traits of his personality were so conspicuous that friend and foe equally acknowledged this fact. As regards Cyrus's religion, he was a believer in Zoroastrianism, a new religion at that time, which existed with all its purity and spirit. The prophet Zoroaster who was probably contemporary to Cyrus preached belief in one God, the hereafter and all other basic good deeds that form a part of Divine religions. This answers our first question, showing that Cyrus comes very close to the narrative of the Qur'an. Now the second question will be answered in the light of the first.

As far as Alexander is concerned, there is no mention of him in the history of either the Quraish or the Jews and Christians in any manner which makes him significant for either of these groups. But as far as Cyrus is concerned we find out that though he had no significance for Quraish and Christians but Jews had a very special importance for him in their history. What was this importance of Cyrus for Jews? Anyone who is familiar with the Jewish history knows that the Babylonian king Nebuchadnezzar conquered the

Marfat.com

Cyrus the Great in the Qur'an

From Wikipedia, the free encyclopedia
(Redirected from Cyrus the Great in the Quran)

Dhul-Qarnayn (Arabic for "the two-horned") is mentioned in the Qur'an. The story of Dhul-Qarnayn appears in sixteen verses of the Qur'an, specifically the 16 verses 18:83-98 (Al Kahf). There is extensive ongoing debate on who exactly was the historical character of Dhul-Qarnayn. Traditionally, many believe that Dhul Qarnayn is modelled on Alexander The Great, through the intermediary of the *Alexander Romance*. However, in recent years, alternative theories have been proposed supporting other explanations. The most prominent of these is the theory that Dhul-Qarnayn was none other than Cyrus the Great of Achaemenid Persia. This theory has been endorsed by such scholars as Maududi, the Indian minister Maulana Abul Kalam Azad [1], Allameh Tabatabaei,[2] and Naser Makarem Shirazi[3], among others. Cyrus was also a follower of Zoroastrianism,[4] which has some similarities to Islam and Judaism.

(2) Dhul-Qarnayn must have been a great ruler and a great conqueror whose conquests might have spread from the East to the West and on the third side to the North or to the South. Before the revelation of the Qur'an there had been several historical figures, who are known to have been conquerors of such calibre. So one must confine one's search for Dhul-Qarnayn to one such person. Cyrus The Great is the candidate that fits this description quite fittingly.

(3) This title should be applicable to such a ruler who might have constructed a strong wall across a mountain pass to protect his kingdom from the incursions of the *Gog and Magog*. In order to investigate this, one must determine as to who were the Gog and Magog. One must also consider when such a wall was historically built, if at all, and by whom and to which territory it was adjacent to.

(4) Besides possessing the aforementioned characteristics, he should also be a God-worshipper and a just ruler, since the Qur'an has brought into prominence these characteristics more than anything else in the quoted passages.

As mentioned above, the first of these characteristics is easily applicable to Cyrus, for according to the Bible Prophet Daniel saw in his vision that the united kingdom of Media and Persia was like a two-horned ram before the rise of the Greeks. (Dan. 8: 3, 20). The Jews had a very high opinion of "The Two-horned" one, because it was his invasion which brought about the downfall of the kingdom of Babylon and the liberation of the Israelites (also refer to E.N. 8 of Chapter XVII).

Marfat.com

View Full Version : Ya'juj Ma'juj and Zulqarnain

Ya'juj Ma'juj and Zulqarnain firdaws & JAWAK FALAK

Many thousands of years ago the barbarous tribes of Yajuj and Ma'juj were imprisoned behind an iron wall built by Zulqarnayn. Referred to in the Qur'an in Surah Al-Kahf. Zulqarnayn was a Muslim Arab (fathul bari) who lived at the time of the Prophet Ibraheemhttp://www.inter-islam.org/images/alayhisalam.gif and not Alexander the Great as it is commonly known. From amongst one of the four that ruled the entire world (the other three being Prophet Sulaymanhttp://www.inter-islam.org/images/alayhisalam.gif, Nimrod & Buktnasr) he was a pious and just king, provide with all forms of strength through which he was able to carry his conquests and missions.

Once he carried a mission in three directions, the far west, far east, and then in a northerly direction. Travelling first in the westerly direction, he conquered the lands he passed through establishing the laws of Allah therein until he reached the setting of the sun. There he met people that didn't believe in Allah. Given a choice of punishing them for their kufr or being lenient by inviting them first to Islam; he chose the latter and addressed them, "Those evil-doers who do injustice to themselves by rejecting Allah will be punished by death in this world and the hereafter, the fire of hell is their abode. As for those who accept the invitation and believe in Allah they will be treated leniently and in the hereafter Jannah is their place of rest."

After the journey towards the west he made preparation for the journey towards the east. Conquering the lands he passed through, establishing he laws of Allah therein. He continued travelling in the easterly direction until he reached the rising of the sun. In this area of the east he saw a nation receiving the sunshine without any obstruction and they were dealt with like the previous people in the west.

After the journey to the east he started his northern Journey, he kept on travelling until he reached the midst of two mountains, it was here he came across a tribe who complained to him about the tribes of Ya'juj and Ma'juj. Ya'juj and Ma'juj inhabited the land behind the mountains, plundered them, committed bloodshed, and then ran away. Observing Zulqarnain's power they asked to set a barrier in return for a wage for their protection from the disaster and bloodshed, which they often bore at the hands of Ya'juj Ma'juj. Refusing to accept any wealth he built an iron wall with their help which Ya'juj Ma'juj could not cross or pierce. (Qurtubi/ Ibne-Kathir)

The wall of Zulqarnain

Many different opinions have been expressed as to the location of the iron wall of Zulqarnain. Having read many books, the best on the subject I came across was Shaikh Hifzur-Rahman's "Stories of the Qur'an" and thus have chosen to share a brief summary of what he has written.

He writes "The Yajuj Ma'juj caused destruction and blood- shed in a vast area, and because of their oppression many barriers and walls were erected in different times and places by different kings. Four being the most famous:

1) The Great Wall of China which was built by the Chinese King Fagfor 3460 years after Prophet Adamhttp://www.inter-islam.org/images/alayhisalam.gif was put on the Earth.
2) The wall in central Asia near Bukhara and Tirmidh in a place called Derbent.
3) The wall in Dagistan Russia also known as Derbent near the Caspian Sea.
4) The wall which is in the westerly direction to the third in the region of the Caucasus.

Because these walls were built for one purpose and are all situated in the North, it has always been very difficult to determine exactly the wall built by Zulqarnain."

He further writes, "The biggest out of the four is the great wall of China and nobody is of the opinion that this is the wall built by Zulqarnain as it is in the easterly direction while the Qur'an indicates the wall of Zulqarnain is in the Northerly direction."

Thus leaving walls 2, 3, and 4.

He writes, "Historians like Masoodi, Istakhari and Hamawi are of the opinion that the wall of Zulqarnain is wall number 3 or 4. Those that have said it is wall number two have confused the issue due to the location of Derbent which is near Bukhara and also in Dagistan."

He finally writes, "Out of two, the historians are of the opinion that it is wall 3 or 4, the master of hadith Allama Anwar Shah Kashmiri in his book Aqeeda-tul-Islam holds the opinion that the wall of Zulqarnain is wall number 4, the one in the region of Caucasus." (Stories of the Qu'ran) After this short summary I find myself inclined to Allama Aloosi's opinion I conclude with his words, "We do not know the location of this wall and it is very probable that great seas and mountains stand between us and the wall, and between Ya'juj Ma'juj and the rest of the world."

Marfat.com

He said: "As a ruler it is my duty to protect you from the ravages of your enemies: therefore it is not lawful for me to levy any extra taxes on you for this purpose. The treasury that Allah has placed in my custody, suffices for this purpose. You shall, however, have to help me with your manual labour."

The Wall

He said: "Though I have built a very strong iron-wall, as far as it was possible for me, it is not everlasting, for it will last only as long as Allah wills, and will fall down to pieces when the time of my Lord's promise shall come. Then no power in the world shall be able to keep it safe and secure."

Some people have entertained the misunderstanding that the wall attributed here to Dhul-Qarnain refers to the famous Great Wall of China, whereas this wall was built between Derbent and Dar'yal, two cities of Daghestan in the Caucasus, the land that lies between the Black Sea and the Caspian. There are high mountains between the Black Sea and Dar'yal having deep gorges which cannot allow large armies to pass through them. Between Derbent and Dar'yal, however, there are no such mountains and the passes also are wide and passable. In ancient times savage hordes from the north invaded and ravaged southern lands through these passes and the Persian rulers who were fearful of them had to build a strong wall, 50 miles long, 29 feet high and 10 feet wide, for fortification purposes, ruins of which can still be seen.[7] Though it has not yet been established historically who built this wall in the beginning, Muslim historians and geographers assign it to Dhul-Qarnain because its remains correspond with the description of it given in the Qur'an, despite the fact that the wall is in fact Sassanid in origins, and thusly is about 1000 years too late to have been built by Cyrus.

Ibn Jarir Tabari and Ibn Kathir have recorded the event, and Yaqut al-Hamawi has mentioned it in his Mujam-ul-Buldan that: *when after the conquest of Azerbaijan, Umar sent Suraqah bin 'Amr. in 22 A.H. (643CE) on an expedition to Derbent, the latter appointed 'Abdur Rahman bin Rabi'ah as the chief of his vanguard. When 'Abdur Rehman entered Armenia, the ruler Shehrbaz surrendered without fighting. Then when 'Abdur Rehman wanted to advance towards Derbent, Shehrbaz informed him that he had already gathered full information about the wall built by Dhul-Qarnain, through a man, who could supply all the necessary details and then the man was actually presented before 'Abdur Rehman. (Tabari, Vol. III, pp. 235-239; Al-Bidayah wan-Nihayah, Vol. VII, pp. 122-125, and Mu'jam-ul-Buldan, under Bab-ul-Abwab: Derbent).*

Two hundred years later, the Abbasid Caliph Al-Wathiq despatched a party of 50 men under Sallam-ul-Tarjuman to study the wall of Dhul-Qarnain, whose observations have been recorded in great detail by Yaqut al-Hamawi in Mu jam-ul-Buldan and by Ibn Kathir in Al-Bidayah. They write:

th' expedition reached Samarrah from where they reached Tbilisi and then through As-Sarir and Al-Lan, they reached Filanshah, from where they entered the Caspian territory. From there they arrived at Derbent and saw the wall. (Al-Bidayah Vol. II, p. 111, Vol. VII, pp. 122-125; Mu jam-ul-Buldan: under Bab-ul-Abwab). This clearly shows that even up until the tenth century, Muslim scholars regarded this wall of the Caucasus as the wall of Dhul-Qarnain.

Marfat.com

The second characteristic is applicable to Cyrus to a great extent but not completely. Though his conquests spread to Syria and Asia Minor in the West and to Bākhtar (Balkh) in the East, there is no trace of any of his great expeditions to the North or to the South, whereas the Qur'an makes an explicit mention of his third expedition. However some historians do verify the probability of such a voyage. Nevertheless, this third expedition is not completely out of question for history tells us that Cyrus' kingdom extended to Caucasia in the North. As regards Gog and Magog, it has been established that they were the wild tribes of Central Asia who were known by different names: Scythians, Parthians, Tartars, Mongols, and Huns, who had been making incursions on various kingdoms and empires from very ancient times. It is also known that strong bulwarks had been built in southern regions of Caucasia, though it has yet to be determined historically whether these were built by Cyrus.

As regards the last characteristic, Cyrus is the only known conqueror among the ancient rulers, to whom this may be applicable, for even his enemies have been full of praise for him for his justice, and, Ezra, asserts that he was a God-worshipper and a God-fearing king who set free the Israelites because of his God-worship, and ordered that the Temple of Solomon be rebuilt for the worship of God.

Thus in the light of the above, it is easy to conclude that of all the conquerors who had died before the revelation of the Qur'an, Cyrus alone is the one to whom the characteristics of "Dhul-Qarnain" are most applicable. There is no other conqueror to whom the characteristics stated in the Qur'an are as much applicable as to Cyrus.

The historical Cyrus was a Persian ruler whose rise began about 549 BCE. Within a few years he had conquered the kingdoms of Media and Lydia; by 539 BCE he had conquered Babylon. There was no powerful kingdom left to oppose him. His conquests extended eastward to Turkistan; westward to Ionia; northward to Caucasia--covering, in fact, much of the known civilized world.

Journey towards north/Gog & Magog

The "two mountains" must have been parts of that mountain range which runs between the Caspian Sea and the Black Sea. This must be, for beyond them was the territory of Gog and Magog. "It was difficult to communicate with them: their language was almost foreign to Dhul-Qarnain and his companions, and, as they were quite barbaric, none could understand their language, nor were they acquainted with any foreign language."

As has already been pointed out, Gog and Magog were the wild tribes of North Eastern Asia which, from the very early times had been making inroads on settled kingdoms and empires in Asia and Europe and ravaging them. According to Genesis (Chapter 10), they were the descendants of Japheth, the son of Noah, and the Muslim historians have also accepted this. And according to the book of Ezekiel (Chapters 38, 39), they inhabited the territories of Mesnech (Moscow) and Tubal (Tubalsek). According to the Israelite historian Josephus, they were the Scythians and their territory spread to the north and the east of the Black Sea. According to Jerome, Magog inhabited the territory to the north of Caucasia near the Caspian Sea.

Marfat.com

of the empire, the most important of these being that spoken of in v.93, the part of the frontier between the Caspian and the Black Seas, where the Caucasus afforded a natural protection against the attacks of the Scythians. Darius goes first westward to the Black sea (v.85, 86). Then he undertakes an eastward journey-- the land of the rising sun. The description of the people found here, a people who had no shelter from the sun, is a description of the barbarous aboriginal tribes on the shores of the Caspian. The En. Br. says in the article on Media: "The names in the assyrian inscriptions prove that the tribes in the Zagros and the northern parts Media were not Iranians nor Ind-Europeans, but an aboriginal population, like the early inhabitants of Armenia, perhaps connected with the numerous tribes of the Caucasus. We can see how the Iranian element gradually became dominant: princes with Iranian names occasionally occur as the ruler of these tribes. But the galae, Tapuri, Cadusii, Amardi, Utii and other tribes in Northern Media and on the shores of Caspain, were not Iranians."} Maududi says: {Early commenators on the Qur'an were generally inclined to believe that it referred to Alexander. The characteristics attribute to Dhul Qarnayn, however, hardly apply to Alexander. In the light of the latest historical evidence, contemporary commentators on the Qur'an are inclined to believe that Dhul Qarnayn signifies the Persian Emperor, Cyrus. This, in any case, seems more plausible. Nevertheless, the info available to date does not enable one to form a definitive opinion concerning Dhul Qarnayn's identity.

- Key points:

1. The title "The Two-Horned' was at least familiar to the Jews. This is evident from the fact they had instigated the Meccan unbelievers to ask the Prophet about him. One must, therefore, inevtiably turn to Jewish literature to find out who this person was or to establish whiat was the kingdom know as 'The Two-Horned.'
2. (in summary of Maududi) there are only a few people who fit this description
3. The title of Dhul Qarnayn may be used for a ruler who, being concerned with the defence of his kingdom from the assaults of Gog and magog, had a strong protective wall construceted across a mountain pass.
4. He is a God conscious person.

Further indications

- The book *Iranians in the Qur'an and Traditions* by Ali Abtahi[8] mentions that a wall with characteristics mentioned in the verses of the Qur'an exists in the Dariel passage in the Caucasus mountains, and that there is even a stream nearby which is called "Saeres"[9] by the locals. According to this source, local Armenians called this wall "Behag Gurai" (meaning "The passage of Cyrus").

- In Arabic translations of the Old Testament, the word "Dhul Qarnayn" (Hebrew: Ba'al Haqqərānayim בעל הקרנים) appears once in the Old Testament, in the Book of Daniel 8:20:

Marfat.com

Yaqut in his Mu jam-ul-Buldan has further confirmed the same view at a number of places. For instance, under Khazar (Caspian) he writes:

> "This territory adjoins the Wall of Dhul-Qarnain just behind Bab-ul-Abwab, which is also called Derbent." In the same connection, he records a report by Ahmad bin Fadhlan, the ambassador of Caliph Al-Muqtadir, who has given a full description of the Caspian land, saying that Caspian is the name of a country whose capital is Itil (near the present Astrakhan) right through which flows River Itil, which joins the Caspian front Russia and Bulghar.

Regarding Bab-ul-Abwab he says that this city is called both Al-Bab and Derbent, which is a highly difficult passage for the people coming from the northern lands towards the south. Once this territory was a part of the kingdom of Nausherwan, and the Persian rulers paid particular attention to strengthening their frontiers on that side.

About Zul-Qaymoon, Muhammad Ali says (p586): (The word qarn means a horn, as also a generation or a century and dhul qarnain literally means the two-horned one, or one belonging to the two generations or two centuries. The reference here seems to be to the two horned ram of Daniel's vision (dan. 8:3), which he interpreted as the Kingdoms of Media and Persia, which were combined into a single kingdom under one ruler, Cyrus, who is erroneousy called Darius in the Bible. The reference in Daniel's vision is, however, not to Cyrus but to Darius I Hystaspes (521-485 B.C.), "who allowed the Jews to rebuild their temple, and is referred to in Ezra 4:5,24;5:5;6:1;Hag1:1;2:10;Zech 1;7, and probably in Neh 12:22. His liberality towards the Jews is in complete accord with what we know otherwise of his general policy in religious matter towards the subject nations"

That the "two horned ram" of Daniel's vision is the king of Media and Persia is made plain in Daniel's book, where the interpretation of the dream is given in the following words: "The ram which thou sawest having two horns are the Kings of Media and Persia" (Dan8:20). The reference in the Qur'an in the history of Dhulqarnain is to Darius I: "Darius was the organizer of the Persian Empire. His conquests served to round off the boundaries of his realm in Armenia, the Causcasus and India, and along the Turanian steppes and the highland of Central Asia" (Jewish En., Darius I). The following remarks in the En. Br. strengthen this view: "Darius in his inscriptions appears as a fervent believer in the true religion of Zoroaster. But he was also a great statesman and organizer. The time of conquest had come to an end; the wars which Darius undertook, like those of Augustus, only served the purpose of gaining strong natural frontiers for the empire and keeping down the barbarous tribes on its border. Thus Darius subjugated the wild nations of Caucasus. For the same reason he fought against the Sace and other Turanian tribes." The references in this quotation to Darius being a fervent believer in the true religion of Zoroaster, to his subduing the barbarous tribes on the border, to his gaining strong natural frontiers for the empire, and to his fighting against the Sacae clearly point him out as the Dhul Qarnain of the Qur'an.

The three journeys alluded to seem to have been undertaken with the object of strengthening the fronties

Marfat.com

> أما الكبش الذي رأيته ذا القرنين فهو ملوك مادي وفارس[10]
>
> **Translation: The ram that you saw, *the one with the horns*, represents the kings of Media and Persia.[11]**

- Dhul-Qarnayn expanded his empire in three directions (east, west and north), which is the same as Cyrus' expansions, where he did not make southern expansions (Achaemenid southern exansions began after Cyrus). It should be noted that Alexander made his expansions towards south and east.

References

1. ^ Dhul-Qarnayn: Encyclopedia - Dhul-Qarnayn
2. ^ In his Vol 26 of his Opus Magnum, *Tafsir al-Mizan*
3. ^ In his *Bargozideh Tafseer-i Nemuneh* (برگزیده تفسیر نمونه), Vol 3, p69
4. ^ The Archaemenian, *BBC News*.
5. ^ See [1]
6. ^ See [2]
7. ^ UC Berkeley's page on archeologist David Stronach: [3]
8. ^ ایرانیان در قرآن و روایات، سید نور الدین ابطحی، نشر به آفرین، 1383, ISBN 964-6760-40-6
9. ^ The exact Latin spelling is unclear for this writing. The word appears from the original Persian (سایروس) for this article.
10. ^ http://www.arabicbible.com/bible/word/27-Daniel.doc
11. ^ Daniel - Chapter 8 - Daniel

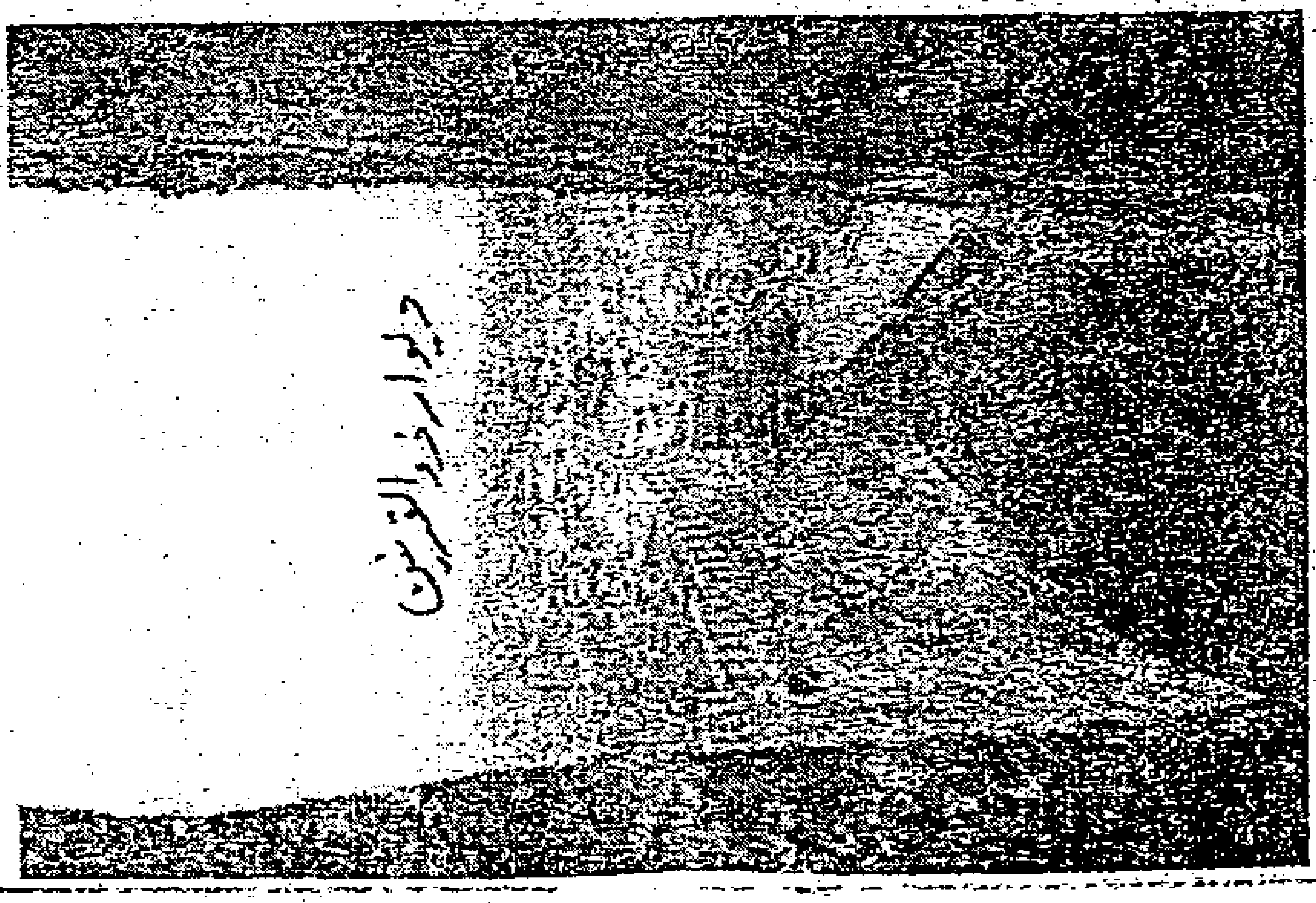

Marfat.com

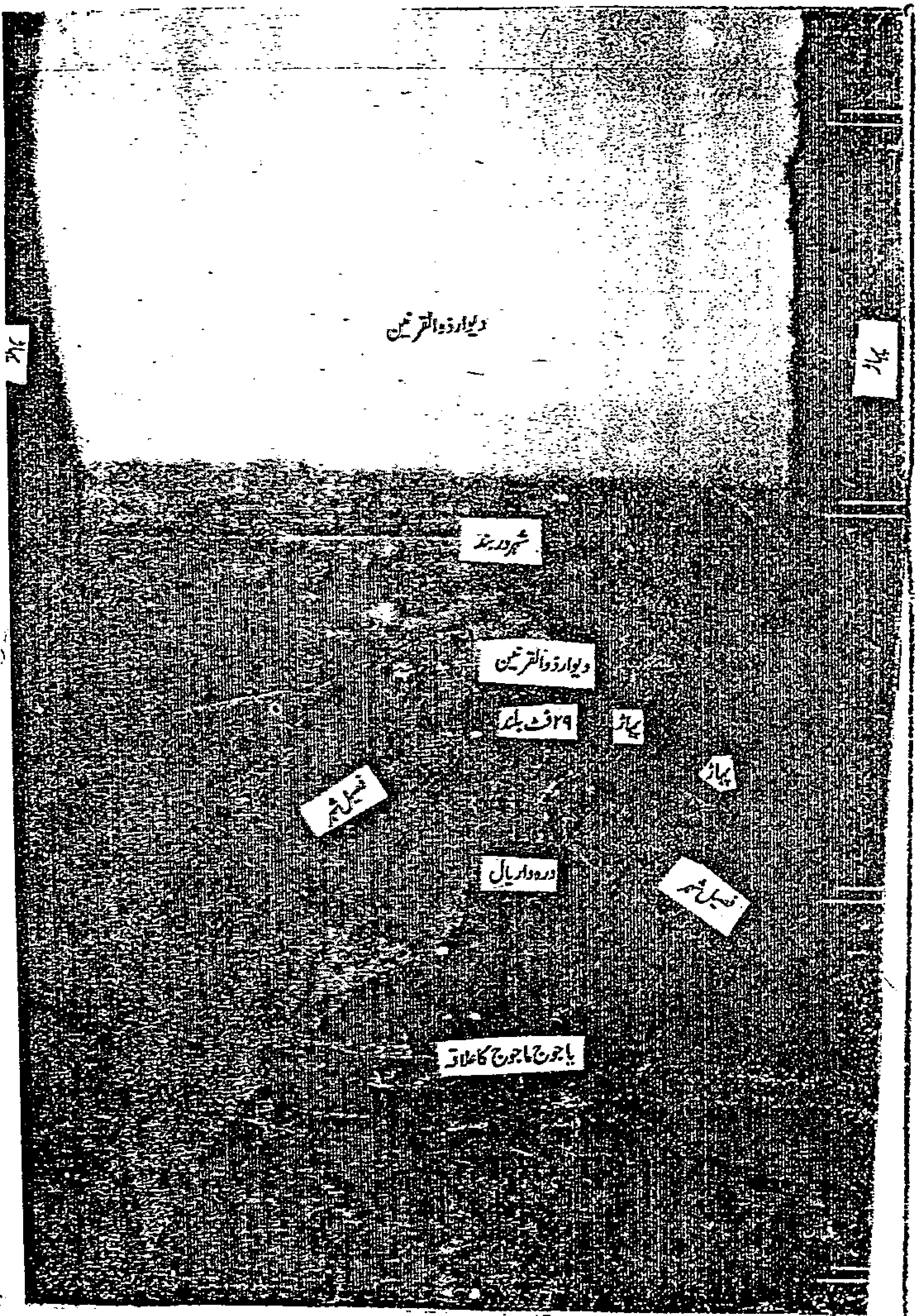
دیوار ذوالقرنین
پہاڑ
پہاڑ
شہر دربند
دیوار ذوالقرنین
۲۹ فٹ بلند
پہاڑ
پہاڑ
فصیل شہر
درہ داریال
فصیل شہر
یاجوج ماجوج کا علاقہ

Marfat.com

ذوالقرنین، یاجوج ماجوج
اور
جائے وقوع، دیوارِ ذوالقرنین

مرتب

حکیم ظل الرحمٰن

Marfat.com